انقلابِ حسینؑ

پر محققانہ نظر

الشیخ محمد مہدی شمس الدین
(لبنان)

باز این چه شورش است که در خلق عالم است
باز این چه رستخیز عظیم است کز زمین
بی نفخ صور خاسته تا عرش اعظم است
گر خوانمش قیامت دنیا بعید نیست
باز این چه رستخیز عظیم است کز زمین

دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

انقلابِ حسین علیہ السلام

پر محقّقانہ نظر

نام کتاب	انقلاب حسین ؑ
تالیف	شیخ محمد مہدی شمس الدین (لبنان)
ترجمہ	شیخ محسن علی نجفی
ناشر	دار الثقافۃ الاسلامیہ پاکستان
تعاون	جامعہ اہل بیت ؑ (اسلام آباد)
تعداد	۲۰۰۰
تاریخ اشاعت	ذیقعدہ ۱۴۱۱ھ - مئی ۱۹۹۱ء



مقدمۂ مترجم

دینِ اسلام نہ تو کیپٹلزم کی طرح صرف انفرادی مفادات کا تحفظ دیتا ہے نہ ہی کمیونزم کی طرح صرف اجتماعی مفادات کی ضمانت فراہم کرتا ہے، اسلام کے نزدیک معاشرے کے انفرادی اور اجتماعی دونوں مفادات عزیز ہیں، اسلام کے نزدیک ہر فرد پر انفرادی اور اجتماعی دونوں ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، بعض حالات میں انسان پر صرف انفرادی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، یہ اس وقت ہوگا جب اجتماعی امور کی انجام دہی کے لئے زمین ہموار نہ ہو، ارشادِ الٰہی ہے:

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ"

"اے ایمان والو تم اپنی ذات کو بچاؤ۔ اگر تم ہدایت پاؤ تو دوسروں کی گمراہی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔"

اور جب اجتماعی امور کی انجام دہی کے لئے حالات مساعد ہوں تو اس وقت انسان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی اجتماعی ذمہ داریوں کو انجام دے۔ حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے:

"کُلُّکُمْ رَاعٍ وَ کُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ"

"تم میں سے ہر ایک پر اجتماعی مسئولیت عائد ہوتی ہے اور تم میں سے ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہے۔"

تقریباً ہر شخص کو اپنی زندگی میں مختلف اور گوناگوں حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے حالات کے تقاضوں کے مطابق کبھی گوشہ نشینی اختیار کرنی پڑتی ہے، اور کبھی میدانِ عمل میں میں اُترنا پڑتا ہے۔

سیّد الشہداء حضرت امام حسین علیہ السّلام کو بھی اپنی زندگی میں انہیں دو مختلف حالات کا مقابلہ کرنا پڑا۔ آپ نے دورِ معاویہ میں خاموشی اختیار کی اور دورِ یزیدی میں قیام کیا۔

مؤلّف فاضل نے اپنی اس کتاب میں انقلابِ حسین علیہ السّلام کے علل و اسباب بیان کرتے ہوئے اس بات پر تاریخی شواہد کے ذریعہ روشنی ڈالی ہے کہ مسلمانوں نے اسلامی خطوط سے کب انحراف کیا اور ان انحرافات کے عوامل کیا تھے، اور کن لوگوں نے اپنے مفاد کی خاطر اسلام کے خلاف اسلام ہی کو استعمال کیا، اور ان مفاد پرست حکمرانوں کے چہرے سے دینی نقاب کو چاک کرنے کے لئے ایک انقلاب ناگزیر تھا اور سیّد الشہداؑ کو اسی انقلاب کے لئے رسولؐ اسلام نے ذخیرہ کر رکھا تھا۔

فاضل مصنّف اس بات پر محققانہ روشنی ڈالتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السّلام نے عہدِ معاویہ میں قیام کیوں نہیں فرمایا، یہاں پر مؤلّف نے فلسفۂ صلح امام حسین علیہ السّلام کی بھی وضاحت فرمائی ہے اور معاویہ کی سیاست پر سیر حاصل بحث کی ہے، حضرت امام حسین علیہ السلام کے انقلاب کے انفرادی اور اجتماعی نتائج پر بھی تحقیقی نظر کی ہے اور ان انقلابات کا بھی ذکر ملتا ہے جو انقلابِ کربلا کے بعد وجود میں آئے۔

انقلابِ کربلا اور فکرِ حسینی کو سمجھنے کے لئے یہ کتاب اپنی مثال آپ ہے، اور اس کتاب سے علماء، محققین اور عوام سب مستفیض ہو سکتے ہیں۔

جامعۃ اہل البیت اسلام آباد کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ اس نے حضرت امام حسین علیہ السّلام کے چودہ صد سالہ جشنِ ولادت کو بین الاقوامی سطح پر منایا اور اس تاریخی موقع پر

تاریخی کتاب قارئین کی خدمت میں پیش کی۔ امید ہے کہ مؤمنین کرام اس درسگاہ کی ان دو خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

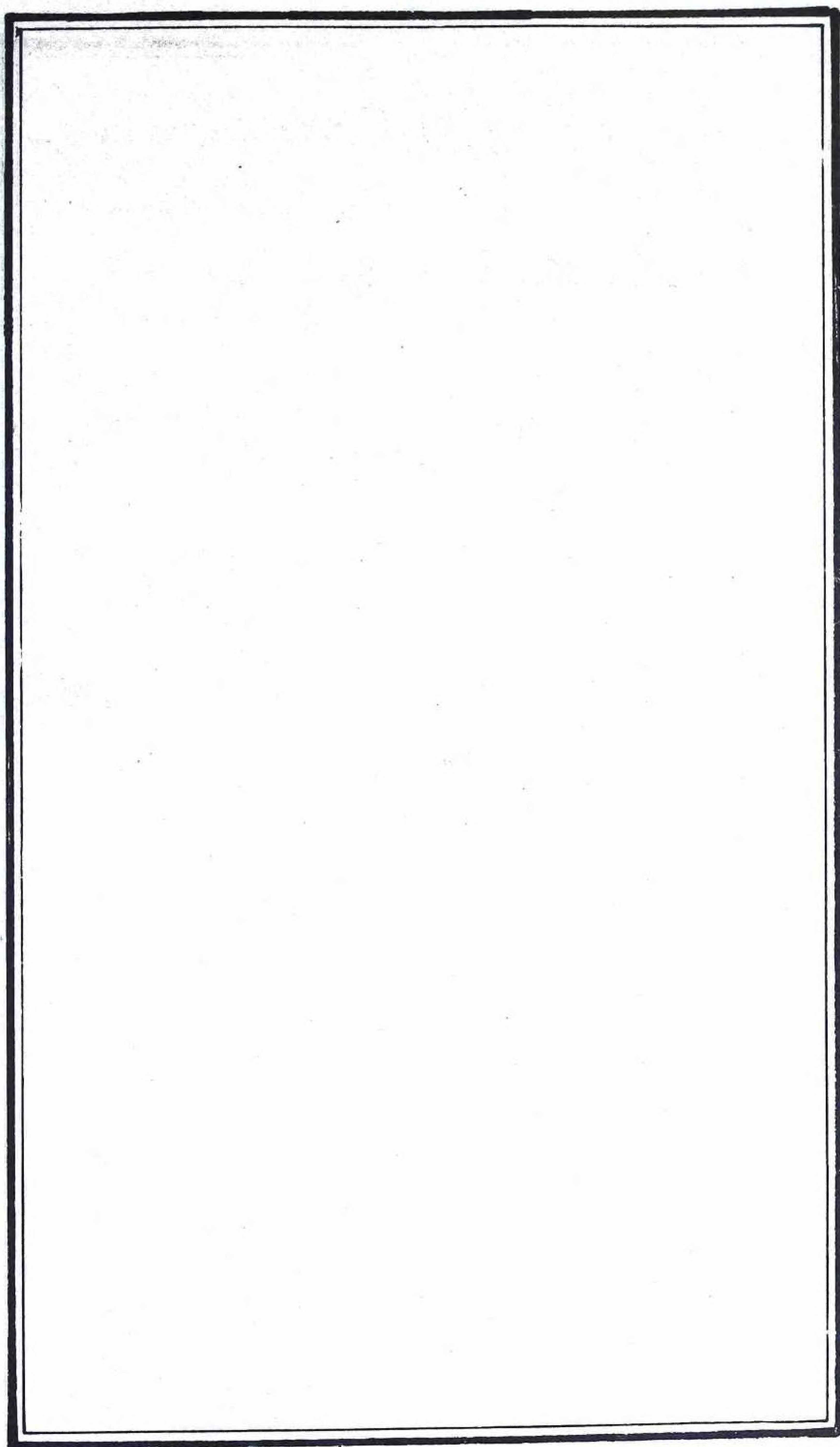
اے محسنِ انسانیت۔ اے شہید مظلوم۔ اے مکتبِ آزادی کے معلّم۔ اے فرزندِ بتولؑ

اشھد انک قد اقمت	میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے
الصّلوٰۃ ــ واتیت	نماز قائم فرمائی اور
الزکوٰۃ ــ وامرت	زکوٰۃ ادا فرمائی
بالمعروف ــ ونھیت عن	امر بمعروف کیا اور
المنکر ــ وجاھدت فی اللہ حق	نہی از منکر کیا اور راہ خدا میں
جھادہ	جہاد فرمایا جیسا کہ اس کا حق ہے

۱۳ رجب ۱۴۰۴ ہجری

محسن علی نجفی

اسلام آباد



مقدمہ

انقلاب حسین علیہ السلام کے جس پہلو کو لوگوں نے زیادہ اہمیت دی ہے۔ وہ ان واقعات کے ساتھ مربوط ہے جو بے مثل بہادری اور انسانی عظمت پر مشتمل ہیں۔ جس کا مظاہرہ کربلا کے جانبازوں اور ان کے عظیم قائد کی طرف سے ہوا۔ کربلا کے جانبازوں نے دشمن کے مقابلے میں تھوڑے ہونے اور عسکری کامیابی حاصل ہونے کی کوئی امید نہ ہونے کے باوجود اپنے ایمان وعقیدے اور مسلمانوں کے عمومی مفاد کے لئے اس طرح پامردی سے قیام کیا کہ اس راہ میں جو متاع عزیز کسی انسان کے پاس ہو سکتی ہے، یعنی جان، مال، اولاد، امن وسکون سب کو قربان کر دیا۔

انقلاب حسین علیہ السلام نے حکمرانوں، ان کے نمائندوں اور انکے آلۂ کاروں کی پستی، بزدلی اور اخلاقی انحطاط کو بھی واضح کر دیا۔ جس کا مظاہرہ انہوں نے کربلا کے جانبازوں کو اس بے دردی اور سفاکی کے ساتھ شہید کر کے کیا۔ جس

کی نظیر پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔

انقلاب حسینؑ میں محبت و ہمدردی کا بے مثال نمونہ پیش کیا گیا ہے، یہ محبت و ہمدردی جلادوں اور قاتلوں کے ساتھ تھی، جن کو ظالم حکمران نے دھوکہ دے کر ان طاقتوں کے ساتھ لڑنے کے لئے بھیجا تھا جو خود انہی کی بھلائی چاہتی تھیں۔ اور ان جانبازوں نے اس محبت کا مظاہرہ آپس میں بھی کیا جو موت کی طرف ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے تھے، تاکہ اپنے ساتھی کے قتل کا منظر دیکھنے کے لئے زندہ نہ رہیں۔

ان کے مقابل میں کوفی لشکر ہے، جو بدترین کینے اور عداوت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ جس نے جانبازوں اور ان کے بچوں کو پانی تک سے محروم رکھا اور عورتوں اور بچوں تک کا خون بہانے سے باز نہیں آیا۔

انقلاب کربلا اس کے جانبازوں کی بہترین فکر، گفتار اور کردار کا بہترین مظاہرہ پیش کرتا ہے جبکہ حکمرانوں اور انکے چیلوں کی پستی بھی اس سے ظاہر ہوتی ہے اور ان دو متضاد مثالوں، اصولوں اور جذبات کا موازنہ کرنے کے بعد جو المناک واقعہ سامنے آتا ہے وہ ہر سننے اور پڑھنے والے کے دل کو ہلا کر رکھ دیتا ہے۔ انقلاب حسین علیہ السلام میں رونما ہونے والے واقعات اس قدر جذبات میں اثر پیدا کرنے والے ہیں کہ انہوں نے اس انقلاب پر لکھنے والوں میں سے تقریباً سب کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی ہے اور انہوں نے اس انقلاب کے صرف واقعاتی پہلو پر اپنی تحقیقات مرکوز کر دیں۔

اگرچہ واقعاتِ کربلا میں تربیت و تعلیم کی بے شمار خصوصیتیں موجود ہیں، مگر انقلاب حسینؑ صرف واقعات تک ہی محدود نہیں ہے، یہ انقلاب اور دوسرے

تمام انقلابات اتفاقی اور دوسرے واقعات سے نہ صرف مربوط ہیں بلکہ یہ انقلاب تاریخ میں رونما ہونے والے وسیع واقعات کے ساتھ بھی منسلک ہے۔ ہر انقلاب کی جڑیں ہوتی ہیں اور ان جڑوں کو اس نظام اور اس معاشرے میں تلاش کرنا چاہیئے جہمیں یہ انقلاب برپا ہوا ہے اور ہر انقلاب کے پس پشت خاص سیاسی اور اجتماعی حالات ہوتے ہیں اور خواہ وہ عسکری اعتبار سے ناکام بھی رہے۔ پھر بھی اس کے آثار و نتائج ہوتے ہیں۔

کسی انقلاب کا صحیح چہرہ اس وقت تک سامنے نہیں آتا۔ جب تک اس کے تمام پہلوؤں، مقدمات، حالات اور اس کے نتائج کا گہرا مطالعہ نہ کر لیا جائے۔ اس کتاب کا مقصد بھی یہی ہے۔

اس کتاب میں کوشش کروں گا کہ انقلاب امام حسینؑ کا ان حالات کی روشنی میں تجزیہ کروں جن کی وجہ سے یہ انقلاب وجود میں آیا اور ان آثار و نتائج پر بحث کروں جو اس کی وجہ سے اسلامی معاشرہ میں نمودار ہوئے۔

یہ کتاب تاریخ اسلامی میں رونما ہونے والے انقلابات کے سلسلے میں پیش کی جانے والی میری کتابوں میں سے پہلی پیشکش ہوگی۔ خدا مجھے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔

میرے خیال میں اسلامی تاریخ میں رونما ہونے والے انقلابات کی طرف قدیم وجدید مؤرخین اور مفکرین نے وہ توجہ نہیں دی۔ جس کے وہ مستحق تھے۔ ان لوگوں نے ان حکومتوں کی تاریخ لکھنے پر اکتفا کی جو دینی لبادہ اوڑھے ہوئے تھیں۔ اور اس مسئلے کے دوسرے پہلو جو اسلامی نظام حکومت کے ساتھ مربوط ہیں کو ضمنی طور پر ثانوی حیثیت میں اور بعض حالات میں معاندانہ انداز

میں بیان کیا ہے۔

شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ قدیم مؤرخین کی اکثریت اپنی معاصر حکومتوں کی وظیفہ خوار ہوتی تھی۔ اسی لئے یہ مؤرخین انہی کے مقاصد پیش نظر کر تاریخ قلمبند کرتے تھے۔ مؤرخین کا یہ روّیہ اپنے ہم عصر حاکموں کی خدمت کرنے کے علاوہ کبھی اپنے عہد سے نکل کر گزشتہ فکری اور سیاسی شخصیتوں کے حالات پر بھی اثر انداز ہوتا تھا اگر ان واقعات کا ان کے موجودہ حالات سیاسی اور اجتماعی حالات سے کوئی ربط ہو۔

بظاہر ہمارے معاصر مورخین نے بھی اسلاف کے اسی ردیے کو اپنا رکھا ہے۔ اور ان میں سے کچھ نے تو یہ خیال کر کے کہ اس پرسکون ماحول میں انقلاب اور انقلابیوں کا ذکر کرنا مصلحت آمیز نہیں ہے۔ ان کے ذکر سے ہی گریز کیا ہے۔ ممکن ہے کچھ لوگوں نے اس لئے گریز کیا ہو کہ ان کے خیال میں مسلمان ابھی اس سطح فکر تک نہیں پہنچے، جہاں سے علم و سیاست کا فرق معلوم ہوتا ہے یا امانت داری کے اس مرتبے پر فائز نہیں ہوئے کہ علمی تحقیقات کو سیاسی مقاصد کیساتھ مخلوط نہ کریں۔

ان باتوں سے گریز کرنے کا جواز کچھ بھی ہو یہ بات مسلم ہے کہ تاریخ اسلام کے انقلاب کے بارے میں جامع تحقیقات نہ کرنے سے اسلامی تاریخ نامکمل رہ جاتی ہے۔

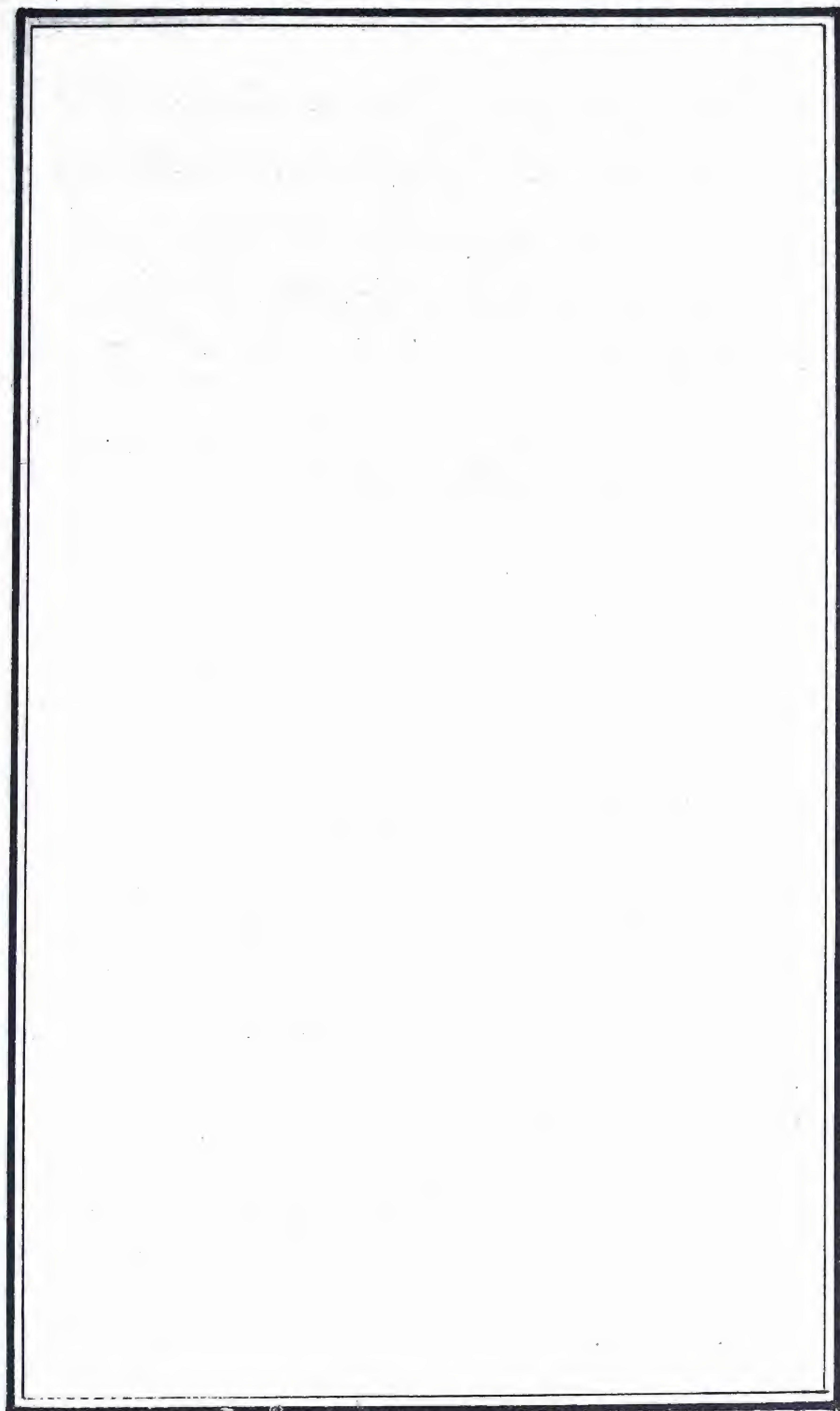
جیسا کہ میں نے پہلے عرض کر دیا ہے کہ انقلاب، اسلامی معاشرے کا دوسرا چہرہ ہے۔ لہذا جب تک تصویر کے دونوں رخوں کا کامل مطالعہ نہ کر لیا جائے اس وقت تک قدیم مسلمانوں کے صحیح حالات کے بارے میں نظریہ قائم کرنا ممکن نہیں ہے۔

اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے توفیق عطا فرمائے کہ میں

تاریخِ اسلام میں رونما ہونے والے انقلابات کے بارے میں کتابوں کا یہ سلسلہ جاری رکھ سکوں۔ تاکہ پوری تاریخ کی اسلامی تعلیمات سے ہدایت لیتے ہوئے وقوع پذیر ہونے والی مسلمانوں کی جدوجہد سے پردہ اٹھا سکوں۔

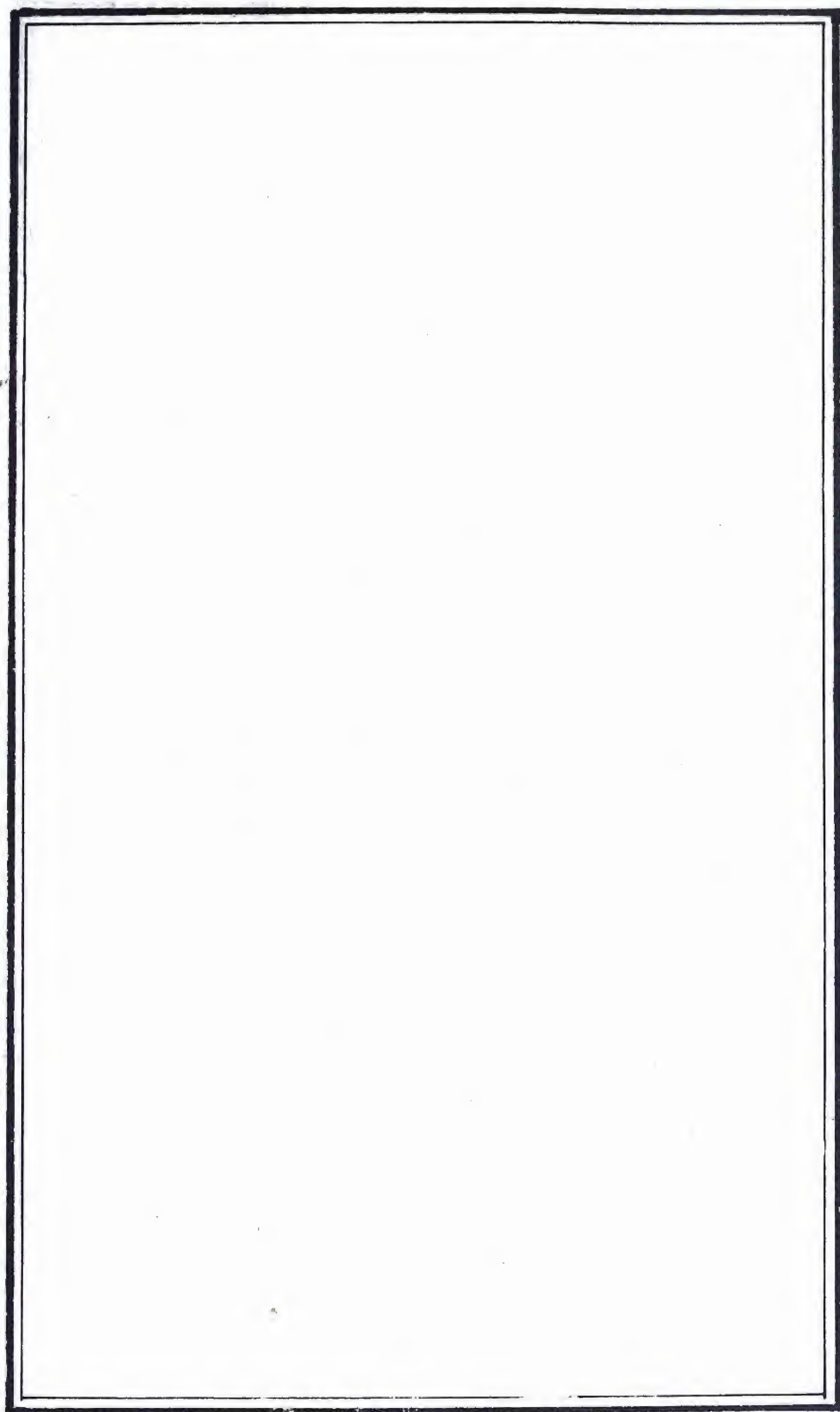
مجھے امید ہے کہ اس سلسلے میں پیش ہونے والی اس پہلی کتاب میں صحیح نتائج تک پہنچنے کی توفیق ملے گی۔

محمد مہدی شمس الدین



حصّہ اوّل

سیاسی اور اجتماعی حالات



تمہید

شاید ایک مؤرخ کے لئے کسی معاشرے کے دو مختلف مرحلوں کے درمیان حد فاصل بیان کرنا سب سے زیادہ مشکل ہو۔ کیونکہ ہر معاشرہ تدریجاً بدلتا رہتا ہے۔ لہذا یہ کہنا مشکل ہوگا کہ فلاں دن سے قدیم زمانہ ختم اور جدید زمانہ شروع ہو گیا۔

اسی لئے ہمیں بھی یہی مسئلہ درپیش ہے جب ہم اسلامی اقدار سے مسلمانوں کے انحراف کی تاریخ معین کرنا چاہتے ہیں۔ پھر بھی! یہ انحراف خلافتِ حضرت عثمان کے وسط میں نمایاں ہو گیا تھا۔

قدرتی طور پر اس رجحان کے لئے کچھ نئے حوادث و واقعات بھی ممد و معاون ثابت ہوئے۔ جو اس وقت کے حکمرانوں کی ذہنیت کے لئے سازگار تھے۔

لہٰذا اس موضوعی تحقیقات کے لئے ضروری ہے کہ ہم صرف ظاہری حالات پر اکتفا نہ کریں۔ بلکہ ہم اس کے اسباب و عوامل کا بھی کھوج لگائیں۔ جو اس وقت کے احزاب اور شخصیات کے تصرفات میں پائے جاتے ہیں ۔ جنہوں نے اس عہد کی تاریخ لکھی ہے۔

جن لوگوں نے اس دور کی تاریخ لکھی ہے۔ ان پر اخلاقی تنقید کئے بغیر ہم صرف ان حالات و حوادث کا تجزیہ کریں گے، جن سے اسلامی معاشرے کو اس جدید رجحان کا ایک رُخ مل گیا۔ ہم اس اجتماعی اور انسانی ماحول کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ جس نے انقلابِ حسینی کے لئے راہ ہموار کر دی۔ کیونکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا میں رونما ہونے والے دوسرے تاریخی واقعات کی طرح حسینی انقلاب ایک جز وقتی احساسات کا نتیجہ نہیں تھا۔ بلکہ یہ انقلاب سابقہ اجتماعی حالات کا نتیجہ تھا۔

اگر ہم حضرت عثمان کے عہد میں رونما ہونے والی بڑی تبدیلیوں کے عوامل کا ذکر کر دیں تو وہ بہت ہے۔ شاید ان میں اہم واقعات تین ہیں۔

ا۔ منطقِ سقیفہ

ب۔ تقسیمِ اموال میں حضرت عمر کا اصول۔

ج۔ واقعہ شوریٰ۔

ان تین واقعات کی اہمیت کے پیشِ نظر ہم ان کا مختصر سا جائزہ لیں گے۔

منطقِ سقیفہ

تحقیقی نگاہ رکھنے والوں کے لئے یہ بات ناقابل انکار ہے کہ رسولِ اکرم صلعم کی وفات کے بعد یہ انکشاف ہوا کہ ابھی بہت سے مسلمانوں میں قبائلی تعصّب کی روح زندہ ہے۔ چنانچہ رسالت مآب صلعم کی وفات کے چند گھنٹوں بعد سیاسی میدان میں اُبھرنے والوں کے کردار و گفتار سے یہ بات واضح ہو گئی اور آنے والے واقعات میں اسی چیز نے بڑی سرعت کے ساتھ اثر کیا۔

سقیفہ بن ساعدہ میں دوسرے تمام مسلمانوں سے ہٹ کر انصار نے خلافت کے مسئلہ پر اجتماع کیا اور ان کا خیال تھا کہ خلافت ان کا حق ہے اور دوسری طرف سے قریش کے کچھ لوگ جمع ہو گئے اور انصار سے اس مسئلے میں جھگڑنے لگ گئے جبکہ وہ سب جانتے تھے کہ رسول اللہ صلعم ان سے

اس وقت تک جدا نہیں ہوئے جب تک اس امر کو علی ابن ابی طالب (ع) کے سپرد نہ کر دیا۔ علیؑ دوسرے ہاشمیوں اور کچھ انصار کے ساتھ رسالت مآب صلعم کے جنازے کے پاس تھے، جو ابھی دفن نہیں ہوا تھا۔ رسالت مآب صلعم کی وفات کے باعث مسلمانوں کی پریشانی سے کچھ سیاسی افراد نے فائدہ اٹھایا۔ اور لوگ ان ہنگامی حالات میں رسالت مآب کی وصیت کو جو علی ابن ابی طالب کے بارے میں تھی، بھول گئے۔ چنانچہ خود حضرت عمر نے اپنے دورِ خلافت میں عبداللہ ابن عباس کے ساتھ گفتگو میں اس بات کی کئی توجیہات کیں۔[1]

اگر ہم سقیفہ کی گفتگو میں اپنائی گئی منطق کا جائزہ لیں تو قبائلی تعصبات نمایاں ہو کر سامنے آتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر کے قلم سے "اوس" "خزرج" کے درمیان عداوت کا احیاء ہو گیا۔ انہوں نے دونوں قبیلوں کے مقتولین کا ذکر کیا اور ان زخموں کا ذکر کیا جو ابھی تک مندمل نہ ہوئے تھے۔ دوسری طرف سے "حباب ابن المنذر" (انصار کے ترجمان) نے بھی اسی جاہلانہ جذبے سے بات کی اور انصار کو مشتعل کرنے اور ثابت قدم رہنے کی تلقین کرنے کی کوشش کی۔ مہاجرین کی سوچ بھی اس سے مختلف نہیں تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ محمدؐ صلعم کے اقتدار میں ہمارا کون مدِ مقابل ہو سکتا ہے۔ جب کہ ہم ان کے قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ حالات اسی ڈگر پر چل نکلے۔ جس کے خطوط حضرت ابوبکر نے

---

[1] الطبری ۵-۳۱-الکامل ۳-۳۱-شرح ابی ابن الحدید-۲-۵۷-اور ۱۲-۹-۲۰-۲۱-۸-۷-۹-۸۲- اور تاریخ یعقوبی میں ہے (انصار و مہاجرین کو علیؑ سے کوئی شکایت نہ تھی۔ اور شرح نہج البلاغۃ میں بھی تقریباً یہی الفاظ موجود ہیں۔

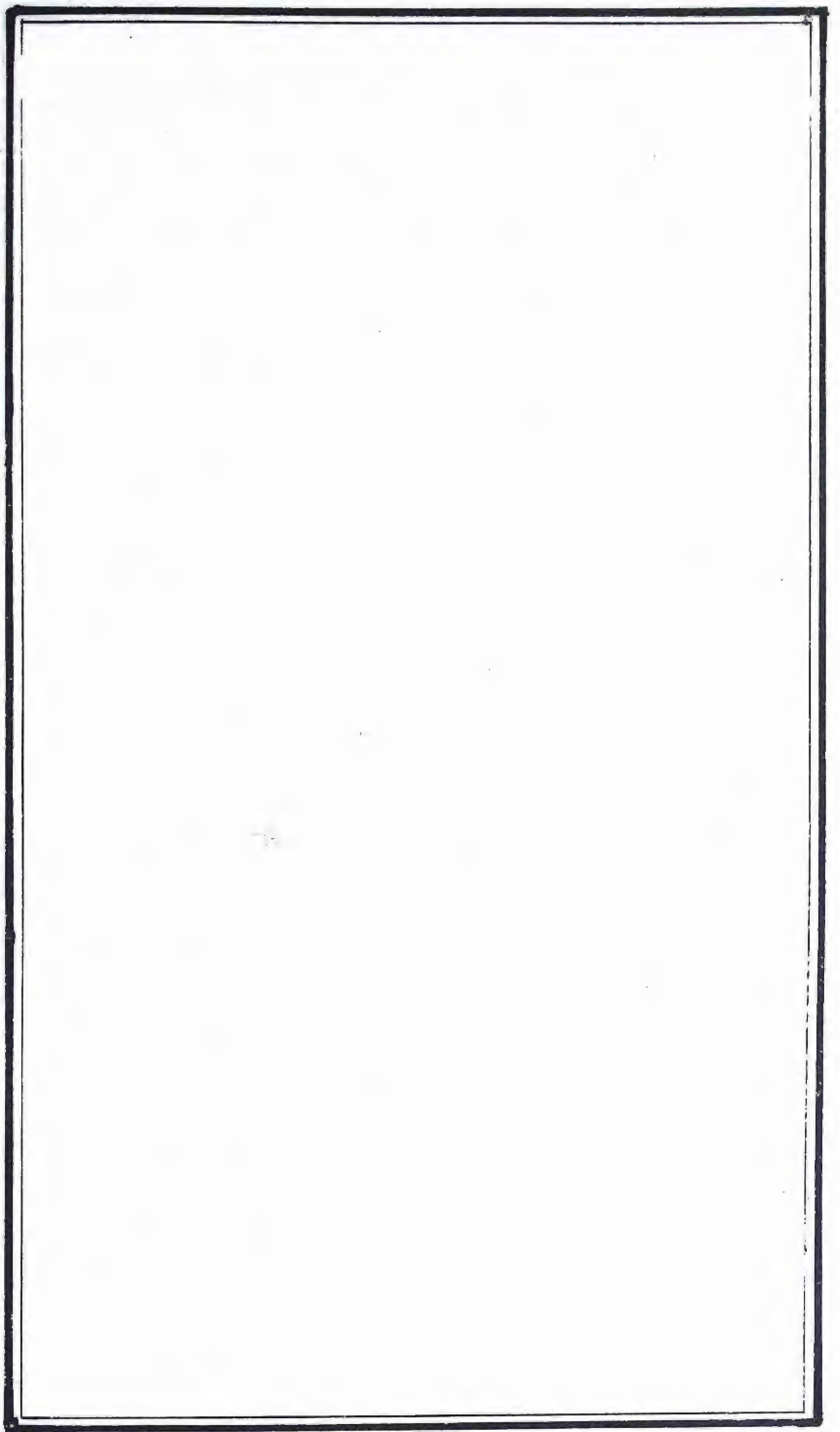
قائم کئے تھے۔ چنانچہ انصار قبائلی تعصب سے متاثر ہو کر بٹ گئے اور خلافت کے لئے ان کے امیدوار "سعد ابن عبادہ خزرجی" اس وقت گوشہ نشین ہو گئے۔ جب قبیلہ "اوس" نے حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی[1]

سقیفہ کے دن سامنے آنے والے قبائلی تعصبات نے مسلمانوں میں فتنے کا ایک دروازہ کھول دیا۔

قریش نے اس تجربے میں کامیابی حاصل کی۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ خلافت اس لئے ان کا حق ہے کہ نبیؐ ان میں سے ہیں۔ اس نظریے نے قریش میں اسلامی حکومت کے تصور پر برا اثر ڈالا اور یہ اثر حضرت عثمان کے عہد خلافت میں نمایاں ہو کر سامنے آ گیا۔

---

[1]: حضرت عمر نے اپنے اصول کے مطابق تقسیم اموال کا سلسلہ شروع کر دیا اور "اوس" کو خزرج پر ترجیح دی (فتوح البلدان ۴۳۳) اور سعد ابن عبادہؓ نے اس سیاست کی مذمت کرتے ہوئے حضرت عمر اور حضرت ابوبکر کو علی الاعلان برا بھلا کہا۔ اور ان دونوں سے تبرا کیا چنانچہ شیخین نے سعد کو مدینہ سے شام کی طرف ملک بدر کر دیا اور وہاں انہیں قتل کر دیا گیا حضرت عمر نے کہا (اقتلوا سعداً قتل اللہ سعداً۔ اقتلوہ فانہ منافق) سعد کو قتل کر دو۔ خدا سعد کو قتل کرے اسے قتل کر دو۔ وہ منافق ہے (شرح ابن ابی الحدید ج ۲۰/ صفحہ ۲۱،۱۰)



(ب)

تقسیمِ اموال میں حضرت عمر کا اُصول

رسول اکرم صلعم نے تقسیمِ اموال میں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دی۔ اسی طرح حضرت ابوبکر نے بھی۔ جبکہ حضرت عمر نے سنہ ۲۰ھ میں ترجیحی بنیادوں پر بیت المال کی تقسیم شروع کردی۔

"اسلام میں سبقت حاصل کرنے والوں کو دوسروں پر ترجیح دی اور قریش کے مہاجرین کو دوسرے مہاجرین پر ترجیح دی اور تمام مہاجرین کو انصار پر ترجیح دی اور خالص عرب کو دوسروں پر ترجیح دی"[1]

---

[1]: ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغۃ ۸ ـ ۱۱۱

" قبیلہ مضر کو قبیلہ ربیعہ پر فضیلت دی۔

چنانچہ قبیلہ مضر کے لئے تین سو اور

قبیلہ ربیعہ کے لئے دو سو مقرر کر دیا۔[1]

اسی طرح اوس کو خزرج پر ترجیح دی۔[2]

اس اصول نے بعد میں اسلامی معاشرے پر بُرے اثرات مرتب کیئے۔ کیونکہ یہیں سے اسلامی معاشرے میں طبقاتی تفاوت کی بنیاد پڑ گئی۔ جس کو دین میں مقام حاصل تھا۔ اس کو مادیت میں بھی فوقیت حاصل ہو گئی۔ قریشی ارسٹو کریسی (طوائف الملوکی) نے بالادستی اور مسلمانوں کے مقدر پر حکمرانی کرنے کا ایک نیا جواز پیدا کر دیا۔ اس طرح تمام ترجیحی اعتبارات سے قریشی غیر قریشی پر افضل قرار پائے اس کا مطلب یہ ہوا کہ قریشی لوگوں میں سب سے افضل ہے۔ اس لئے کہ وہ قریشی ہیں، اور بالادستی اور تسلط کے جواز کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

اسی اصول نے "ربیعہ" اور "مضر" کے قبائل اور "اوس" "خزرج" کے قبائل میں نزاع کا ایک نیا سبب پیدا کیا کیونکہ قبیلہ مضر کو قبیلہ "ربیعہ" پر اور قبیلہ اوس کو قبیلہ خزرج پر ترجیح ملنے کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ ہمارا گمان یہ ہے کہ اس نظریے نے عرب مسلمان اور غیر عرب مسلمانوں میں نژادی نزاع کے بیج بو دیئے۔ جب سے حضرت عمر نے عرب کو عجم پر اور خالص عرب کو غیر خالص عرب پر ترجیح دی۔

حضرت عمر کو بھی اپنی زندگی کے آخری دنوں میں اس طریقۂ کار کے

1: تاریخ الیعقوبی ۲/۱۰۶

2: فتوح البلدان۔ ۴۳۷

سیاسی اور اجتماعی خطرات کا اندازہ ہو گیا تھا اور کچھ کا انھوں نے اپنی زندگی میں اس سے پہلے بھی مشاہدہ کیا تھا۔ چنانچہ مدینہ میں اسی بنیاد پر گروہ بندی اور تفرقے کو دیکھ کر آپ نے کہا:۔

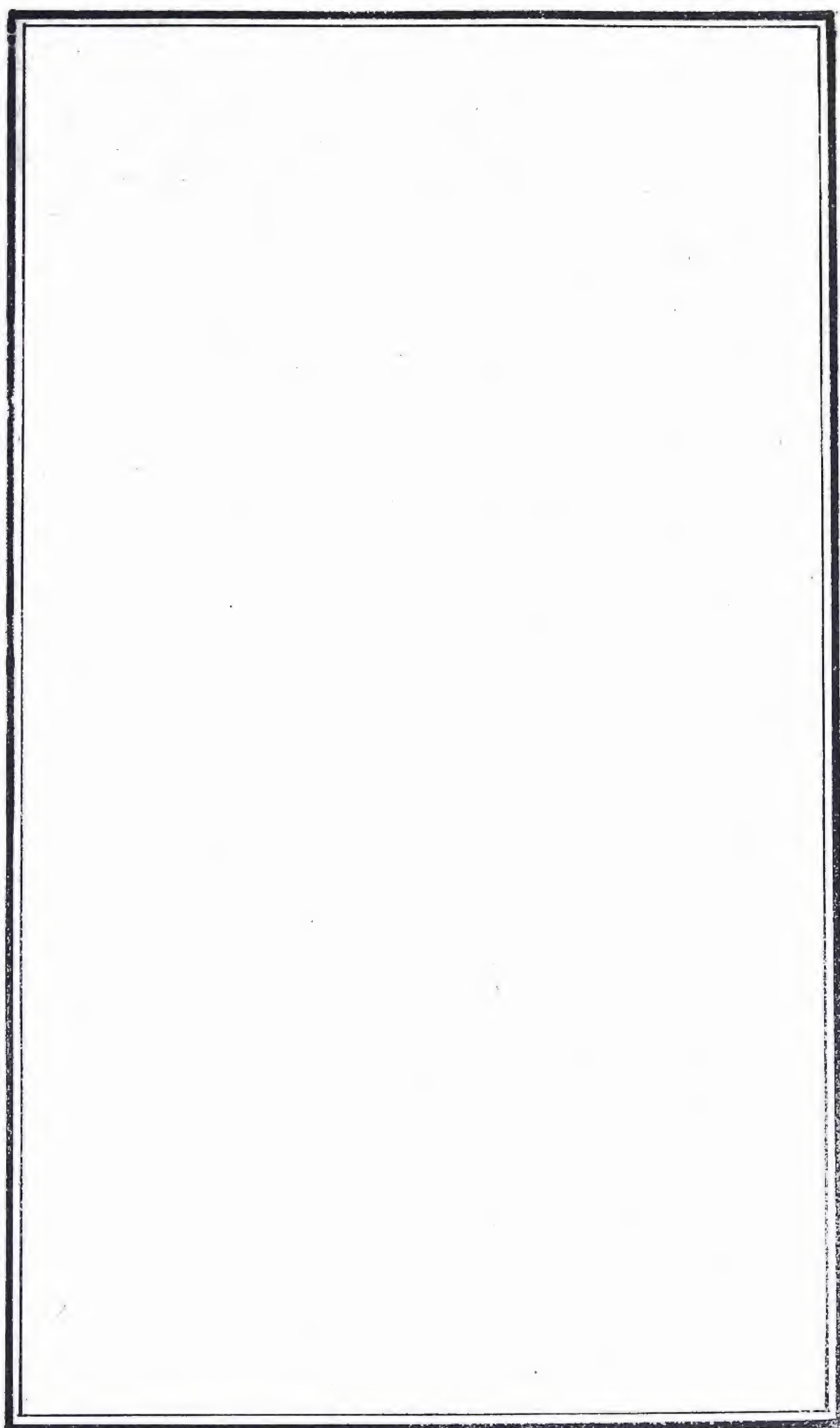
" مجھے خبر ملی ہے کہ تم میں سے دو آدمی
بھی جب ایک جگہ بیٹھتے ہیں تو آپس
میں کہتے ہیں کہ یہ فلاں کا ساتھی فلاں
کا ہمنشین ہے۔ یہاں تک کہ نشست
کو مشکوک قرار دے دیا گیا ہے۔ قسم
بخدا یہ کام تمہارے دین تمہاری شرافت
اور خود تمہارے درمیان بے جا دخل ہے"[۱]

چنانچہ انھوں نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں رسولِ کریم کا اصول دوبارہ اپنانے کا اعلان ان الفاظ میں کیا۔

"میں نے لوگوں میں سے بعض کو بعض پر ترجیح
دینے کا عادی بنا دیا تھا۔ اگر میں اس سال
زندہ رہا تو میں لوگوں میں پھر مساوات
قائم کر دوں گا اور کسی سرخ کو کسی سیاہ پر اور
کسی عرب کو کسی عجم پر ترجیح نہیں دوں گا اور
ایسا ہی کروں گا جیسا کہ رسول خدا صلعم اور
ابوبکر نے کیا تھا"[۲]

---

[۱] طبری جلد ۵ صفحہ ۲۵ [۲] تاریخ یعقوبی ۲/۱۰۷ شرح نہج البلاغہ ۳/۱۳۱، الفخری صفحہ ۷۳



(ج)

شوریٰ

تقسیمِ اموال میں ترجیح نے قریشیوں میں پہلے ہی احساسِ برتری پیدا کر دیا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ حضرت عمرؓ نے شوریٰ کا طریقۂ انتخاب پیش کر کے قریش کی اہم شخصیتوں اور ان کے قبائل و انصار میں ایسا سیاسی طمع پیدا کر دیا جس کے وہ خواب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے کیونکہ حضرت عمرؓ نے شوریٰ کو چھ شخصیتوں میں منحصر کیا تھا اور ان میں سے ہر شخص خلافت کے لئے امیدوار تھا۔ اب ہم اس کے بعد رونما ہونے والے واقعات میں سیاسی قوتوں کی تقسیم کا ذکر کرتے ہیں۔ بعد میں رونما ہونے والا اہم واقعہ حضرت عمرؓ کے بعد انہی امیدواروں سے ایک نئے خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا ہے۔

" عبدالرحمان ابن عوف تین دن کے مشوروں کے بعد جب واپس لوٹا تو لوگوں کا ایک

ہجوم اس کے دروازے پہ جمع تھا اور
کسی کو اس بارے میں شک تک نہیں
تھا کہ بیعت حضرت علیؑ ابن ابی طالب
کے ہاتھ پہ ہونے والی ہے ۔ بنی ہاشم
کے علاوہ تمام قریش کا رجحان عثمان
کی طرف تھا اور انصار کے ایک گروہ
کا رجحان حضرت علیؑ کی جانب تھا انصار
کے ایک اور گروہ کا رجحان حضرت
عثمان کی جانب تھا اور یہ گروہ
اقلیت میں تھا۔[2]"

لوگ ابن ابی طالب کو چاہتے تھے اور وہ بنی اُمیّہ کی سلطنت سے خائف تھے دوسری طرف قریش حضرت علیؑ اور ان کے عدل و استقامت سے خائف تھے شائد ان میں سے اکثر کو بیت المال، اجتماعیت اور حکومت کے بارے میں حضرت علیؑ کے نظریات کا علم بھی تھا۔ انصار کی اکثریت علیؑ کے ساتھ اور اقلیت عثمان کے ساتھ تھی۔ ایسا اس لئے تھا کہ وہ قریش کی حکومت سے خوف زدہ تھے اور مدینہ میں مسجد نبوی میں جو گفتگو ہوئی تھی۔ اس میں بنی اُمیّہ پر سقیفہ کا قبائلی تعصب چھایا

---

[1] تاریخ یعقوبی ۸۲/۲ میں ہے کہ دکان المھاجرون والانصار لایشکون فی علی۔ مہاجر اور انصار کو علیؑ کے خلیفہ ہونے میں شک تک نہیں تھا۔

[2]: شرح ابن ابی الحدید ۵۲/۹

ہوا تھا۔ یہ گفتگو حضرت عثمان کی بیعت سے پہلے ہوئی تھی۔ جس سے یہ واضح ہو گیا تھا کہ اب قریشی خلافت کو اپنے ساتھ مخصوص سمجھنے لگے ہیں اور کسی مسلمان کو حق حاصل نہیں ہے کہ وہ قریش کے خلاف کوئی رائے قائم کرے۔

عبداللہ ابن ابی ربیعہ المخزومی، مقداد ابن عمرو سے کہتا ہے۔

" اے مزدور کے بیٹے! تجھ جیسے کو قریش
کے معاملات میں دخل دینے کی جرأت
کیسے ہوئی"[1]

اور عبداللہ بن سعد اموی نے کہا،

" لوگوں اگر تم قریش میں اختلاف نہیں
دیکھنا چاہتے ہو تو عثمان کی بیعت کرو"

اور عمار ابن یاسر نے کہا:

" اگر تم مسلمانوں میں اختلاف نہیں
دیکھنا چاہتے ہو تو علیؑ کی بیعت کرو"[2]

لہذا حضرت علیؑ مسلمانوں کی اکثریت کی طرف سے اور حضرت عثمان قریشی ارسٹوکریسی کی جانب سے امیدوار تھے۔

شوریٰ کا نتیجہ یہ ہوا کہ اموی حکومت پر قابض ہو گئے اور اس کے نتیجے میں

۱؎ شرح ابن ابی الحدید ۵۲/۹

۲؎ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ۵۲/۹ طبری ۲۳۲/۴

جن لوگوں کو حضرت عمر نے شوریٰ میں خلافت کے لئے امیدوار بنایا تھا۔ اُن سب کے ذہن پر اقتدار کا بھوت سوار ہو گیا اور شوریٰ سے باہر قریش کی دوسری شخصیتوں کے ذہنوں پر بھی یہی بھوت سوار تھا۔ کیونکہ انہیں پتہ تھا کہ جن لوگوں کو حضرت عمر نے خلافت کے لئے امیدوار بنایا تھا۔ وہ ان سے کسی چیز میں افضل نہ تھے بلکہ بعض چیزوں میں وہ ان سے ممتاز بھی ہو سکتے تھے۔

شوریٰ نے انصار کے ذہنوں پر بھی بُرا اثر چھوڑا۔ کیونکہ ثقیفہ میں ان کے ساتھ وعدہ کیا گیا تھا کہ وہ حکومت میں شریک ہوں گے۔ لیکن بعد میں ہر چیز سے حتیٰ کہ وہ شوریٰ میں حق رائے دہی سے بھی محروم کر دیئے گئے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ان کے قدیم حریف، یعنی مکہ کے وہ اموی جو مشرک تھے اور انصار کے ساتھ لڑتے تھے، آج برسرِ اقتدار آ گئے۔

حضرت علی ابن ابی طالبؑ نے بھی اس سلسلے میں اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

" جب تک مسلمانوں کے معاملات درست ہیں۔ اس وقت تک میں خاموش رہوں گا۔ جہاں صرف میری ذات پر ہی ظلم ہو رہا ہے [۱]

خلافت کی طمع رکھنے والے، پس پردہ انصار کو اپنے گرد جمع کرتے اور اپنی دولت اور قبیلے کی طاقت سے بھی استفادہ کرتے تھے اور دوسرے قبائل سے رشتے بناتے

۱: نہج البلاغہ

تھے۔ چنانچہ حضرت عثمان کی خلافت کے آخری دنوں میں یہ لوگ اپنے مقصد کے لئے علی الاعلان سامنے آئے اور یہ سب کچھ شوریٰ کا ہی نتیجہ تھا کہ مختلف شخصیتوں کو پسند کرنے والے یہ احزاب وجود میں آئے۔ یہ شخصیتیں اپنے ذاتی مفاد کی خاطر اقتدار پر قابض ہونے کے لئے حضرت عثمانؓ کے خلاف لوگوں کی شکایتوں سے بھی فائدہ اٹھاتی تھیں۔ چنانچہ ابن عبداللہ نے معاویہ ابن ابی سفیان کا ایک اعتراض نقل کیا ہے۔ جس میں معاویہ کہتا ہے:

"عمر نے چھ آدمیوں میں شوریٰ قائم کر کے مسلمانوں میں تفرقہ اور ان کے خیالات میں اختلاف پیدا کیا۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک خلافت کی طمع کرنے لگا تھا۔ اس کی قوم بھی اس کے ساتھ یہی طمع کرتی تھی اور اس کے حصول کے لئے ان میں سے ہر ایک آگے بڑھتا تھا۔"[1]

یہ وہ حوادث تھے۔ جن سے مسلمان عہد عثمان میں دوچار ہوئے۔ اور ان حادثات میں سے ایک نے دوسرے حادثے پر اثر کیا اور ساتھ ساتھ ملک کو چلانے، تقسیم دولت اور اجتماعی امور میں حضرت عثمان کے اسلوب کار نے بھی اثر کیا۔ جن کی وجہ سے لوگ اسلامی اصولوں سے منحرف ہو گئے۔ یہاں

---

[1] العقد الفرید ج ۵ صفحہ ۳۱، ۳۲

تک کہ یہ حادثات انتہا پر پہنچ گئے اور لوگ ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور وہی کچھ ہوا جن سے مسلمان خائف تھے اور جو نہیں ہونا چاہیئے تھا۔

۲

عثمان جب تخت خلافت پر متمکن ہوئے تو انہوں نے تقسیمِ اموال کے سلسلے میں ایسا طریقہ کار اختیار کیا جو مسلمانوں کے لئے قطعاً نامانوس تھا۔ وہ اپنے رشتہ داروں اور قریش کے دوسرے بڑے لوگوں اور شوریٰ کے اراکین کو خصوصی طور پر بہت سا مال دیا کرتے تھے۔ اگر یہ اموال ان کے اپنے ذاتی ہوتے تو کسی کی طرف سے اعتراض نہ ہوتا۔ مگر یہ سب مال بیت المال سے دیا کرتے تھے۔ جس میں تمام مسلمان شریک ہیں۔ مختلف شہروں کے مختلف علاقوں میں حضرت عثمان کے نمائندوں نے بھی یہی کام کیا۔ وہ بھی اپنے رشتہ داروں اور مداحوں کو ترجیحاً مال دیتے تھے[1]

---

[1]: مروج الذہب ۱۳۴۱/۲، الانساب، الاشراف: ۲۵/۵، ۲۸، ۴۸، ۵۲

حضرت عثمان نے دولت مند طبقے کے لئے اپنی دولت میں مزید اضافہ کرنے کا دروازہ اس طرح کھولا کہ لوگوں میں اعلان کر دیا کہ وہ مال غنیمت میں ملی ہوئی اپنی زمینوں کو ان علاقوں کی طرف منتقل کر سکتے ہیں جہاں وہ قیام پذیر ہیں۔ پس کسی کی زمین اگر شام اور مصر میں ہے۔ وہ اسے اس آدمی سے خرید سکتے ہیں۔ جس کی زمین حجاز یا دوسرے عرب ملک میں ہے۔ دولت مندوں نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا اور اپنی بے پناہ دولت سے مفتوحہ علاقوں میں زمینیں لینا شروع کر دیں۔ حجاز میں اپنی زمینوں کے عوض مفتوحہ علاقوں میں زمینیں خرید لیں اور اپنے غلاموں اور مزدوروں کو ان زمینوں پہ لگایا۔ اس طرح ان کی دولت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔

مشہور مؤرخ مسعودی نے ان میں سے کچھ کا نمونہ یوں پیش کیا ہے۔

" زبیر کی دولت بصرہ، کوفہ، مصر اور اسکندریہ میں پچاس ہزار دینار، ایک ہزار گھوڑے ایک ہزار غلام، جاگیر اور بنجر زمینوں تک پہنچ گئی تھی۔ اور طلحہ ابن عبید اللہ کو عراق کے غلے سے روزانہ ایک ہزار کی آمدنی ہوتی تھی۔ بعض نے اس سے زیادہ لکھی ہے "ناحیۃ الشراۃ" میں اس سے زیادہ آمدنی ہوتی تھی۔ عبد الرحمن ابن عوف کی اصطبل میں ایک سو گھوڑے ایک ہزار گائیں

اور دس ہزار بھیڑیں موجود تھیں اور اس کی وفات کے بعد اس کی دولت کے آٹھویں حصے کا ایک چوتھائی اٹھاسی ہزار تک پہنچ چکا تھا۔

جب زید ابن ثابت وفات پا گیا تو اس کا سونا اور چاندی کلہاڑے سے توڑے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ جو مال و دولت اس نے چھوڑی۔ وہ ایک لاکھ دینار تک تھی اور یا علی بن منیتہ جب مرا تو اس نے پانچ لاکھ دینار اور لوگوں کو دیا ہوا قرض اور جاگیر وغیرہ ملا کر تین لاکھ دینار ترکہ میں چھوڑے۔

خود حضرت عثمان جس دن قتل ہوئے ان کے خازن کے پاس ایک لاکھ پچاس ہزار دینار اور ایک ملین دس لاکھ درہم موجود تھے۔ وادی القریٰ، حنین اور دوسرے مقامات پر موجود ان کی دولت ایک لاکھ دینار تھی اور اس کے علاوہ بہت سے

گھوڑے اونٹ بھی تھے۔

مسعودی آگے لکھتے ہیں:

" ان دنوں میں مال و دولت رکھنے
والوں کا ذکر کرنے کے لئے ایک
بہت وسیع و عریض باب درکار ہے[1]۔

اس دولت مند طبقے کے برعکس ایک فقیر طبقہ بھی تھا۔ جن کے پاس زمین تھی، نہ مال اور نہ بڑی بڑی عنایات۔ وہ طبقہ لڑنے والے جانباز اور ان کے اہل و عیال تھے۔ ترجیحی بنیاد پر حضرت عثمان کی تقسیم اموال نے لڑنے والے جانبازوں کو محروم کر کے اس طبقے کو وجود دیا اور ان (حضرت عثمان) کا دعویٰ یہ تھا کہ مالِ غنیمت اللہ کے لئے ہوتا ہے نہ کہ لڑنے والے کے لئے۔ لڑنے والے کو تو صرف تھوڑی سی اجرت دی جاتی ہے[2]۔

بقول سعید ابن العاص جو کہ کوفہ میں حضرت عثمان کا گورنر تھا:

" عراق کی سرزمین تو قریش کا باغ
ہے۔ جتنا چاہیں ہم اٹھالیں اور
جتنا چاہیں ہم چھوڑ دیں"[3]

بیت المال کے بارے میں خود حضرت عثمان یوں فرماتے ہیں۔

---

[1] مروج الذہب ۲/۳۴۲ - ۳۴۳
[2]: تاریخ الاسلام تاریخ حسن ابراہیم حسن ۱/۳۵۸
[3]: مروج الذہب ۲/۳۴۶

"بیت المال سے بعض لوگوں کے
علی الرغم اپنی ضرورت کے مطابق
لیں گے۔"[1]

جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ ان دو طبقوں کے درمیان خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی۔ جبکہ ایک طرف "ارسٹوکریٹک" (ARISTOCRATIC) طبقے کی دولت میں اضافہ ہوتا جارہا تھا اور یہ طبقہ لہو ولعب بیکاری اور عبث میں مشغول رہتا تھا۔ حتیٰ کہ بعض خلیفوں کی اولاد بھی اس قسم کے ناجائز لہو ولعب میں شریک تھی۔[2] دوسری طرف، محروم طبقے کی غربت اور احساسِ غربت میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔

حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد مسلمان بہت جلد سمجھ گئے کہ انہوں نے اقتدار ان کے قرابت داروں، بنی اُمیہ اور ابی معیط کے حوالے کردیا ہے اور یہ بھی ان پر بہت جلد واضح ہوگیا کہ اس بیعت کے بعد بنی اُمیہ کے لئے اقتدار کی راہ ہموار ہوگئی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت عثمان نے کلیدی آسامیوں پر اپنے قرابت داروں کو بٹھا دیا مثلاً بصرہ، کوفہ، شام اور مصر کی گورنری اپنے قرابت داروں کو دے دی۔ یہ چار صوبے جنگی، اقتصادی اور اجتماعی اعتبار سے زیادہ اہمیت کے حامل تھے اور دولت اور زراعت کے لئے بھی یہی صوبے مرکز تھے۔ ان ہی سے دوسرے علاقوں کے لئے دانے فراہم ہوتے تھے اور اسلامی افواج بھی انہی صوبوں میں مختلف جگہوں سے آکر

---

[1] شرح ابن ابی الحدید ۴۹/۳ [2] مروج الذہب ۳۴۱/۲ المعارف تالیف ابن قتیبہ ۲۰۲

جمع ہوتی تھیں۔ ان دنوں جتنی فتوحات ہوئیں۔ ان سب کے لئے کمانڈنگ، اور اپریشن سنٹر یہی علاقے تھے۔ جبکہ دوسرے علاقوں کو ثانوی حیثیت حاصل تھی۔

چنانچہ حضرت عثمان نے بصرہ پر اپنے ماموں کے لڑکے عبداللہ بن عامر کو، جس کی عمر ۲۵ سال تھی، والی بنایا۔ اور کوفہ پر اپنے بھائی ولید بن عقبہ کو والی بنایا۔ بعد میں عوامی دباؤ کی وجہ سے اسے معزول کر دیا۔ اس کی شراب نوشی اور ناجائز کاموں کا مرتکب ہونا بھی ثابت ہوا۔ اس کی جگہ سعید ابن العاص کو والی بنادیا معاویہ دمشق اور اردن میں حضرت عمر کا والی تھا۔ حضرت عثمان نے حمص، فلسطین اور الجزائر کو بھی اس کے سپرد کر دیا اور مصر میں اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد کو والی بنایا۔

یہ تمام والی حضرت عثمان کے قرابت داروں میں سے تھے۔ دین اور امور مملکت کے سلسلے میں رعیت کے ساتھ انکا سلوک اچھا نہیں تھا۔ یہ سب قریشی تھے اور ان لوگوں نے کبھی بھی اپنے قبائلی تعصب کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش نہیں کی۔ مثلاً سعید ابن العاص نے کوفہ میں یہی تحکمانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"یہ دولت قریش کے لئے ایک باغ
کی مانند ہے اس سے جتنا چاہیں ہم
اٹھائیں، جتنا چاہیں چھوڑ دیں۔"

غیر قریشی دیگر مسلمانوں نے جب اس پر اعتراض کیا تو ان کو شام کی طرف شہر بدر کر دیا۔ معاویہ تو قریش کی فضیلت پر مناظرہ کرنے لگ گیا اور جب اس بات پر احتجاج ہوا تو جزیرے کی طرف ان کو بھی شہر بدر کر دیا اور انہیں وہاں معاویہ کے والی عبداللہ ابن خالد مخزومی کے حوالے کر دیا۔ چنانچہ اس نے اُن کو

ذلیل کیا اور ان کی اہانت کرکے قریش کی بالادستی کا اظہار کیا۔ مصر میں عبداللہ ابن سعد نے خراج لینے میں لوگوں پر ظلم وستم اور قریش کے لئے قبائلی تعصب کا اس قدر اظہار کیا کہ وہاں کے مسلمانوں نے حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہوکر اسکی شکایت کی۔ جب حضرت عثمان نے اسے ان حرکتوں سے باز آنے کے لئے لکھا تو اس نے گواہوں پر اتنا ظلم وستم کیا کہ ان میں سے ایک کو قتل بھی کر دیا۔

حضرت عثمان کے یہ والی دین اور جہاد کے اعتبار سے کوئی مقام نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کی دیانت کے بارے میں شکوک وشبہات کا اظہار ہوا کرتا تھا۔ ان میں سے کچھ تو بددیانتی میں مشہور تھے۔ جیسے عبداللہ ابن سعد جس نے حضورؐ کو اذیت پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ قرآن مجید کا اس نے اس قدر مذاق اڑایا تھا کہ اس کے کفر کے بارے میں آیت نازل ہوئی۔ ولید ابن عقبہ کا فسق وفجور بھی معروف تھا اور اس کے فسق کی قرآن نے گواہی دی ہے۔

حضرت عثمان کی اس سیاست نے مسلمانوں کو برانگیختہ کر دیا اور وہ اُن کے قبائلی تعصبات کو برداشت نہ کر سکے۔ مسلمانوں کے غم وغصہ میں اس وقت مزید اضافہ ہو گیا جب ان والیوں نے ان کی اہانت کی اور ان کے ساتھ ناروا سلوک کیا۔

ان پر صحابہ بھی ناراض تھے کیونکہ انہوں نے مسلمانوں اور ان کے اموال پر قریش کے ایسے لڑکوں کو مسلط کیا، جو دین کا احترام نہ کرتے تھے اور لوگوں پر ظلم کرتے تھے اور حضرت عثمان ان سے باز پرس بھی نہیں کرتے تھے۔

انصار بھی ان پر ناراض تھے کیوں کہ انہوں نے ان کو حکومت میں شریک کرنے کا وعدہ پورا نہیں کیا تھا۔ اور وہ (انصار) ابھی یہ بات بھولے نہیں تھے کہ ان کی تلواروں، قربانیوں اور مال ودولت نے انہیں اس مقام پر پہنچایا ہے

قریش کے وہ نوجوان بھی ان پر برہم تھے جو اقتدار کے لالچی اور شوریٰ کے رکن تھے۔ کیوں کہ انہیں بھی حکومت میں کوئی حصہ نہیں ملا تھا۔

حضرت عثمان نے جب اصحابِ رسول کے اعتراضات کو بھی ٹھکرا دیا تو عام مسلمانوں اور قریش میں ان کی مخالفت نے مزید شدت اختیار کر لی جس سے مسئلہ اور پیچیدہ ہوگیا۔

چنانچہ خود حضرت عثمان کے خازنِ بیت المال عبداللہ بن مسعود نے بھی جب ان کی اس مالی سیاست کی مخالفت کی۔ تو حضرت عثمان نے اُن سے کہا " تو صرف ہمارا خازن ہے "۔

جب ابن مسعود کا اعتراض اور شدید ہوگیا تو حضرت عثمان نے اُن پر تشدد کیا اور ان کی پسلیاں تڑوا دیں۔

ابوذر غفاری نے اعتراض کیا تو ان کو شام کی طرف شہر بدر کر دیا۔ وہاں بھی وہ اعتراض سے باز نہ آئے بلکہ شام میں انہوں نے معاویہ کی مالی سیاست پر سخت تنقید کرنا شروع کر دی۔ جب ان کی یہ باتیں لوگوں پہ اثر انداز ہونے لگیں تو معاویہ نے حضرت عثمان کو اس بارے میں لکھا۔ عثمان نے (جواباً) معاویہ کو لکھا:

" جندب (حضرت ابوذر کا نام) کو تکلیف دہ سواری پر میری طرف بھیجو "۔

حضرت ابوذر غفاری مدینہ پہنچے تو تکلیف دہ سواری کی وجہ سے ان کی دونوں رانیں تک گل گئی تھیں لیکن جب حضرت ابوذر اس کے باوجود اعتراض کرنے سے باز نہ آئے تو حضرت عثمان نے ان کو ربذہ کی طرف شہر بدر کر دیا اور

پھر وہیں عالم غربت و تنہائی میں ۳۲ھ میں وہ وفات پا گئے۔

حضرت عمار ابن یاسر نے بھی اعتراض کیا تو حضرت عثمان نے انہیں بھی برا کہا اور ان پر اتنا تشدد کیا کہ وہ تمام دن بے ہوشی کی حالت میں رہے مگر اس تشدد کے باوجود حضرت عمار باز نہ آئے تو عثمان نے انہیں اور بُرا بھلا کہا اور حکم دیا کہ انہیں زمین پر گرا دیا جائے اور پھر موزہ پہن کر اسے پاؤں تلے روند دیا۔ جس سے ان کے کچھ اعضاء ٹوٹ گئے۔

ان کے علاوہ دیگر اصحاب، مہاجرین و انصار نے بھی اعتراضات کیے لیکن انہوں نے کسی ایک کی نہ سنی۔

یہ مخالفت رفتہ رفتہ مسلمانوں میں پھیل گئی۔ لوگ حضرت عثمان سے اِن شکایات کے ازالہ کی اُمید رکھتے تھے۔ لیکن حضرت عثمان اور ان کے کارندے مخالفین کا جواب تشدد سے دیتے تھے۔

ان کے اس مؤقف سے عام مسلمانوں میں بے چینی اور زیادہ پھیل گئی اصلاح کی دعوت دینے والے اصحاب کو ظلم و تشدد کے ساتھ جواب دیا جاتا تھا اور صرف مروان ابن حکم جیسے افراد کی سنی جاتی تھی۔ جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے اور جنہیں آزاد کیا گیا تھا۔ جن کا اسلام میں نہ کوئی مقام تھا اور نہ کوئی خدمت، ان کے مخالف وہ لوگ تھے جن کو ان تمام مسلمانوں کی نمائندگی حاصل تھی۔ جنہیں اس سیاست سے دھچکا لگا تھا۔

خلیفۂ وقت کی اس مخلصانہ مخالفت کے ساتھ ساتھ کچھ غرض مند لوگ بھی ان کی مخالفت کر رہے تھے۔ انہوں نے اس شور و شین سے فائدہ اٹھایا اور حضرت عثمان کو معزول کر کے اپنے مقاصد حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دی۔

حضرت عثمان نے خود اس مخالف جماعت کو طاقت اور اثر و نفوذ حاصل کرنے کے اسباب فراہم کئے جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ لوگوں کو اپنی زمینوں کے تبادلے کی آزادی ملی تو کچھ لوگ بڑے بڑے جاگیردار بن گئے۔ اور جب وہ مفتوحہ علاقوں کی طرف، چلے گئے تو انہوں نے بیشمار دولت سمیٹ لی اور کچھ افراد کو ہمنوا بھی بنا لیا۔ یہاں سے وہ خلافت کے مقام پہ پہنچنے کی بھی سوچنے لگ گئے۔

طبری نے ۳۵ھ کے حالات میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

" حضرت عمر ابن خطاب مہاجرین قریش کو محدود وقت کی پابندی کے بغیر دوسرے شہروں میں جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے اور جب حضرت عثمان خلیفہ بنے تو انہوں نے یہ پابندی ہٹا لی اور وہ شہروں میں پھیل گئے۔

جب ان لوگوں نے شہروں اور دنیا کی رونق دیکھی اور لوگوں نے بھی ان کو دیکھا تو وہ لوگ جن کو اسلام میں کوئی مقام حاصل نہیں تھا۔ عوام میں ان کو مقام حاصل ہو گیا اور ان کی

جماعتیں بھی بن گئیں۔ ان کو آرزوئیں
بھی دلائی گئیں۔ تو لوگ اس لئے
آگے بڑھے کہ اگر اقتدار ان کو حاصل
ہو گیا تو ہم ہی ان کے اقتدار کے
لئے ذریعہ اور ان کے مقرب ہونگے
اسلام میں داخل ہونے والی یہ سب
سے پہلی کمزوری اور سب سے پہلا
فتنہ تھا[1]

دوسری جگہ پہ لکھتے ہیں:

"جب حضرت عثمان خلافت پر
متمکن ہوئے تو وہ شہروں میں پھیل
گئے اور لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے[2]

حضرت عثمان نے قریش پر سے جب پابندی ہٹالی تو وہ شہروں میں پھیل کر مال و دولت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے اور دوسرے عرب قبائل کے ساتھ رشتہ داریاں جوڑنے، رسول اللہ صلعم کی صحابیت کی اچھی شہرت، اسلام میں سبقت اور جہاد کی وجہ سے دوسرے انصار بھی ان کے ارد گرد جمع ہونے لگ گئے۔

---

[1] تاریخ طبری ۵/۱۳۴

[2] تاریخ طبری ۵/۱۳۴

دوسری طرف بڑے شہروں میں لوگوں، نصیحت کرنے والوں اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ خود حضرت عثمان اور ان کے والیوں کے سلوک نے مسلمانوں کی شکایت اور نفرت میں اضافہ کر دیا۔ قریش کے یہ حضرات بھی ان حالات کو دیکھ اور ان باتوں کو سن رہے تھے اور اس میں شرکت کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ شوریٰ نے ان لوگوں میں خلافت کی طمع بھی ڈال دی تھی۔ یہ اسباب تھے۔ جن کی وجہ سے لوگوں نے حضرت عثمان کے خلاف قیام کیا۔

ان کے مقابلے میں وہ طبقہ تھا۔ جس میں لڑنے والے اور تمام سہولتوں سے محروم لوگ تھے۔

یہی لڑنے والے لوگ انقلابی عناصر ثابت ہوئے اور حضرت عثمان اس کی آل اور والیوں کے تصرفات ان کے لئے ایندھن ثابت ہوئے اور اس میں آگ لگانے والے وہی لوگ تھے۔ جن کا مفاد وابستہ تھا اور جو خلافت کی طمع رکھتے تھے۔ چنانچہ مال و دولت اور ان کے دینی مقام کی وجہ سے انصار بھی ان کے گرد جمع ہو گئے تھے۔

ان حالات کی وجہ سے عوامی تحریک چلی۔ اگرچہ ان میں کوئی منظم جماعت نہیں تھی، پھر بھی سوچ اور مقصد میں قدر مشترک میسر آنے کی وجہ سے ان میں اتحاد ضرور تھا۔ دوسری طرف سے حضرت عثمان اور بنی امیہ کے دیگر افراد نے حکمت عملی کا مظاہرہ نہ کیا بلکہ ان کو تشدد کی زبان میں جواب دیا۔ چنانچہ مختلف شہروں کے والیوں کے ساتھ ہونے والی حضرت عثمان کی ایک کانفرنس جس کی نقشہ کشی طبری نے کی ہے، ہمیں بتلاتی ہے کہ ان کا ردِّ عمل کیا تھا۔ طبری لکھتے ہیں :

"عبداللہ ابن عامر نے کہا۔ یا امیرالمومنین!
میری رائے یہ ہے کہ آپ ان کو جنگ
کرنے کا حکم دیں تاکہ ان کی توجہ آپ
سے ہٹ جائے۔ ان کو جنگ کی آگ
میں جھونک دیں، تاکہ وہ آپ کے
فرمانبردار ہو جائیں اور ہر ایک صرف
اپنی ذات کے لئے سوچنے لگ جائے
اور اس کی فکر اپنی سواری کے زخم
اور اپنے جبہ کی "جوں" میں مصروف
رہیں۔ چنانچہ عثمان نے اپنے
والیوں کو واپس بھیج دیا اور لوگوں
پر سختی کرنے اور ان کو فوجی کیمپوں
میں محصور رکھنے کا حکم دے دیا۔ اور
یہ بھی قصد کر لیا کہ ان کی تنخواہیں
بھی بند کر دی جائیں تاکہ وہ محتاج
ہو کر ان کی اطاعت کرنے پر مجبور
ہو جائیں۔[۱]"

لیکن ان کی یہ تدبیریں لوگوں کو اور زیادہ مشتعل کرنے کے لئے ممد ثابت

---

[۱]: تاریخ طبری ۳/۳۷۶ - ۳۷۴

ہوئیں۔ ان جانباز محرمدوں کو پتہ چل گیا کہ انہیں دھوکہ دیا گیا ہے۔ چنانچہ کوفہ بصرہ، مصر اور حجاز میں لوگ جمع ہو گئے۔ تاکہ حضرت عثمان کو اپنا مؤقف بدلنے اور جن والیوں نے عوام پر ظلم کیا ہے ان کو ہٹانے اور مالی نظام بدلنے پر مجبور کیا جائے۔ اس وقت حضرت علیؑ ابن ابی طالب انقلابیوں اور خلیفہ کے درمیان سفیر کے فرائض انجام دیتے تھے۔ آپؑ ایک طرف انقلابیوں کو سرد کرنے کی کوشش اور دوسری طرف سے عثمان کو عدل وانصاف کی نصیحت فرماتے تھے۔ جبکہ خلافت کی طمع رکھنے والے دوسرے افراد اس فرصت سے فائدہ اٹھا اور لوگوں کو مشتعل کر رہے تھے۔ اس مقصد کے لئے وہ دولت بھی صرف کرتے تھے۔ چنانچہ یہ المیہ انتہا کو پہنچ گیا اور حضرت عثمان قتل ہو گئے۔

۳

لوگ حضرت علیؑ کی طرف ٹوٹ پڑے اور اقتدار سنبھالنے کا مطالبہ کیا مگر آپؑ نے انکار کر دیا۔ یہ انکار اس لئے نہیں تھا کہ علیؑ میں حکومت چلانے کی اہلیت نہ تھی۔ علیؑ میں حکومت چلانے کی پوری طاقت موجود تھی۔ علیؑ اسلامی معاشرے کو جانتے تھے اور اس معاشرے کے مختلف طبقات سے واقفیت رکھتے تھے اور آپؑ نے ان کی زندگی کی نزدیک سے نگرانی کی تھی۔ ان چیزوں کی گہرائیوں کو سمجھتے تھے اور ان کے طبقاتی انداز فکر کو بھی اچھی طرح جانتے تھے۔

یہ سب کچھ آپؑ نے حضورؐ کے ساتھ رہ کر سیکھا تھا کیونکہ آپؑ حضورؐ کے وزیر، آپ کے اسرار کے امین، آپؐ کے لشکر کے سپہ سالار، آپ صلعم کے افکار نافذ کرنے والے اور آپ صلعم کے ترجمان رہے تھے۔ اس مقام و منزلت

نے جو اصحاب میں سے صرف آپؑ کو ہی حاصل تھی۔ اقتدار سنبھالنے کے لئے آپؑ کو صلاحیت دی تھی اور رسول اکرم صلعم نے بھی اس اسلامی عظیم منصب کے لئے آپؑ کی تربیت کی تھی۔ جس کی وجہ سے آپؑ اس منصب کے لئے پوری طرح اہل تھے۔ اب تو عام طور پر یہ کہا جانے لگا کہ آپؑ ہی خلافت کے منصب پر فائز ہوں گے۔

اگرچہ آپ رسول اکرم صلعم کے بعد خلافت پر فائز نہ ہوئے۔ اس کے باوجود آپ معاشرے سے منقطع نہیں ہوئے تھے بلکہ ہمیشہ ان کے مددگار رہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان بھی قضاوت، سیاست اور جنگ کے بارے میں آپ کی رائے سے بے نیاز نہ تھے۔ خصوصاً حضرت عثمان کے زمانے میں آپ اسلامی معاشرے میں ہونے والے واقعات کے ساتھ مربوط رہے مگر حضرت عثمان نے آپ کی نصیحتوں پر کان نہ دھرا۔

دوسری طرف آپؑ دیکھ رہے تھے کہ حضرت عثمان کے والیوں کی سیاست میں حکمت عملی نہ ہونے کی وجہ سے اسلامی معاشرے میں طبقاتی امتیازات نے جڑ پکڑ لی ہے اور اسلامی معاشرے کے وہ اصول جو رسولِ اکرم صلعم نے اپنی تعلیمات کے ذریعے نافذ کیے تھے۔ اب لوگوں کی زندگی میں ان کے کوئی آثار دکھائی نہ دیتے تھے۔

عوام نے اس حقیقت کو اس لئے قبول کر لیا۔ کیونکہ حکمرانوں پر سے ان کا اعتماد اٹھ چکا تھا۔ لہذا انہوں نے اپنے حقوق کے تحفظ کی کوشش کی اور اس سعی کے نتیجے میں وہ معنوی امور سے محروم ہو گئے اب اس کا واحد حل یہ تھا کہ لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ قابل اعتماد حکومت قائم ہو سکتی ہے مگر یہ آسان

کام نہ تھا۔ چونکہ معاشرہ طبقاتی بنیادوں پر آگے بڑھ گیا تھا اور یہ چیز ہر اصلاحی اقدام کے لئے رکاوٹ بنتی تھی۔

جن حالات کے باعث حضرت عثمان کے خلاف لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے تھے حضرت علیؑ بھی ان حالات سے بخوبی واقف تھے اور ان حالات کے پیش نظر آپ سمجھتے تھے کہ اسلامی معاشرے کے اقتصادی، اجتماعی اور سیاسی میدان میں ایک انقلاب لانا ضروری ہے اور بیعت ہونے کے بعد رعیت اور حاکم دونوں پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

انہی وجوہ کی بناء پر آپؑ نے خلافت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس سے یہ دیکھنا بھی مقصود تھا کہ لوگ آپؑ کے انقلابی اسلوب حکومت اور انقلابی جذبے کے کہاں تک متحمل ہو سکتے ہیں تاکہ بعد میں جن فسادات کے خاتمہ کے لئے انہوں نے انقلاب برپا کیا تھا ان کو ختم کرنے کی شرائط سخت دیکھ کر وہ یہ نہ کہیں کہ ان کی غفلت اور انقلابی جذبے سے فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ اسی لئے حضرت علیؑ نے ان سے فرمایا۔

" مجھے چھوڑ دو اور (اس خلافت کے لئے) میرے علاوہ کوئی اور ڈھونڈھ لو۔ ہمارے سامنے ایک ایسا معاملہ ہے جس کے کئی رخ اور کئی رنگ ہیں۔ جسے نہ دل برداشت کر سکتے ہیں نہ عقلیں اسے مان سکتی ہیں۔ دیکھو! افق عالم پہ گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں۔

راستہ پہچاننے میں نہیں آتا۔ تمہیں معلوم
ہونا چاہیئے کہ اگر میں تمہاری اس خواہش
کو مان لوں تو تمہیں اس راستے پر لے چلوں گا
جو میرے علم میں ہے اور اس کے متعلق کسی
کہنے والے کی بات اور کسی ملامت کرنے
والے کی سرزنش پر کان نہیں دھروں گا اور اگر
تم میرا پیچھا چھوڑ دو، تو پھر جیسے تم ہو ویسا
میں ہوں اور ہو سکتا ہے کہ جسے تم اپنا
امیر بناؤ اس کی میں تم سے زیادہ سنوں
اور مانوں اور میرا تمہارے دنیوی مفاد
کے لئے امیر ہونے سے وزیر ہونا
بہتر ہے۔"[ط]

مگر لوگ آپؑ کی خلافت سے کم کسی چیز پر راضی نہ ہوئے۔ پھر آپؑ نے خلافت قبول فرمائی اور بیعت کے فوراً بعد اپنی ان سیاسی پالیسیوں کا اعلان فرمایا۔ جن کے لئے آپ نے حکومت قبول فرمائی تھی۔ یہ سیاسی پالیسیاں کوئی اسی وقت کی بنی ہوئی نہ تھیں بلکہ اس وقت کے اسلامی معاشرے کے پیشِ نظر پہلے سے طے شدہ تھیں۔

آپؑ کے اصلاحی اقدامات تین میدانوں میں مرکوز تھے

ط: نہج البلاغہ

۱۔ ہیئت حاکمہ

۲۔ حقوق

۳۔ بیت المال

ہیئت حاکمہ کے بارے میں عثمان کے والیوں کو معزول کرنے پر آپؑ مصر تھے۔ یہ وہ حکام تھے جو حضرت عثمان کے خلاف قیام کا سبب بنے اور جنہوں نے حکومت کرنے کے اصولوں کو نظر انداز کر کے عوام پر ظلم ڈھایا۔ چنانچہ مغیرہ ابن شعبہ نے حضرت عثمان کے والیوں کے بارے میں ان سے بات کی کہ ان کو عزل نہ کیا جائے۔ مگر آپؑ نے ان سب کو معزول کر دیا۔ طلحہ اور زبیر نے کوفہ اور بصرہ کی حکومت کے لئے حضرتؑ سے درخواست کی تو آپؑ نے بڑی نرمی کے ساتھ ان کو بھی رد فرمایا اور بے داغ، دیانت دار افراد کو والی بنایا۔ چنانچہ بصرہ پر عثمانؓ بن حنیف کو والی بنایا اور شام پر سہل بن حنیف کو، مصر پر قیس بن بن عبادہ کو، اور ابو موسیٰ اشعری کو کوفہ کی حکومت پر برقرار رکھا۔ اس وقت حکومت میں یہ شہر بہت اہمیت کے حامل تھے۔ حضرتؑ کے اس طریقہ کار نے قریش کی نخوت و تکبر پر ایک کاری ضرب لگائی۔ کیونکہ یہ سب (والی) قریشی نہ تھے۔ عثمان کے والیوں کے متعلق آپؑ نے فرمایا۔

"مگر مجھے اس کی فکر ہے کہ اس قوم پر حکومت کریں۔ بدمغز اور بدکردار لوگ، اور وہ اللہ کے مال کو اپنی املاک اور اس کے بندوں کو غلام بنا لیں نیکوں سے برسر پیکار رہیں اور بدکرداروں کو

کو اپنے جتھے میں رکھیں کیوں کہ ان میں
بعض کا مشاہدہ تمہیں ہو چکا ہے کہ اس
نے تمہارے اندر شراب نوشی کی اور
اسلامی حد کے سلسلے میں اسے کوڑے
لگائے گئے اور ان میں ایسا شخص بھی
ہے جو اس وقت تک اسلام نہیں لایا
جب تک اسے آمدنیاں نہیں ہوئیں[1]

حقوق واجبات کے بارے میں آپؑ نے اعلان فرمایا کہ ان میں سب برابر ہوں گے اور کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دی جائے گی اور دورِ جاہلیت میں حقوق میں جو ترجیحی سلوک کیا جاتا تھا اسے اسلام نے مٹا دیا لیکن بعد میں کچھ قریشیوں نے دوبارہ دورِ جاہلیت کا نظام واپس لانے کی کوشش کی۔ جنہیں دین اور اس کے رسول کے نزدیک کوئی مقام نہ تھا۔ وہ صرف قریشی ہونے کی بنیاد پر اپنے آپ کو بہت بڑے بزرگانِ دین سے بھی افضل سمجھنے لگے۔ ان چیزوں کو مٹاتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

" دبا ہوا میری نظروں میں طاقت ور
ہے جب تک میں اس کا حق دلوا نہ
دوں اور طاقتور میرے یہاں کمزور ہے
جب تک کہ میں اس سے دوسرے
کا حق دلوا نہ دوں "[2]

---

[1] : نہج البلاغۃ [2] نہج البلاغۃ

بیت المال کے بارے میں آپؑ نے ایک سخت مؤقف اختیار فرمایا اس سلسلے میں آپؑ کو دو مسئلوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک حضرت عثمان کے دور میں ناجائز جمع ہونے والی دولت اور دوسرا بیت المال کی تقسیم کا طریقہ کار۔

آپؑ نے زمام حکومت سنبھالتے ہی اس تمام دولت کو لوٹانے کا اعلان کر دیا جو حضرت عثمان کی طرف سے طبقہ اشراف کو مل گئی تھی۔ اسی طرح ان تمام جاگیروں کو بھی جو حضرت عثمان نے لوگوں کو دی تھیں، لوٹا لیا گیا پھر اعلان فرمایا کہ تقسیم دولت میں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دی جائے گی۔ جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

"اے لوگو! میں تم میں سے ایک فرد ہوں اور ہر نفع و نقصان میں تمہارے ساتھ شریک ہوں۔ میں تمہیں رسولِ اکرمؐ کی سیرت پر چلاؤں گا اور ان کے حکم کو تمہارے درمیان نافذ کروں گا۔ آگاہ رہو کہ ہر وہ جاگیر جو عثمان نے کسی کو دی ہے اور مال خدا میں سے کوئی مال کسی کے حوالے کر دیا ہے میں وہ بیت المال کو لوٹا دوں گا۔ یہ مال سارے مسلمانوں کا حق ہے۔ کوئی طاقت مسلمانوں سے ان کا حق نہیں چھین سکتی اور یہ بات بھی تمہارے علم میں ہو کہ یہ مال اگر عورتوں کے مہر

میں بھی دیا گیا ہو یا اس سے کنیزیں
خرید لی گئی ہوں اور مختلف شہروں
میں بٹ گیا ہوا تو بھی میں اسے
بیت المال کو لوٹا دوں گا کیونکہ حق و
عدالت میں وسعت ہے اور جو حق و
عدالت سے تنگ آئے اس کے
لئے ظلم زیادہ سنگین ہے[1]

دوسری جگہ آپؑ نے ارشاد فرمایا:

"لوگو! تم اصلاح کے لئے آمادہ رہو
اور کل تم میں سے وہ لوگ جو دنیاداری
میں غرق ہیں اور اپنے لئے جاگیریں
اور نہریں بنائی ہیں اور سبک رفتار
گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں اور خوبصورت
کنیزیں رکھتے ہیں اور یہ چیزیں ان کے
لئے ننگ و عار بن گئی ہیں ان کو عیش و
عشرت سے اگر میں روکوں اور ان کو
صرف اپنے حقوق تک محدود رکھوں تو
وہ مجھ پر نالاں نہ ہوں اور میرے بارے

---

[1] نہج البلاغۃ

میں یہ نہ کہیں کہ فرزند ابوطالبؑ نے ہم
کو اپنے حقوق سے محروم کر دیا۔ اور
جو مہاجرین و انصار جو رسول اللہؐ
کے اصحاب میں سے ہیں۔ رسول اللہؐ
کی صحبت کی وجہ سے وہ اپنے آپ
کو دوسروں سے افضل سمجھتے ہیں انہیں
معلوم ہونا چاہیئے کہ اس افضلیت کا
نتیجہ کل (روز قیامت) اللہ کے نزدیک
معلوم ہو گا اور آپ کا اجر و ثواب اللہ
کے پاس ہے۔ جو شخص اللہ اور رسول
پر ایمان لے آئے اور ہمارے آئین
کی تصدیق کر دے اور ہمارے دین
میں داخل ہو جائے اور قبلے کو اپنا قبلہ
بنائے۔ وہ مسلمانوں کے حقوق اور
تحفظات کا مستحق ہے۔ تم اللہ کے بندے
ہو اور یہ مال بھی اللہ ہی کا ہے۔ جو
تم میں مساویانہ تقسیم کر دیا ہے۔ اس میں
کسی کو کسی پر فضیلت حاصل نہیں ہو
گی اور پرہیزگاروں کے لئے اللہ کے
پاس بہترین جزا اور ثواب ہے اللہ

نے پرہیزگاروں کے لئے دنیا کو
اجر و ثواب قرار نہیں دیا اور جو اللہ کے
پاس ہے۔ نیک لوگوں کے لئے وہ
سب سے بہتر ہے۔ کل تم سب میرے
پاس آجاؤ۔ میرے پاس کچھ مال موجود
ہے۔ اسے میں تم میں تقسیم کر دوں گا
اور تم میں کوئی ایک بھی غیر حاضر نہ
رہے۔ خواہ کوئی عربی ہو یا عجمی۔ خواہ
وہ اس سے پہلے بیت المال سے حصّہ
لیتا رہا ہو یا نہ لیتا رہا ہو۔ صرف یہ کہ
مسلمان اور آزاد ہونا چاہیئے[1]

جب بیت المال تقسیم کرنا شروع کر دیا تو آپؑ نے اپنے کاتب عبیداللہ ابن ابی رافع سے فرمایا۔

" پہلے مہاجرین کو بلاؤ اور ان میں سے
جو حاضر ہیں، ہر ایک کو تین دینار دے
دو۔ پھر انصار کو بلاؤ۔ ان کے ساتھ
بھی یونہی کرو اور جو بھی لوگ حاضر ہیں
خواہ وہ سرخ ہوں یا سیاہ، سب

---

[1] نہج البلاغۃ

کے ساتھ یہی سلوک کرو۔"

سھل ابن حنیف نے عرض کیا۔ اے امیر المومنینؑ! کل یہ میرا غلام تھا اور آج میں نے اسے آزاد کر دیا ہے تو آپؑ نے فرمایا۔

"جتنا تم کو دیا ہے اسی طرح اس کو بھی
ہم دیں گے چنانچہ دونوں کو تین
تین دینار دے دیئے۔

یہاں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دی۔ اس تقسیم میں اس دن طلحہ و زبیر، عبداللہ ابن عمر، سعد بن العاص، مروان بن الحکم اور قریش کی دوسری چند شخصیتیں حاضر نہ تھیں[۱]۔

اس طرح طبقاتی تفاوت کے شرعی اور اقتصادی جواز کا خاتمہ ہو گیا اور آزاد کردہ کو آزاد کنندہ کے برابر کر دیا گیا۔ نئے مسلمانوں کو اسلام میں سبقت حاصل کرنے والوں کے برابر قرار دے دیا اور دینی مقام و منزلت کو مال و دولت حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بننے دیا۔ سرمایہ دار طبقے کی جاگیر اور دولت کو قومیا کر ان پر بھی کاری ضرب لگائی۔

حضرت کی یہ سیاست مظلوم اور محروم عوام کے لئے جس قدر خوشی کا باعث بنی اسی قدر قریشی سرمایہ داروں کے غرور و تکبر کو خاک میں ملانے کا سبب ثابت ہوئی۔ اس طرح اس کے بعد ان کے لئے ہاتھ ہلائے بغیر دولت حاصل کرنے کا کوئی امکان باقی نہ رہا اور نہ ہی وہ دوسروں پر اپنا تسلط جما اور استبداد کر سکتے تھے۔ اب اسلام کے زیر سایہ اپنی جاہلیت کا تسلط جمانا ان کے لئے ممکن نہیں رہا تھا۔

شاید اس سرمایہ دار طبقے نے یہ سوچا ہو کہ وہ علیؑ کے ساتھ اس شرط پر تعاون

---

[۱] نہج البلاغہ، ۷/ ۳۸-۳۷

کریں گے کہ وہ ہماری گذشتہ کوتاہیوں سے چشم پوشی کر لیں اور آئندہ ہمارے ساتھ نرمی برتیں۔ چنانچہ اسی مقصد کے پیشِ نظر ولید ابن عقبہ کو حضرت کی طرف بھیجا اور اس نے آپؑ سے عرض کی۔

"اے ابوالحسن! آپؑ نے ہم سب کو ایک طرف کر دیا حالانکہ ہم آپؑ کے بھائی اور آپ کے قبیلہ سے ہیں اور آج ہم اس شرط پر آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے کہ حضرت عثمان کے زمانے میں جو مال ہمارے ہاتھ لگا ہے۔ وہ ہمارے ہی پاس رہنے دیں اور ان کے قاتلوں کو قتل کر دیں۔ اگر ہمیں آپ سے کوئی خوف لاحق ہوا تو ہم آپؑ کو چھوڑ کر شام چلے جائیں گے۔"

جواباً آپؑ نے فرمایا:۔

تم کو ایک طرف کرنے کے بارے میں یہ ہے کہ حق نے تم کو ایک طرف کر دیا اور تم نے جو کچھ حاصل کیا ہے اس کو تمہارے لئے چھوڑنے کے سلسلے میں یہ ہے کہ میں اللہ کے حق کو تمہارے پاس یا کسی اور کے پاس

کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟[1]

جب ان سرمایہ داروں کو یقین ہو گیا کہ حضرت علیؑ کے ساتھ ہمکاری، تعاون یا دھمکی سے مطلب حاصل نہیں کیا جا سکتا تو انہوں نے بیعت توڑنے کی کوشش شروع کر دی۔ اور حضرت علیؑ کو مطلع کیا گیا کہ یہ لوگ عوام کو بیعت توڑنے کی دعوت دے رہے ہیں اور اس کے لئے جن اقتصادی اور اجتماعی امتیازات سے وہ محروم ہو گئے ہیں انہیں جواز بناتے ہیں۔ چنانچہ آپؑ نے لوگوں میں خطبہ ارشاد فرمایا جس سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ اس نئے فتنہ کے عناصر کا پردہ چاک کیا جائے اور اس تحریک کو زیر زمین تاریکی سے نکال کر اسے منظر عام پر لایا جائے تاکہ ان کا ضمیر فاش ہو جائے اور ملت اس سازش سے آگاہ ہو۔ جس کے تحت اس انقلاب کے نتیجہ کو ذاتی مفاد میں بدلنے اور سابقہ حالت کو واپس پلٹانے کی کوشش کی جا رہی ہے تاکہ قوم کو اس انقلاب سے سوائے نئے چہروں کے اور کچھ نہ ملے۔ چنانچہ آپؑ نے فرمایا:

"اس مالِ غنیمت میں کسی کو کسی پر کوئی ترجیح نہیں ہے۔ خود خدا نے اسے تقسیم کر دیا ہے۔ یہ مال مالِ خدا ہے اور تم مسلمان، بندگانِ خدا ہو اور یہ کتاب خدا ہے جس کا ہم نے اقرار کیا ہے اور اسے تسلیم کر لیا ہے۔ یہ ہمارے رسول کا عہد ہے جو ہمارے سامنے ہے۔ اس

---

[1] شرح نہج البلاغہ ۳۹/۳۸/۷

پر اگر کوئی راضی نہیں ہے تو بے شک وہ

جہاں چاہے چلا جائے "[1]

مگر یہ جدید ارسٹوکریٹ (طبقۂ اشراف) ہاتھ پہ ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھا اور اس نے بیعت توڑنے کی پہلی تحریک بصرہ میں، حضرت عثمان کے انتقام کی آڑ میں چلائی جو حقیقت میں ان لوگوں کی طرف سے ایک سوچی سمجھی سازش تھی جو نئی حکومت کے ساتھ نہیں چل سکتے تھے۔ اور یہ بنی اُمیہ کے وہ افراد تھے جنہیں سابقہ دورِ حکومت میں بہت کچھ ملتا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو اقتدار کا منہ اپنی طرف موڑنا چاہتے تھے۔ حضرت علیؑ کے ساتھ مل کر انہیں اپنا مقصد پورا ہوتا نظر نہیں آتا تھا۔ مگر امامؑ نے اس تحریک کو پنپنے ہی نہیں دیا اور ان کے بچے کھچے لوگ شام کی طرف بھاگ گئے جہاں معاویہ ابن ابی سفیان کی حکومت قائم ہو گئی تھی اور وہاں سابقہ حکومت سے مفاد حاصل کرنے والے اور وہ لوگ جنہیں نئی حکومت میں اپنے طبقاتی امتیاز کے لئے خطرہ نظر آرہا تھا۔ جمع ہو گئے تھے۔ دوسری طرف حضرت علیؑ خالص اسلامی خطوط پر حکومت چلانے میں مصروف تھے۔ یعنی آپؑ ان سیاسی، اقتصادی اور فوجی حالات میں لوگوں کو امن و عدالت اور سکون فراہم کرنے کے لئے حتی المقدور کوشش فرماتے تھے۔ دوسری طرف معاویہ اس کے برعکس خطوط پر حکومت کر رہا تھا۔ وہ مال و دولت دے کر لوگوں کے ضمیر خریدتا تھا۔ ایک گروہ کو ترجیح دیتا اور دوسرے کو محروم رکھتا تھا۔ راستے بند تھے اور امن قائم نہیں تھا۔ معاویہ کو کوئی پرواہ نہ تھی کہ عرب قبائل کے سرداروں کو خریدنے، کسی ممکنہ آزادی کی

---

[1] شرح نہج البلاغۃ ۷/ ۳۹۔۴۰

تحریک کو کچلنے اور مال و دولت جمع کرنے کے سلسلے میں تاجر اور زراعت پیشہ لوگ ٹیکسوں کے بوجھ تلے دب جائیں۔

معاویہ کی قیادت میں ایک اور تحریک کا چلنا بھی قدرتی امر تھا۔ جس کے نتیجے میں جنگ صفین وقوع پذیر ہوئی۔ پھر تحکیم کا مسئلہ پیش آیا اور اس کے بعد نہروان کی جنگ ہوئی۔ تحکیم کے نتیجے میں حضرت علیؑ کو اس وقت شہید کر دیا۔ جب آپؑ لوگوں کے دلوں میں سیاست اور حکومت کے بارے میں اسلامی اصولوں کو راسخ کر چکے تھے۔ اسکے بعد حضرت امام حسنؑ کی چند ماہ کے لئے خلافت قائم ہوئی جسے سازشیوں اور مفاد پرستوں نے کامیاب نہیں ہونے دیا۔ اس کے بعد امام حسنؑ حالات نامساعد ہونے اور بلا حصول مقصد اپنے انصار و اعوان کی جانیں تلف ہونے سے بچانے کے لئے حکومت سے وقتی طور پہ کنارہ کش ہو گئے۔

چنانچہ حکومت معاویہ بن ابی سفیان کے پاس چلی گئی۔ حالات اس کے لئے سازگار ہو گئے۔ ماہ شوال ۴۱ھ میں معاویہ نے اپنی بیعت کرانے کے بعد پورے عالم اسلام پہ اپنا تسلط جما لیا۔ چونکہ حضرت علیؑ کا طرز حکومت معاویہ کے لئے ایک چیلنج تھا اور مسلمانوں پہ تسلط جمانے کی راہ میں ایک خطرہ تھا۔ اس خطرے میں اور بھی اضافہ اس طرح ہو گیا کہ علیؑ کی طرز حکومت کی فکر صرف لوگوں کے افکار پہ نہیں بلکہ ایک عرصے تک پورے معاشرے پر نافذ العمل رہ چکی تھی۔ اس لئے معاویہ نے مسئلہ تحکیم کے بعد اس طرز حکومت کا مقابلہ کیا اور لوگوں کو اپنے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی تاکہ کہیں سے اختلاف کی کوئی آواز اٹھ ہی نہ سکے۔ اسی مقصد کے لئے اس نے ایک ایسی سیاست سے کام لیا جس سے مسلم انسان کے اندر حریت کا جذبہ ختم ہو کر رہ جائے۔ معاویہ کی یہ سیاست درج ذیل امور پر

مشتمل تھی۔

۱۔ لوگوں کو تشدد اور فقر و فاقہ میں مبتلا رکھنا۔

۲۔ قبائلی تعصبات کو از سر نو زندہ کرنا۔

۳۔ دین کے نام سے لوگوں کو افیون پلا کر ان میں انقلابی جذبہ ختم کرنا۔

اس سیاست سے معاویہ نے یہ کوشش کی کہ مسلمان قوم کے پاس جو انسانی جذبہ ہر حکمران کے لئے باعث خطرہ تھا اسے ختم کر دیا جائے اور اس طرح وہ کسی عوامی انقلاب یا ان کی تنقید سے محفوظ رہے۔ ہم اس بارے میں کچھ تفصیل بتانا چاہیں گے۔

۴

تشدّد

معاویہ نے قتل اور غنڈہ گردی کا بازار ان لوگوں کے لئے گرم کر دیا جو اس کی سیاست سے اتفاق نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ اس دور حکومت کے مختصر مطالعے سے یہ بات سامنے آجاتی ہے۔

خود معاویہ کے ایک جرنیل سفیان بن عوف الغامدی کا کہنا ہے:

" معاویہ نے مجھے بلایا اور کہا۔ میں تجھے
ایک بہت بڑے، مسلح اور سخت دل
لشکر کے ساتھ بھیج رہا ہوں، تم فرات
کے ساتھ ساتھ چلتے رہو۔ یہاں تک
کہ "ہیت" سے آگے گزر جاؤ۔ اگر
وہاں کسی لشکر سے سامنا ہو جائے

تو اس پر حملہ کر دو۔ ورنہ آگے نکل جاؤ
اور "الانبار" پہ حملہ کر دو۔ وہاں اگر کسی
لشکر سے ٹکراؤ نہ ہو تو "مدائن" تک
پہنچ جاؤ۔ اے سفیان! یہ حملے عراقیوں
کے دل میں رعب پیدا کریں گے اور
ان میں سے ہمارے چاہنے والوں کو
خوش کر دیں گے اور جو بھی ان حادثات
سے خوفزدہ ہو۔ اسے ہماری طرف
بلاؤ اور ہمارا مخالف کوئی بھی ملے
اسے قتل کر دو۔ جس علاقے سے بھی
تم گزرو اسے تباہ کر دو اور ان کے
مال و دولت پہ ڈاکہ ڈالو۔ اس لئے
کہ مال چھیننا قتل کے مانند اور زیادہ
دردناک ہے[1]

معاویہ نے ضحاک بن قیس الفہری کو کوفہ کی طرف روانہ کیا اور اس سے کہا۔

" کوئی صحرا نشین علیؑ کو چاہنے والا
ملے تو اس پر حملہ کر دو۔"[2]

---

[1] شرح نہج البلاغۃ۔ ۸۶-۸۵ [2] شرح نہج البلاغۃ ۱۱۶/۲ - ۱۱۷

ضحاک روانہ ہوگیا۔ اس نے لوگوں کے مال و دولت کو لوٹ لیا۔ جو بھی صحرانشین ملا، اسے قتل کر دیا اور "ثعلبیۃ" پہنچا تو وہاں حاجیوں پر حملہ کر دیا اور ان کا سامان لوٹ لیا۔ پھر آگے چل کر عمرو بن عمیس بن مسعود الذھلی کو جو کہ عبداللہ بن مسعود کے بھائی کا لڑکا تھا، حاجیوں کے راستے قطقطانہ میں قتل کر دیا اور اس کے ساتھیوں کو بھی قتل کر دیا۔

نیز معاویہ نے بسر بن ارطاۃ کو حجاز و یمن کی طرف بھیجا اور اس سے کہا:

" تو مدینہ روانہ ہو جا اور وہاں سے
لوگوں کو بھگا دے اور جہاں سے
تو گزرے ان کو خوفزدہ کر اور جس
کسی کے پاس کوئی مال ہو اور ہماری
اطاعت میں داخل نہ ہوا ہو اس کا مال
لوٹ لے اور جب تو مدینہ میں داخل
ہو جائے تو لوگوں کو باور کرا کہ تو ان کی
جان کا پیاسا ہے اور ان کو بتا دے
کہ کوئی تجھ سے نہیں بچے گا اور نہ
ہی تو ان کا عذر سنے گا اور جب انہیں
یقین ہو جائے کہ تو ان پہ ٹوٹ پڑنے
والا ہے تو اس وقت رک جا اور مکہ
اور مدینہ کے درمیان لوگوں میں خوف و ہراس

پھیلا دینا۔"

پھر اس نے کہا:

" اور کسی ایسے شہر میں داخل ہو جا جس
کے لوگ علیؑ کی اطاعت میں ہوں۔
ان پر خوب زبان درازی کرنا۔ یہاں تک
کہ انہیں یقین ہو جائے کہ ان کے لئے
کوئی نجات نہیں ہے اور تو ان پر مسلط
ہے۔ پھر ان سے رک جا اور انہیں بری
بیعت کی دعوت دے۔ اگر انکار کریں
تو انہیں قتل کر دے۔ علیؑ کے شیعوں
کو جہاں پائے قتل کر دینا۔[1]

چنانچہ وہ چلا اور مکہ و مدینہ پر حملہ کر دیا اور تیس ہزار افراد کو قتل کیا۔ یہ اُن کے علاوہ ہیں جنہیں آگ میں جلا دیا گیا۔[2]

اس طرح معاویہ نے مسئلہ تحکیم کے بعد اپنے سیاسی مخالف مسلمانوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا اور تشدد کی یہی سیاست حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد بھی جاری رہی مگر اس وقت اس کی نوعیت اور شدت میں اضافہ ہو گیا۔

مؤرخین نے اس بات کا ذکر بڑی صراحت کے ساتھ کیا ہے کہ یہ تشدد اس

---

[1]: شرح نہج البلاغۃ ۲/۶-۷

[2]: شرح نہج البلاغۃ ۲/۱۷

حد تک پہنچ گیا تھا کہ لوگ اپنے آپ کو زندیق یا کافر کہلانا علیؑ کے حامی کہلانے سے بہتر سمجھنے لگے[1] علیؑ کے فضائل کا ذکر تو الگ رہا لوگ علی کا نام دینی مسائل کے سلسلے میں بھی نہیں لے سکتے تھے۔ اگر انہیں حضرت علیؑ سے کوئی قول نقل کرنا پڑتا تو ابو زینب وغیرہ کہہ کر یاد کرتے تھے[2]

اس وقت لوگ لفظ "الشیخ" کو بھی رمزاً استعمال کیا کرتے[3] اور بنی امیہ نے لوگوں پر اپنے بچوں کا نام علیؑ رکھنے پر پابندی لگادی[4]

عام الجماعت کے بعد معاویہ نے اپنے تمام والیوں کے نام لکھا کہ:

" جو کوئی شخص ابو تراب اور اس کے اہل بیت کی فضیلت میں کوئی روایت نقل کرے اس سے بے زاری اختیار کی جاتی ہے۔ اس کے بعد تمام خطیبوں نے ہر علاقے میں منبر سے علیؑ پر لعن و تبرا کا آغاز کر دیا اور انہوں نے علیؑ اور ان کے اہل بیت کے لئے ناسزا کہنا شروع کر دیا۔

۱۔ شرح نہج البلاغۃ ۱۱/۴۰

۲۔ شرح نہج البلاغۃ ۴/۳،

۳: مناقب ابی حنیفہ تالیف مکی ۱/۱۱۷

۴۔ شرح نہج البلاغۃ ۱/۱۷

اس وقت سب سے بڑی آزمائش اہلِ کوفہ کی ہو رہی تھی کیونکہ وہاں شیعیان علیؑ کی اکثریت تھی۔ چنانچہ کوفہ پہ زیاد ابن سمیہ کو والی بنا دیا اور بصرہ کو بھی اس کے ساتھ ملا دیا یہ حضرت علیؑ کے دور میں کوفہ میں رہتا تھا اور شیعوں کو پہچانتا تھا۔ اس نے شیعوں کو چن چن کر قتل کیا۔ ان کو خوفزدہ کیا۔ ان کے ہاتھ پیر کاٹے ان کی آنکھیں نکالیں اور انہیں کھجوروں کے درخت پہ سولی پر چڑھایا اور ان کو عراق سے ملک بدر کر دیا۔ یہاں تک کہ عراق میں کوئی جانا پہچانا شیعہ نہ رہنے دیا۔

نیز معاویہ نے اپنے تمام والیوں کے نام لکھا کہ علیؑ اور ان کے اہلِ بیت کے ماننے والے، کسی کی بھی گواہی قبول نہ کی جائے اور اپنے تمام والیوں کے نام لکھا کہ دیکھو اگر کسی کے بارے میں گواہی سے ثابت ہو جائے کہ یہ علیؑ اور ان کی اہل بیت کا محب ہے تو اس کا نام دیوان سے کاٹ دو اور اسے بیت المال سے حصہ دینا بند کر دو۔ اس خط کے ساتھ ایک اور خط بھی منسلک کیا۔ جس میں تحریر کیا کہ جو بھی شخص ان لوگوں کی محبت کا ملزم قرار پائے اس پہ تشدد کرو اور اس کے گھر کو تباہ کر دو۔ سب سے زیادہ مصیبت عراقیوں پہ نازل ہوئی خصوصًا اہلِ کوفہ پہ۔ یہاں تک کہ علیؑ کے ساتھ محبت کرنے والے اپنے کسی ہمراز کو اپنا راز بتا دے تو اس کے خادم اور غلام سے بھی خوف کھاتے رہتے اور وہ اس کے ساتھ اس وقت تک بات نہیں کرتے تھے جب تک وہ اس سے اپنے راز کو چھپانے کی سخت ترین قسم نہیں لے لیتے تھے۔ صورت حال ایسے ہی رہی۔ یہاں تک کہ حضرت امام حسنؑ بھی شہید کر دیئے گئے۔ اس کے بعد آزمائش اور سخت ہو گئی۔ ہر ایک کو اپنی جان کا خطرہ لاحق رہتا تھا یا اسے اس سرزمین سے ملک بدر

ہونا پڑتا تھا۔[1]

ان افسوس ناک واقعات کا اجمالی خاکہ امام محمد باقر علیہ السلام نے یوں پیش فرمایا ہے:

"ہمارے شیعہ ہر شہر میں مارے گئے
اور صرف شک کی بنا پر ان کے ہاتھ پیر
کاٹے گئے اور جس نے ہمارے ساتھ محبت
کی، ہماری جماعت میں شمولیت اختیار کی'
اسے قید کر دیا۔ یا اس کا مال لوٹ لیا
یا اس کا گھر تباہ کر دیا گیا اور قاتل حسینؑ
عبید اللہ ابن زیاد کے دور تک یہ
سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔"[2]

معاویہ کے تمام والیوں نے شیعیان علی علیہ السلام کے مرکز عراق پر اسی ناقابل بیان وحشیانہ سیاست کا سلسلہ جاری رکھا۔ چنانچہ زیاد نے سمرہ ابن جندب کو اپنی طرف سے بصرہ کا والی بنایا اور اس خونخوار نے قتل و غارت گری کی انتہا کر دی چنانچہ انس بن سیرین سے سوال کیا گیا کہ سمرہ نے کسی کو قتل بھی کیا ہے تو انہوں نے کہا:

"سمرہ بن جندب نے جن لوگوں کو قتل
کیا ہے۔ ان کی تعداد ناقابل شمار

---

[1]: شرح نہج البلاغۃ ۱۱/۴۴-۴۶

[2]: نہج البلاغۃ ۱۱/۴۳-۴۴

ہے۔ زیاد نے اسے بصرہ کا والی بنایا تو
وہ آٹھ ہزار افراد کو قتل کرنے کے بعد
جب کوفہ آیا تو اس سے زیاد نے
پوچھا کہ کیا تم نے کسی کو ناحق قتل
کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اگر
اتنے قتل میں اور بھی کر دوں تب
بھی کوئی خوف نہیں ہے۔[1]

ابوسوار عدوی کہتے ہیں:

"سمرہ ابن جندب نے ایک ہی صبح کو
میری قوم کے ۴۷ ایسے افراد کو قتل کیا
جنہوں نے قرآن جمع کیا تھا۔[2]

سمرہ نے مدینہ میں ایک مہینہ قیام کیا۔ وہاں اس نے لوگوں کے گھروں کو گرا دیا اور لوگوں کے پیچھے اس طرح پڑ گیا کہ اگر کوئی کسی کے بارے میں یہ کہہ دیتا کہ یہ خونِ عثمان میں شریک تھا تو اسے فوراً قتل کر دیتا۔ اس نے ہمدان کی عورتوں کو اسیر کیا (ہمدان کی آبادی اس وقت شیعہ تھی) اور انہیں بازاروں میں فروخت کے لئے بھیج دیا۔ اسلام میں یہ پہلی خواتین ہیں جنہیں خریدا گیا۔[3]

یہ سب کچھ اس نے معاویہ کی حکومت کی مضبوطی کے لئے کیا جیسا کہ خود سمرہ

---

[1] طبری ۱۳۲/۶
[2] تاریخ طبری ۱۲۲/۶
[3] الاستیعاب ۱۶۵/۱

ابن جندب نے کہا: "خدا کی لعنت ہو معاویہ پر۔ قسم بخدا اگر میں اللہ کی اسی طرح اطاعت کرتا جس طرح معاویہ کی اطاعت کی ہے تو ہرگز مجھے عذاب نہ دیا جاتا۔"[۱]

زیاد ابن سمیہ لوگوں کو اپنے قصر کے سامنے جمع کر کے انہیں حضرت علیؑ پر لعنت کرنے کی تلقین کیا کرتا اور جو اس سے انکار کرتا اسے تہ تیغ کر دیتا تھا۔ وہ لوگوں کو قتل کرنے کے علاوہ دوسری طرح طرح کی اذیتیں بھی دیا کرتا تھا۔ ابن اثیر کے مطابق اہل کوفہ کے تیس یا اسّی افراد کے ہاتھ پیر اس کے حکم سے کاٹے گئے[۲]

زیاد بن سمیہ کی نیت یہ تھی کہ تمام اہل کوفہ کو علیؑ سے برات چاہنے اور ان پر لعن کرنے پر مجبور کیا جائے اور اس سے انکار کرنے والے کو قتل اور اس کے گھر کو تباہ کر دیا جائے۔ لیکن وہ اس منصوبے پر عمل کرنے سے پہلے ہی مر گیا[۳]

اس کے علاوہ اپنے مخالفین کی قوت کو کمزور کرنے کے لئے اس نے ملک بدری کا سلسلہ بھی بڑی تیزی سے جاری رکھا۔ چنانچہ کوفہ کے انقلابی شیعوں میں سے پچاس ہزار کو خراساں کی طرف بھگا دیا[۴]

یہ تھا اس وقت کی سیاست اور زندگی کا مختصر سا جائزہ۔ اس کے علاوہ لوگوں کے مال و دولت اور ان کی معیشت پر بھی ظلم و تشدد اس سے کم نہیں ہے۔

۱: الکامل: ۳/۲۱۲

۲: الکامل: ۳/۲۳

۳: شرح نہج البلاغہ ۴/۵۸، مروج الذہب ۲/۳۵

۴: تاریخ شعوب الاسلامیہ تالیف بروکلمن ۱/۱۲۸ اور تاریخ العرب ۲/۲۵۹ - ۲۶۰

چنانچہ عام الجماعۃ کے بعد جب پوری سلطنت پر معاویہ کا تسلط قائم ہو گیا تو اس نے کہا:

" کوفہ والو! کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ میں نے نماز، زکوٰۃ اور حج کی خاطر تم سے جنگ کی تھی۔ مجھے علم ہے تم نماز پڑھتے ہو۔ زکوٰۃ دیتے ہو اور حج بھی کرتے ہو۔ میں نے تم پر حکومت کرنے کے لئے تم سے جنگ لڑی ہے۔ سو خدا نے تمہاری مرضی کے خلاف یہ چیز مجھے دے دی اور اس راہ میں اگر کسی کا خون بہایا گیا ہے۔ تو وہ رائیگاں ہے اور جن شرائط کو میں نے اس سلسلے میں قبول کیا ہے وہ میرے ان دو قدموں کے نیچے ہیں۔"

جب صلح ہو گئی تو اس وقت بھی معاویہ نے یہ کہا تھا کہ ہم نے اسے بادشاہت کے طور پر تسلیم کیا ہے۔[1]

چنانچہ معاویہ اپنی اس بات میں امین اور صادق القول نکلا کہ خلافت کو بادشاہت میں بدل ہی دیا۔

---

[1] الکامل ۶/۲۲۰

امت مسلمہ نے معاویہ کے زمانہ میں جو ظلم وجود دیکھا وہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ عیاری میں ماہر یہ شخص مظلوم لوگوں کو اپنی ناراضگی کا اظہار کرنے کا نہ صرف کوئی موقع نہیں دیتا تھا، بلکہ اس کی عیاری کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے حلم وبردباری، مال و دولت کے ذریعے لوگوں کو اپنا قصیدہ پڑھنے پر بھی مجبور کر دیتا تھا۔ چنانچہ تاریخ وادب کی کتابوں میں معاویہ کے حلم، سخاوت کا بہت ذکر ملتا ہے۔ لیکن دقت نظر سے مطالعہ کرنے پر اس راز کا انکشاف ہوتا ہے کہ یہ سخاوت صرف اپنے خوشامدیوں تک ہی محدود تھی جبکہ غریب لوگ اس کی سخاوت سے محروم تھے۔ اسس کی سخاوت تو اسی طبقے کے ساتھ مخصوص تھی جو اسے برسرِ اقتدار لایا تھا۔ یہ طبقہ ان روساء وقبائل پر مشتمل تھا جو اس کی حمایت کرتے تھے۔ اس میں کچھ ایسے لوگ بھی موجود تھے۔ جنہیں حالات نے رسول اللہ صلعم کی صحبت اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ورنہ وہ تو رسول اکرم صلعم کے دشمنوں کی صف میں شامل ہونے کو ترجیح دیتے اس طبقہ پر معاویہ نے زر کثیر خرچ کیا اور دوسرے لوگوں کو ابتدائی سہولیات سے بھی محروم رکھا۔ اس پر نام نہاد محدثین (افسانہ نگاروں) نے معاویہ کی سخاوت کی جی بھر کر تشہیر کی ہے اور اس کے لئے گواہ کے طور پر چند ایسے واقعات پیش کئے ہیں جن میں انہوں نے بتایا ہے کہ معاویہ نے فلاں فلاں کو زر کثیر دیا تھا اور راویوں نے آگے اُسے نقل کیا۔ یہاں تک کہ مؤرخین نے ان واقعات کو معاویہ کے فضائل بنا کر درج کر دیا۔ معاویہ کا اپنے دشمنوں کو بھی زر کثیر دینا ہماری بات کے منافی نہیں ہے۔ کیوں کہ اس کے دشمن معاویہ کے ساتھ اس لئے مصالحت کرتے تھے کہ وہ اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز تھے۔ اس کے باوجود اگر معاویہ ان کو محروم رکھتا تو ہو سکتا تھا کہ یہ لوگ

معاویہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے۔ اس لئے معاویہ نے بہتر یہی سمجھا کہ یہ لوگ کیونکہ اپنے قبیلوں کے رئیس ہیں۔ اس لئے ان کو ترجیح دے کر اپنے خلاف اٹھنے کا موقع ہی نہ دیا جائے۔

معاویہ کی مالی سیاست کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمیں شام اور دوسرے علاقوں کا فرق بھی سامنے رکھنا ہوگا، کیونکہ شام اس وقت بہت خوش حال تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ شامی لشکر پر ہی معاویہ کو بھروسہ تھا۔ لہذا وہ انہیں مال و دولت سے خوش رکھتا تھا۔ چنانچہ ساٹھ ہزار افراد پر مشتمل اپنے لشکر پر وہ سالانہ ساٹھ ملین درہم خرچ کیا کرتا تھا۔[1] یہ بھی ذہن میں رہے کہ شام کی خوشحالی تمام عربوں کے لئے نہیں تھی بلکہ یہ خوشحالی صرف شام میں بسنے والے یمنی قبائل کے لئے تھی۔ جبکہ قیس کے قبائل بہت سخت حالات میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ یمنی قبائل معاویہ کے وفادار تھے۔ اس لئے وہ قیس کے قبائل کو نظرانداز کرتا تھا۔ البتہ بعد میں جب اسے خوف لاحق ہوا تو ان کو بھی کچھ دینا شروع کر دیا۔[2]

اس وقت اسلامی مملکت کے دوسرے علاقوں میں خواہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم سب فقر و فاقہ میں مبتلا تھے۔ معاویہ صرف دولت سمیٹنے کو اہمیت دیتا تھا۔ اور جہاں سے دولت آتی تھی انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا۔ چنانچہ جہاں سے خراج اور دولت آتی تھی ان پر اپنا تسلط جما کر وہ اس مال کو اپنے ان دشمنوں کے خلاف استعمال کرتا تھا جو اس کے مقابلے میں قیام نہیں کر سکتے تھے۔

---

[1] تاریخ الاسلام ۱/۵۷۴

[2] التمدن الاسلامی ۴/۷۴-۷۵

اس پر شاہد یہ ہے کہ عام الجماعت کے بعد معاویہ نے اپنے والیوں کے نام یہ لکھا:

"جس کے بارے میں گواہی سے ثابت
ہو جائے کہ وہ علیؑ اور ان کے اہل بیت
سے محبت رکھتا ہے۔ اس کا نام
دیوان سے کاٹ دو اور اس کو جو
حصّہ دیا جاتا ہے اسے بند کر دو۔"

اس کے ساتھ ایک اور خط منسلک کیا جس پر یہ لکھا تھا۔

"جس شخص کے بارے میں یہ شک ہو کہ
وہ ان لوگوں کے ساتھ وابستہ ہیں
اس پر تشدد کرو اس کا گھر
تباہ کر دو۔"[1]

بہت سے انصار اپنے حصّے سے محروم رہتے تھے اور جن کا گناہ صرف یہی تھا کہ وہ اہل بیت کی مدد کرتے ہیں۔[2]

اگر مسلمانوں میں سے کوئی بھی ان کی نافرمانی کرتا تو وہ اس کا حصّہ بند کر دیتے تھے۔ اگرچہ نافرمانی کرنے والا پورا شہر ہی کیوں نہ ہو۔[3]

---

[1] شرح نہج البلاغۃ ۱۱/۴۴-۴۶

[2] التمدن الاسلامی ۴/۷۶

[3] التمدن الاسلامی ۴/۷۶

چنانچہ حضرت امام حسینؑ کو یزید کی بیعت پر مجبور کرنے کے لئے معاویہ نے تمام بنی ہاشم کا حصہ بند کر دیا[1]

معاویہ نے اپنے عراق کے والی زیاد بن سمیہ کے نام لکھا کہ سونا اور چاندی صرف میرے لئے مخصوص رکھو۔

چنانچہ زیاد نے اپنے ماتحتوں کو لکھا کہ وہ سونے اور چاندی کو مسلمانوں میں تقسیم نہ کرے[2]

اپنے مصر کے والی وردان کے نام لکھا کہ ہر قبطی کو ایک قیراط اضافی دیا جائے تو وردان عدالت میں معاویہ سے بھی بڑھ گیا اور اسے جواب میں لکھا کہ میں انہیں کیسے ایک قیراط اضافی دے دوں۔ حالانکہ ان کے ساتھ عہد میں یہ لکھا ہوا ہے کہ انہیں کوئی اضافی نہیں دیا جائے گا۔

یہ تھا، دولت سمیٹنے کے لئے عمال پر معاویہ کا دباؤ۔ اور وہ مال و دولت سمیٹنے کے لئے نت نئے طریقے ایجاد کرتے تھے[3]

ایک دفعہ لوگوں سے وصول شدہ ٹیکس نوروز کے دن اسے پیش کیا گیا تو وہ دس ملین درہم تھا[4]

معاویہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے رعیت کے مال و دولت کو اپنے لئے مخصوص کیا تھا[5]

---

[1] الکامل ۳/۲۵۲ الامامۃ والسیاسیۃ ۱/۲۰۰

[2] التمدن الاسلامی ۴/۶۹

[3]، [4] التمدن الاسلامی ۴/۱۹ [5] : التمدن الاسلامی ۴/۱۹

یہ معاویہ ہے جس نے عمرو بن العاص کو سرزمین مصر اور اس کی مال و دولت کو اس کی ملکیت میں دے دیا اور اس وقت یہ الفاظ ادا کئے کہ معاویہ نے عمرو بن العاص کو مصر اور اہل مصر دے دیا اور وہ اس میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے یہ وہی مصر ہے۔ جس کے والی مالک اشتر کو حضرت علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام نے انسانی حقوق کا پوری تاریخ میں سب سے بڑا عہد نامہ لکھا تھا۔ وہ مصر اب معاویہ کے ہاتھ میں خرید و فروخت کا مال بن کر رہ گیا۔

مصر میں عمرو بن العاص کے کردار کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں کہ ایک غیر مسلم نے اس سے سوال کیا کہ ہم پر کس قدر جزیہ ہے تو اس نے جواب دیا۔

"اگر تم نے زمین سے چھت تک مجھے دے دیا۔ تو بھی میں تمہیں نہیں بتاؤں گا کہ تم پر کتنا جزیہ ہے۔ تم تو ہمارے خزانے ہو۔ اگر ہم پر زیادہ بوجھ آیا تو تم پر زیادہ بوجھ ڈالیں گے اور اگر ہمارا بوجھ ہلکا ہوا تو تم کو بھی ہلکا کریں گے"[1]

جب معاویہ عراق پر مسلط ہو گیا تو اس نے بیت المال کو کوفہ سے شام منتقل کر دیا اور شامی فوجوں کی تنخواہ بڑھا دی اور اس کے برعکس عراقی فوجیوں کی تنخواہوں میں کمی کر دی۔[2]

---

[1]: التمدن الاسلامی ۴/ ۷۹-۸۰   [2] الدولۃ العربیہ وسکوتھا۔ ۱۵۸

چنانچہ معاویہ نے اپنی مالی پالیسی کی وضاحت یوں کی۔

" زمین اللہ کی ہے اور میں اللہ کا خلیفہ
ہوں اور اللہ کا جو مال لیتا ہوں وہ
میرا ہی ہوتا ہے اور جس کو میں
نے نہیں لیا۔ وہ بھی میرے لئے
جائز ہی تھا۔"

معاویہ کسی دشمن اہل بیت کو عراق کا والی بنانا چاہتا تھا تاکہ عراق میں دہشت تذلیل اور فقر و تنگدستی کو عام کر سکے اور اس میں یہ عیاری بھی شامل تھی کہ وہ اہلِ عراق کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ میں تو اہلِ عراق کے لئے ترجیحات کا قائل ہوں، مگر میرے والی عراقیوں کے ساتھ اپنی عداوت کی وجہ سے ان کو نافذ نہیں کرتے۔ اس طرح وہ عراق میں اپنی نیک نامی مفت میں بنانا چاہتا تھا۔ اس کے چند نمونے بھی ہم پیش کرتے ہیں معاویہ نے اپنے کوفہ کے والی نعمان بن بشیر کو کہا کہ وہ اہل کوفہ کے حصہ میں دس دینار کا اضافہ کر دے۔ لیکن یہ نعمان عثمانی تھا اور وہ اہل کوفہ سے اس لئے عداوت رکھتا تھا کہ وہ علیؑ کے چاہنے والے ہیں۔ چنانچہ نعمان نے اس حکمنامے پر عمل کرنے سے انکار کر دیا اور لوگوں نے اس سلسلے میں اس سے بات چیت کی اور اللہ کا واسطہ دے کر اس سے سوال کیا۔ اس نے پھر بھی انکار کر دیا عبداللہ بن ہمام سلولی نے ایک مؤثر انداز میں شعر کی صورت میں اس سے اس حکمنامے کے نفاذ کا کا مطالبہ کیا تو اس نے جواب دیا۔ قسم بخدا میں اس کی اجازت دوں گا اور نہ میں اسے نافذ کروں گا۔[1]

---

[1] الاغانی ۱۶/ ۲۹-۳۲

اس طرح مسلمانوں کو اپنے مال و دولت سے محروم رکھا گیا تاکہ یہ مال قبائلی روساء فوجی جرنیلوں اور اللہ و رسول صلعم پر بہتان طرازی کرنے والوں پر خرچ کیا جا سکے۔

معاویہ نے تمام مسلمانوں کے ساتھ بالعموم اور محبین علی علیہ السلام کے ساتھ بالخصوص یہی سلوک جاری رکھا۔ کیونکہ حب علیؑ اموی حکومت کے نزدیک ایک سرطان کی مانند تھا جسے وہ کاٹ کر پھینکنا چاہتے تھے۔

اس وقت معاویہ کی سیاست کی وجہ سے عراق کی صورتِ حال ایک مستشرق کی زبان سے سنیئے:

" اہلِ عراق شام کے ساتھ جنگ ہار چکے تھے۔ ان زمینوں کی آمدنی بھی بند ہو گئی۔ جن پر وہ مسلط ہو گئے تھے۔ اب وہ تھوڑی سی اجرت پر جو بڑوں کے دستر خوان سے بچی کھچی ہوتی تھی، قناعت کرتے۔ ایک طرف تو وہ شکست خوردہ تھے اور دوسری طرف سے ٹیکسوں کا بوجھ بھی بڑھ گیا تھا۔ جن کے وہ خود زیادہ محتاج تھے۔ مگر دولت تو اموین کے ہاتھ میں تھی۔ چاہے وہ عراقیوں کا حصہ کم کر دیں یا بالکل ختم کر دیں۔ اسی لئے اگر

عراق والے شام کی حکومت کے
خلاف ہر فرصت میں اٹھنا چاہتے
تھے تو یہ تعجب کی بات نہیں ہے۔

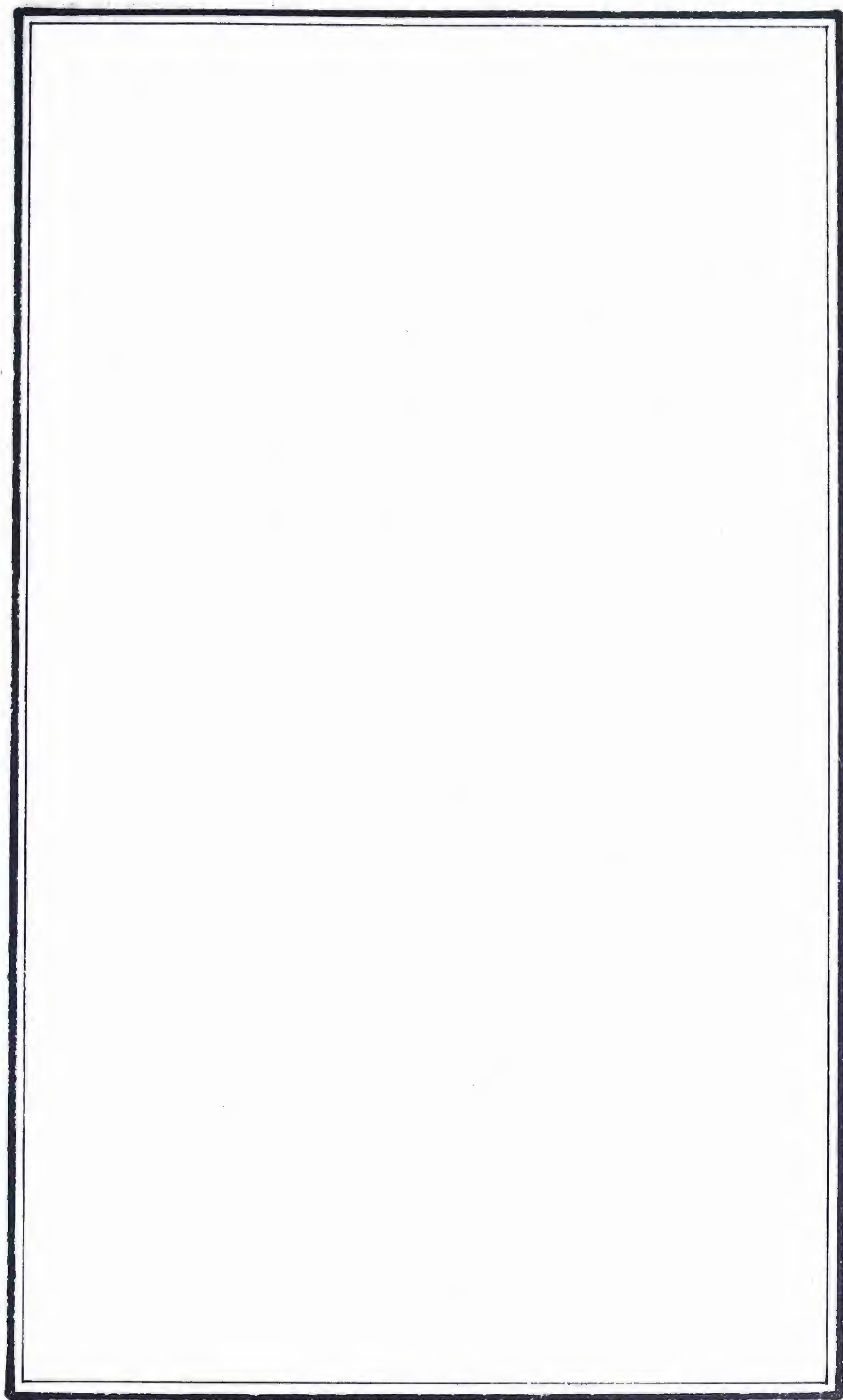
بنی امیہ کے خلاف عداوت
کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ لوگ رسول اکرمؐ
کے دشمن اور اسلامی عقیدے کے
مخالف رہے اور اب بنی امیہ کی حکومت
قائم ہونے کی وجہ سے شکایتوں میں
اضافہ ہو گیا۔ اس کے والیوں کی
رفتار ناقابلِ برداشت تھی اور
حکومت کا پیسہ چند ہی افراد کی جیب
میں جاتا تھا اور دوسرے لوگ
محروم رہتے تھے۔

کوفہ کے قبائل اور بڑے
خاندانوں کے رؤساء اس احساس
میں دوسروں کے ساتھ شریک تھے
لیکن وہ اپنی سنگین ذمہ داریوں کی وجہ
سے حکمت عملی کے ساتھ اپنے آپ کو
بچانا چاہتے تھے اور کسی انقلاب کی
اجازت نہیں دیتے تھے بلکہ عوام کو

اس سے رد کرتے تھے اور وہ امن و آشتی
کے نام سے اپنے اثر و رسوخ کو حکومت
کے اختیار میں رکھتے تھے تاکہ وہ اپنے
آپ کو خطرات سے بچا سکیں لیکن اس
کے باوجود وہ لوگ حقیقی شیعوں کے
سخت سے سخت تر دشمن ہوتے چلے
گئے اور ان کی عداوت میں روز بروز
اضافہ ہوتا گیا۔ یہ وہ شیعہ تھے جنہوں
نے رسول اللہ صلعم کے وارثوں کے
ساتھ تمسک میں کوئی کمی نہیں آنے دی۔
بلکہ تشدد آمیز سلوک کی وجہ سے ان
کے عقیدے مزید مضبوط ہو گئے اور
اور اس طرح طبقہ اشراف کا مقابلہ کرنے
کی وجہ سے شیعوں پر عرصۂ حیات اور
تنگ ہو گیا۔"[1]

---

[1] الدولۃ العربیۃ تالیف، ایولیوس دلھوزن۔ ۵۱-۵۲-۵۳-۵۶



۵

(ب)

قبائلی تعصّب

اسلام نے قبائلی اور قومی تعصّب دور کرتے ہوئے سب لوگوں کو انسانیت کی ایک ہی صف میں لا کھڑا کیا اور اسلامی اصول و شریعت بھی اسی نظریہ پر مبنی ہے حدیث میں ہے:

"مومنین آپس میں بھائی ہیں۔ ان کا خون محفوظ ہے۔ ان میں سے کمزور ترین انسان بھی مسلمانوں کے قوانین کا احترام کرتا ہے اور وہ غیر مسلموں کے مقابلے میں ایک ہی ہاتھ کی مانند ہے۔

رسول اکرم صلعم نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا:

" لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں جاہلیت۔

کی نخوت اور آباؤ اجداد پر فخر کرنے
کے مرض سے پاک کر دیا۔ تم سب
آدم سے ہو اور آدم خاک سے۔ کسی
عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں
ہے سوائے تقویٰ کے؛

نیز آپ صلعم نے ارشاد فرمایا:

" اگر کسی نے ایسے پرچم کے لئے جنگ
لڑی جو کسی گروہ کے لئے عداوت
رکھتا ہو یا اگروہ پرستی کی دعوت دیتا
ہو یا اگر کوئی کسی گروہ کی مدد کے لئے
مارا جائے تو وہ جاہلیت کی موت مرا ہے"

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فضیلت کا اسلامی معیار قائم کرتے ہوئے فرمایا:

" یا ایها الناس انا خلقنا کم
من ذکر و انثی وجعلنا
کم شعوبا و قبائل لتعارفوا
ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم"
(الحجرات۔۱۳)

ترجمہ" لوگو! ہم نے تو تم سب کو ایک
مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور
ہم ہی نے تمہارے قبیلے اور برادریاں

بنائیں تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر
لیں۔ اس میں شک نہیں کہ خدا کے نزدیک
تم سب میں بڑا عزت دار وہی ہے۔
جو بڑا پرہیزگار ہو۔"

اس طرح انسانی اقدار کی آفاقیت کی طرف اسلام نے عربوں کو اپنے قبائلی اختلافات میں نظرثانی کرنے کی دعوت دی اور ان کو ایک ہی امت میں شامل رکھنے کی کوشش کی۔ جس میں جاہلیت کی قبیلہ پرستی کی جگہ اسلامی اخوت موجود ہو اور تمام مسلمانوں کو خواہ وہ کسی علاقے کے رہنے والے یا کوئی سی زبان بولنے والے ہوں ان کو ایک ہی امت قرار دے دیا۔ جس کا عقیدہ اور منزل ایک ہے۔ رسولِ خدا نے بھی اپنے گفتار و کردار کے ذریعے مسلمانوں کے ذہنوں میں ان اسلامی اقدار کو بٹھانے کی کوشش کی اور ان کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے بھی اپنی گفتار و کردار سے اسی کو فروغ دیا۔ حضرت عثمان کے دور میں جب ان اسلامی تعلیمات سے انحراف کر کے جاہلیت کے قبائلی تعصب کی طرف پلٹنا شروع کیا گیا تو حضرت علی علیہ السلام نے اس کا بھی مقابلہ کیا اور حضرت علی علیہ السلام کے اس جہاد کے آثار ہم اب بھی محسوس کر سکتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام کے وہ گرانبہا فرامین اور خطبے جو حوادث زمانہ سے بچ کر ہم تک پہنچے ہیں اگرچہ وہ تھوڑے ہیں۔ پھر بھی اس بات کے لئے کافی ہیں کہ ہم اسلامی معاشرے میں قبیلہ پرستی کے خطرات پر آپؑ کی گہری نگاہ کو سمجھ سکیں حضرت علی علیہ السلام کے ان خطبات میں سے ایک نہایت اہم خطبہ، خطبۂ قاصعہ ہے۔ جس سے ہم آپ کے نقطۂ نگاہ کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

معاویہ اور قبیلہ پرستی

معاویہ نے دو طریقوں سے قبیلہ پرستی کا پرچار کیا۔ ایک تو وہ اپنی گفتار اور کردار سے عربوں میں قبائلی تعصب ابھارتا تھا۔ تاکہ عرب قبائلی سرداروں کی توجہ اپنی طرف مبذول کر سکے اور دوسرے یہ کہ خطرے کے وقت ان قبائل کو ایک دوسرے کے خلاف اٹھایا جا سکے۔ دوسرا طریقہ عرب۔ اور غیر عرب میں نژاد پرستی کا تعصب ابھارنا تھا۔ اس زمانے میں غیر عرب مسلمانوں کو موالی کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ معاویہ عہد علی علیہ السلام میں عراق کے عرب قبائل میں قبائلی تعصب پھیلا کر سازشیں کرتا تھا۔ کبھی وہ ان قبائل کے سرداروں کو وہی مادی اور اجتماعی سہولتیں فراہم کرتا تھا جو شام کے قبائلی سرداروں کو میسّر تھیں۔ اس وقت شام ان لوگوں کا مرکز بن گیا تھا۔ جو اپنی خیانت۔ اور جرائم کی وجہ سے حضرت علی علیہ السلام کی نگاہ میں مطعون ہوتے تھے۔ چنانچہ ہر جرائم پیشہ یا مال و دولت کا حریص شخص معاویہ کے دربار میں چلا جاتا۔ جہاں اس کی خوب آؤ بھگت ہوتی تھی۔

چنانچہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے ایک خط مدینہ میں اپنے والی سہیل بن حنیف کے نام لکھا اور اس میں ان چند مدینہ والوں کی توصیف جو معاویہ کے ساتھ مل گئے تھے۔ یوں فرمائی:

> "یہ لوگ، دنیا طلب اور مال و دولت
> کے لالچی ہیں۔ ان لوگوں نے جب
> ہماری عدالت کو دیکھ لیا اور ہماری
> عادلانہ روش کو سمجھ گئے اور یہ بھی

جان گئے کہ ہمارے نزدیک سب
برابر ہیں، تو اس مساواتی نظام سے
یہ لوگ طبقاتی اور ترجیحی نظام کی طرف
بھاگ گئے اور یہ لوگ رحمتِ خدا
سے دور رہے۔[۱]"

عراقی معاشرے میں ایسے بہت سے افراد موجود تھے جو معاویہ کے جال میں پھنس جاتے اور اس کی دوستی اور لالچ کی وجہ سے وہ بہت ہی دشواریوں سے اپنے آپ کو آزاد کرتے تھے۔[۲] معاویہ قبائلی تعصب پھیلانے کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو انصاف و عدالت کا علمبردار دکھانے میں بھی کامیاب ہوتا تھا چنانچہ "شیث ابن ربعی" جو دو دیگر اہم علاقائی شخصیتوں کے ساتھ حضرت علی علیہ السلام کی جانب سے ایک وفد کی شکل میں معاویہ کے پاس گیا تھا۔ معاویہ نے اس سے کہا:

"تیری بیوقوفی اور کم عقلی کی پہلی علامت
یہ ہے کہ تو نے اس شریف خاندانی
سردار یعنی سعید بن العاص ہمدانی
کی بات کاٹ دی۔[۳]

۱۔ نہج البلاغۃ

۲۔ کتاب صفین تالیف۔ نصر بن مزاحم صفحہ ۸، ۱۰۸، ۲۴۵، ۳۴۶

۳۔ ایضاً صفحہ ۳۰۹، ۳۱۱

معاویہ کی سازشوں کا ایک نمونہ

معاویہ کی سازشوں میں سے ایک سازش قبیلہ "کندہ" اور "ربیعہ" میں موجود ریاستی نزاع کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ پہلے دونوں قبیلوں کی سرداری اشعث ابن قیس کندی کے ہاتھ میں تھی۔ بعد میں حضرت علی علیہ السلام نے اسے اس عہدے سے ہٹا کر "حسان ابن مخدوع" کو جو قبیلہ "ربیعہ" سے تھا۔ رئیس بنا دیا۔ معاویہ کو جونہی اس واقعہ کا پتہ چلا۔ اس نے ایک "کندی" شاعر کو شعر کے ذریعے اشعث اور اس کے قبیلے کو ابھارنے کے لئے کہا۔ چنانچہ اس شاعر نے اشعث اور اس کی قوم کی تعریف، اور "حسان" اور اس کی قوم کی مذمت میں اشعار کہے۔ مگر یمن والے معاویہ کی یہ چال سمجھ گئے اور "شرع بن ہانی" نے کہا۔ "یمن والو! معاویہ چاہتا ہے کہ تمہارے اور "ربیعہ" کے درمیان تفرقہ ڈالا جائے"[1]

اس طرح معاویہ قبائل عرب میں تعصب اور عداوت و دشمنی کی آگ بھڑکانے اور دورِ جاہلیت کی عداوتوں کو از سرِ نو زندہ کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

۳۸ھ میں معاویہ نے "ابن حضرمی" کو بصرہ کی طرف روانہ کیا تاکہ جنگ جمل کے واقعات اور قتلِ عثمان کو تازہ کر کے بصرہ کے قبائل میں فتنہ برپا کیا جائے معاویہ نے ابن حضرمی کو یہ حکم دیا۔

"تو قبیلہ "مضر" کے پاس جا اور قبیلہ "ربیعہ" سے دور رہ اور قبیلہ "ازد"

---

[1] کتاب صفین، تالیف، نصر بن مزاحم صفحہ ۱۵۳، ۱۵۶

سے دوستی کا اظہار کر۔ قتلِ عثمان کی یاد
تازہ کر اور جنگ جمل کا واقعہ بھی بیان
کر جس میں بہت سے لوگ مارے گئے
تھے اور جو لوگ ہماری اطاعت کریں گے
ان کو تاحیات ترجیح اور بے شمار مال و
دولت دے۔"

"ابن حضرمی" اس سلسلے میں کسی حد کامیاب رہا اور یہ فتنہ بصرہ سے کوفہ کے قبائل تک پھیل گیا۔ کیونکہ بصرہ اور کوفہ کے قبائل کے درمیان آپس میں رشتہ داریاں تھیں، چنانچہ حضرت علی علیہ السلام نے اس سلسلے میں قبائلِ کوفہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔"

"جب تم دیکھو کہ لوگوں میں قبائلی
اختلافات پیدا ہو رہے ہیں اور لوگ
ایک دوسرے کو قبائلی تعصب کی دعوت
دے رہے ہیں تو ان چیزوں کو ان کے
سروں پر تلوار لہرا کر دبا دو۔ تاکہ وہ
اللہ اور اس کی کتاب اور اس کے
نبی صلعم کی سنت کی طرف پلٹ آئیں
اس قسم کے تعصبات شیطان کا جال ہیں اس
سے تم پرہیز کرو تاکہ تم کامیاب رہو۔[1]"

---

[1] تاریخ طبری ج ۔۴ صفحہ ۸۴، ۸۶

جب خلافت کے لئے معاویہ کی بیعت کی گئی تو اس وقت تک اسلامی علاقے اس کے کنٹرول میں نہیں آئے تھے۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام اور ان کے اہلبیت کو چاہنے والے شیعہ معاویہ کے ساتھ نہیں تھے۔ اس کے علاوہ خارجی جو شیعوں کی طرح بنی اُمیہ سے دشمنی رکھتے تھے، معاویہ کے ساتھ نہ تھے۔ کچھ عراقی قبائل بھی معاویہ سے اس لئے ناراض تھے کہ بیت المال عراق سے شام منتقل کیا گیا اور شامیوں کو عراقیوں پر ترجیح دے دی گئی[1]

اس کے علاوہ بہت سے مسلمان بنی امیہ کی کامیابی کو اسلام کے خلاف بت پرستی کی کامیابی سمجھتے تھے۔ اسی لئے وہ بنی امیہ کے تسلط اور اقتدار کو پسند نہیں کرتے تھے اور زمانۂ جاہلیت کی پرانی دشمنی ابھارنے کی وجہ سے وہ بنی اُمیہ کی مخالفت کرتے تھے[2]"

معاویہ کو جب لوگوں کی نفرت اور غیض وغضب سے خطرہ لاحق ہوا تو اس نے اس کے تعصب کے مقابلے کے لئے یہ اہم قدم اٹھایا کہ اموی حکومت کے مخالفین میں قبائلی تعصب بڑے پیمانے پر پھیلا دیا اور ان کے اندر پرانی عداوتوں کو از سر نو زندہ کرنے کی کوشش کی اور ان کی آپس میں دشمنی یہاں تک پہنچا دی کہ ان کے لئے متحد ہو کر یہ اعلان کرنے کا امکان ہی ختم کر دیا کہ اموی حکومت غیر قانونی ہے۔ اس طرح وہ اپنے مخالفین کو ناکام بنانے میں کامیاب ہو گیا۔

معاویہ کی یہ سیاست صرف اپنے مخالفین کے ساتھ مخصوص نہ تھی۔ وہ تو

---

[1] الدولۃ العربیہ ولہا دزن صفحہ: ۱۰۸

[2] اسلام کی سیاسی تاریخ ج ۱ صفحہ: ۲۷۸، ۲۷۹

اموی خاندان کے لئے بھی اسی سیاست سے کام لیتا تھا۔ جیسا کہ "ولھاوزن" لکھتے ہیں کہ معاویہ بنی اُمیہ کے مختلف خاندانوں میں بھی پھوٹ ڈالتا تھا تاکہ بنی اُمیہ کی شان وشوکت بھی ختم کر دی جائے۔[1]

جب معاویہ کا اپنے خاندان کے ساتھ یہ سلوک ہے تو دوسرے قبائل کے بارے میں معاویہ سے کیا توقع رکھی جا سکتی ہے۔ جن سے اس کی حکومت کو بھی خطرہ تھا کہ کہیں وہ اس کے خلاف متحدہ محاذ نہ بنا لیں۔

اہلِ تحقیق کے لئے یہ بات سمجھنا دشوار نہیں ہوگا کہ معاویہ کس اخلاق کا مالک تھا کیونکہ معاویہ کی زندگی کی پوری تاریخ اس قسم کے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔

شاعروں کے اثرورسوخ کا غلط استعمال

معاویہ اپنی خصوصی عیاری کے ساتھ اس زمانے کے بااثر شعراء کے اثرورسوخ کو بھی اپنے مفاد میں استعمال کرتا تھا اور وہ شاعروں کو مختلف موضوعات مثلاً ایک دوسرے پر فخر ومباہات خودستائی اور ہجو وغیرہ ہیں جو کہ زمانہ جاہلیت کے درمیان مرسوم تھی، اشعار کہنے کی ترغیب دیتا تھا۔[2]

چنانچہ معاویہ کے درباری شاعر "اخطل انصاری" کی داستان اس حقیقت کا ایک نمونہ ہے اور وہ داستان یہ ہے کہ انصار کے شعراء معاویہ پر دینی اعتبار سے تنقید اور مذمت کرتے تھے اور معاویہ کے حکم پر "اخطل" جاہلیت کے دور

[1] الدولۃ العربیۃ صفحہ ۱۱۲
[2] تاریخ الشعوب الاسلامیہ۔ بروکلمن ج ۱ صفحہ ۱۴۸، قصۃ الادب فی العالم۔ احمد امین ج ۱، ص ۳۷۲

کی روش کے مطابق مذمت آمیز شعروں میں ان کے اشعار کا جواب دیتا تھا۔ ان میں سے ایک شعر یہ ہے:

" ذَهَبَتْ قریش بالمکارم والعلاء
واللؤم تحت عمائم الانصار"

ترجمہ " عظمت و بلندی قریش کا حصہ بن گئی
جب کہ انصار کی پگڑیوں کے نیچے
ذلت و خواری رہ گئی "[1]

معاویہ نے انصار کے مقابلے میں یہ موقف کیوں اختیار کیا۔ اس کے عوامل کا سمجھنا مشکل نہیں ہے کیونکہ انصار اموی خاندان کی حکومت کے خلاف قریش کی اہم شخصیتوں کے ہمنوا تھے اور یہ دونوں اپنی محرومی اور بنی اُمیہ کی کامیابی پر نہایت رنجیدہ تھے۔ انصار کو اس بات کا بھی دکھ تھا کہ اسلام اور رسول صلعم کے دشمن کس طرح اس آسانی کے ساتھ حکومت پر قابض ہو گئے ہیں، معاویہ کو یہ اندازہ تھا کہ پرانی عداوتوں کو جو گذشتہ اسلامی جنگوں کے باعث دلوں میں باقی تھیں دوبارہ زندہ کرنا انصار اور ان کے سیاسی رقیب بنی امیہ کے قریش میں پھوٹ ڈالنے کے لئے کافی ہے۔

مختلف قبائل میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش

معاویہ کی یہ بھی کوشش رہی کہ دوران جاہلیت کی پرانی عداوتوں کو عرب

---

[1] تاریخ الشعر السیاسی احمد شائب صفحہ ۳۰۸، ۳۰۹

کے دو قبیلوں "اوس" اور "خزرج" کے درمیان دوبارہ زندہ کیا جائے اور انکے اتحاد کو پارہ پارہ کر کے ان کو آپس میں لڑایا جائے۔ وہ اس مقصد کے لئے ایک خاص عیاری سے کام لیتا تھا۔ مثلاً مغنیہ عورتوں کو ایسے اشعار گانے پر آمادہ کرتا تھا جو اسلام سے قبل زمانۂ جاہلیت میں ایک دوسرے کی مذمت میں کہے گئے تھے۔

"ابوالفرج اصفہانی" کہتے ہیں،

"طویس" کو ان اشعار کے ساتھ بڑا لگاؤ تھا جو "اوس" و "خزرج" نے جنگ کے دنوں میں ایک دوسرے کے خلاف کہے تھے۔ اس کا مقصد ان دونوں قبیلوں کو آپس میں لڑانا تھا۔ بہت کم ایسے اجتماعات تھے۔ جن میں ان دو قبیلوں کے افراد موجود ہوں اور ایسے اشعار کہے گئے ہوں اور ان میں اختلاف پیدا نہ ہوا ہو۔ وہ ان اشعار کے ذریعے پرانی عداوتوں کو دوبارہ زندہ کرتا تھا۔"[1]

ایک دن قبیلہ "قیس عیلان" کے ایک فرد "کثیر بن شہاب" کو "عبداللہ بن قیس غطافانی" نے مارا۔ یمن کے کچھ لوگوں نے معاویہ کو لکھا کہ "غطفان" کے ایک

[1]: الأغانی۔ ج ۲۔ صفحہ ۱۷۰۔ اسلام کی سیاسی تاریخ ج ۱ صفحہ ۵۳۵۔ فجر الاسلام صفحہ ۲۸۰

پست آدمی نے ہمارے سردار کو مارا ہے۔ اجازت ہو تو ہم اس کا قصاص "اسماء ابن خارجہ" سے لے لیں۔ معاویہ نے ان کو بیوقوف کہہ کر ٹال دیا "کثیر بن شہاب" نے کہا کہ ہم اس کا انتقام" قبیلہ مضر" کے سردار سے لے لیں گے۔ اس سے معاویہ غضب ناک ہوا اور "عبداللہ بن قیس غطافانی" کو آزاد کر کے اسے امان دے دی اور "کثیر ابن شہاب" کے ساتھ جو زیادتی ہوئی تھی اسے نظر انداز کر دیا اور "عبداللہ ابن غطافانی" سے نہ قصاص لیا اور نہ دیا۔ ؎

جب یہ بات سامنے آتی ہے کہ عراق میں حضرت علیؑ کے ساتھ محبت رکھنے والے قبائل یمنی تھے۔ تو یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ معاویہ قبیلہ" مضر" کے مقابلے میں قبیلہ" یمن" کے ساتھ کیوں تعصب روا رکھتا تھا حالانکہ دونوں عراق کے ہی رہنے والے تھے۔

جب کوئی حکومت قبائلی کشمکش میں اصلاح اور ثالث کا کردار ادا نہ کرے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ قبائل از خود ایک دوسرے سے انتقام لینے کے درپے رہیں گے اور معاویہ کا یہی مقصد تھا۔

شام میں معاویہ کی روش عراق کی روش کے بالکل برعکس تھی۔ وہ یمنیوں کے حق میں اور قبیلہ" مضر" کے خلاف سازش کرتا تھا اور قبیلہ" کلب الیامنیہ" کے ساتھ نزدیکی روابط استوار کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے" میسون" یزید کی ماں جو قبیلہ کلب کے سردار" بجدل" کی لڑکی تھی، کے ساتھ شادی کر لی۔ اور اپنے بیٹے یزید کی بھی اسی قبیلے میں شادی کر دی۔ اپنی جنگوں اور دوسری سازشوں میں بھی اس قبیلہ، یمن

؎ تاریخ اشعار سیاسی صفحہ ۱۶۰-۱۶۱

دوسرے قبائل "عک" "سکاسک" "سکون" اور "عنان" وغیرہ پہ بھروسہ کیا کرتا تھا اور شام میں قبیلہ "مضر" پہ تشدد کیا کرتا تھا۔ چنانچہ قبیلۂ "مضر" کے ایک گروہ "قیس" کے لئے بیت المال سے کچھ بھی نہیں دیا جاتا تھا۔ چونکہ اسے اطمینان تھا کہ مشکلات کے وقت یمنی لوگ اس کی مدد کریں گے۔ چنانچہ "مسکین دارمی" جو ایک قادر الکلام بدزبان شاعر تھا جس سے لوگ خائف بھی رہتے تھے۔ اس نے معاویہ سے درخواست کی کہ میرے لئے کچھ وظیفہ معین کیا جائے۔ چونکہ اس کا تعلق قبیلۂ "مضر" سے تھا۔ اس لئے معاویہ نے اس کی درخواست مسترد کردی۔ بعد میں اس نے کچھ ایسے اشعار کہے جس کے ذریعہ معاویہ کے دل میں نرمی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ لیکن معاویہ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔

معاویہ کی حمایت کی وجہ سے اہل یمن اس قدر قوی ہو گئے کہ وہ آخر میں حکومت کو بھی نظر انداز کرنے لگے اور دوسری طرف "قیس" اور "عدنان" کے قبائل تزلزل کا شکار ہو گئے۔ ایک دن اس نے کسی "یمنی" سے ایسی باتیں سنیں تو اسے یمنیوں سے خوف لاحق ہوا۔ اس نے فوراً یمنیوں کو قبیلۂ "مضر" کے ساتھ لڑانے کا فیصلہ کر لیا۔ اور "قیس" و "عدنان" کے قبائل کے لئے فوراً چار ہزار دینار مخصوص کر دیئے اور "مسکین دارمی" کے نام پیغام بھیجا۔

"ہم نے تیرے لئے تیرے شہر ہی میں وظیفہ مقرر کر دیا ہے۔ اگر چاہو تو اپنے شہر میں رہو۔ چاہو تو ہمارے پاس آجاؤ۔ ہر حال میں تمہارا وظیفہ

تمہیں ملتا رہے گا"۔[1]

---

[1] التمدن الاسلامی، جرجی زیدان صفحہ ۷۴، ۷۵۔ معاویہ اس کام سے "مسکین دارمی" کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانا چاہتا تھا۔ چنانچہ اسی "مسکین" نے یزید کی خلافت کی تائید میں یہ اشعار کہے۔

"الالیت شعری مایقول بن عامر
ومروان ام ماذا یقول سعید

بنی خلفاء اللہ مهلاً فانما
یبوئها الرحمٰن حیث یرید

اذا المنبر الغربی خلاه ربه
فان امیر المومنین یزید

یعنی: "کاش میں سمجھ سکتا "ابن عامر مروان" اور "سعید" کیا کہنا چاہتے ہیں۔ اے فرزندان خلفاء خاموش رہو۔ خدا جسے چاہے خلافت دے دیتا ہے۔ شام کی کرسئ خلافت جب بھی خالی ہو جائے گی تو اس کے لئے سزاوار ترین فرد

(باقی اگلے صفحہ پر)

معاویہ کے نمائندوں کی روش

مختلف شہروں میں معاویہ کے نمائندوں کی سیاست عیناً معاویہ کی سیاست کی مانند تھی۔ وہ مختلف قبائل میں پھوٹ ڈالنے اور اختلاف پیدا کرنے میں مصروف رہتے تھے تاکہ قبائل حکومت کے خلاف متحد نہ ہو سکیں "ولهاوزن" نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"اس (معاویہ) کے نمائندوں نے قبائل میں اختلاف ڈالا۔ ان نمائندوں کے پاس پولیس کی تھوڑی سی تعداد ہوا کرتی تھی اور اس کے علاوہ دیگر مقامی جنگجو افراد سے بھی فائدہ اٹھاتے

(پچھلے صفحہ سے آگے)

امیرالمومنین یزید ہے۔ اس شعر کے پہلے مصرعے سے پتہ چلتا ہے کہ بنی اُمیّہ کے اندر بھی اقتدار کی رسہ کشی تھی۔ اور "عبداللہ ابن عامر" "مروان ابن حکم" اور "سعید ابن العاص" اقتدار کی اسں جنگ میں شریک تھے۔"

تھے اور وہی لوگ قبائل کی دفاعی قوت
بھی تھے اور انہی کے ذریعے وہ اپنے
آپ کو مضبوط بناتے تھے اور جب کافی
مقدار میں جنگجو لوگوں کو اپنے ساتھ
ملانے میں کامیاب ہو جاتے تو وہ قبائل
کو ایک دوسرے کی جان کے پیاسے
بنا دیتے تھے تاکہ ان میں اپنا اثر و رسوخ
مضبوط کر سکیں۔ ایسا اتفاق اکثر ہوتا
تھا کہ حکام اس قبائلی جھگڑے میں ایک
قبیلے کا ساتھ دیتے اور جب نیا حکمران
آجاتا اور کوئی دوسرا قبیلہ اس کے ساتھ
حامی بھر کر سامنے آتا اس کا نتیجہ یہ ہوتا
کہ جو قبیلہ اقتدار سے محروم ہو
جاتا وہ اس قبیلہ کا جانی دشمن بن جاتا۔
جو تازہ اقتدار میں آیا ہے۔ اس طرح
قبائلی جھگڑے سیاست میں
ملوث ہوتے رہے اور سیاسی مفادات
کی جنگ جاری رہی"۔ لہ

لہ: الدولۃ العربیہ۔ ولہاوزن صفحہ ۵۸

زیاد ابن ابیہ کی عیاریاں

معاویہ کے نمائندوں میں زیاد بن سمیہ سب سے زیادہ عیار تھا۔ اس کی مکاری کی ایک مثال یہ ہے کہ اس نے جب " حجر بن عدی کندی" کو گرفتار کرنا چاہا تو اس نے محمد ابن اشعث کندی کو پکڑنے کا حکم دیا تاکہ اس طرح قبیلۂ "کندہ" میں پھوٹ ڈالی جاسکے۔ کیونکہ یہ کوفہ کا سب سے طاقت ور قبیلہ تھا۔ وہ ان میں تفرقہ ڈال کر " حجر" اور " محمد ابن اشعث" کے حامیوں کو آپس میں لڑانا چاہتا تھا۔ مگر " حجر ابن عدی " کی دانشمندی سے ان کے ہاتھ سے یہ موقع ضائع ہوگیا اور اس نے خود ہی اپنے آپ کو حکام کے حوالے کر دیا۔[1]

اس کے بارے میں "ولہاوزن" لکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ زیاد نے کوفے

---

[1]: حضرت " حجر بن عدی" کے ایک ساتھی " قبیصہ بن ربیعہ العبسی" بھی اس بات کی طرف متوجہ تھے۔ جب ابی شریف بدری اس کو قتل کرنے کیلئے " مرج عذرا " آیا تو اس نے کہا کہ میرے اور تیرے قبیلے میں کوئی عداوت نہیں ہے۔ لہذا میرے قتل کرنے کیلئے تیرے علاوہ کوئی اور آئے چنانچہ اس نے اسے قتل نہیں کیا۔ بعد میں " قضاعی" نامی شخص نے اسے شہید کر دیا۔

میں شیعہ انقلاب کو اپنے فوجیوں کے ذریعے نہیں بلکہ خود قبائل کی مدد سے ختم کر دیا.
قبائل کے درمیان جو تعصب اور عداوت کارفرما تھی۔ اس سے ان کو آپس میں لڑانے
کے لئے راہ ہموار ہو گئی[۱]

نیز لکھتے ہیں۔ زیاد کو معلوم تھا کہ قبائل کو آپس میں کس طرح لڑایا جا سکتا ہے
اور ان کو کس طرح اپنے مقصد کے لئے استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ وہ اس
سلسلے میں کامیاب بھی رہا[۲]

اس کے بیٹے عبید اللہ (ابن زیاد) نے بھی، جب وہ بصرہ میں معاویہ کی جانب
سے والی تھا، یہی سیاست اپنائی۔ اس سلسلے میں اس کی جو باتیں ہم تک پہنچی ہیں۔
ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ اس نے اپنے دو شاعر دستوں "انس بن زنیم لیثی"
اور "حارثہ بن بدر غدانی" کو ایک دوسرے کی مذمت کرنے پر مجبور کر دیا اور اس کی
وجہ سے ان دونوں میں سخت جھگڑا کھڑا ہو گیا اور "عبید اللہ" اس فساد کو اور تیز کرنے
میں مصروف رہا[۳]

کوفہ میں معاویہ کے گورنر مغیرہ ابن شعبہ نے بھی یہی طریقہ اپنایا تھا جب یہ
کوفے کا والی بنا تو اس نے خوارج اور شیعوں کو لڑانے کی کوشش کی اور اس طرح
بنی اُمیہ کے خلاف قیام کرنے کے بجائے انہیں آپس میں مصروف رکھا[۴] اور یہی شخص تھا

---

[۱]۔ الدولۃ العربیہ ۱۰۵، ۱۰۶

[۲]۔ الھاوذن الدولۃ العربیہ صفحہ ۲۰۷

[۳]: الاغانی ج: ۲۱

[۴]: بمروکلمین تاریخ الشعوب الاسلامیہ ج ۱ صفحہ ۱۷۶

جس نے کوفہ اور بصرہ کے شیعوں کو خوارج کے ساتھ لڑنے پر آمادہ کیا اور اسی مقصد کے لئے ایک فوج تیار کی۔[1]

قبائل کے حق میں من گھڑت احادیث

اس سیاست کا نتیجہ یہ ہوا کہ قبائل کے درمیان دشمنی اور عداوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ سیاسی، حزبی اور قبائلی اشعار وجود میں آنے لگے۔ شیعہ خوارج اور بنی اُمیہ کے شعراء مذمت آمیز اشعار کہنے لگے نیز دوسرے قبائل میں بھی مذمت اور ایک دوسرے پر فخر کرنے کے اشعار وجود میں آئے۔ مختلف قبائل کے شعراء، قبائلی تعصب کی بنا پر اپنے قبیلوں کے حق میں اشعار کہنے لگے۔ چنانچہ معروف شاعر "اخطل" قبیلہ قیس عیلان کے خلاف جو اس کے قبیلہ "تغلب" کے ساتھ دشمنی رکھتا تھا، شعر کہنے لگا پھر وہ اور "جریر" کے خلاف "فرزدق" کے ساتھ مل گیا کیونکہ "فرزوق" تمیمی تھا۔ قبیلہ "قیس عیلان" کا ترجمان۔

ان قبائلی تعصبات نے بالآخر دینی شکل اختیار کر لی اور ہر قبیلہ نے اپنے فضائل مناقب میں رسول اللہ صلعم کی طرف منسوب کر کے احادیث گھڑنی شروع کر دیں، چونکہ یہ قبائل ریاست، مفاخرت اور شرافت میں ایک دوسرے کے رقیب تھے۔ اس لئے اشعار کی طرح جعلی احادیث کے ذریعے ایک دوسرے پر فخر کرنا شروع کر دیا۔ کتنی ہی ایسی احادیث ہیں جو قریش، انصار، اسلم، غفار، اشعری، حمیری جہینہ، اور مزینہ کے فضائل میں بنائی گئیں۔[2]

---

[1] تاریخ طبری

[2] احمد امین فجر الاسلام صفحہ ۲۱۳

آگے ہم پڑھیں گے کہ معاویہ نے بعض دین فروشوں کو اپنی اور اپنے خاندان کی مدح میں احادیث گھڑنے کے لئے خرید لیا تھا اور شاید اسی وجہ سے دوسرے قبائل نے بھی اپنے اپنے فضائل میں احادیث گھڑنی شروع کر دیں۔

اس طرح معاویہ نے عرب قبائل میں نفرت و عداوت کی روح پھونک دی اور اپنے مشترکہ دشمن (بنی اُمیہ) کے خلاف لڑنے سے باز رکھا اور وہ آپس میں چھوٹی چھوٹی باتوں میں مصروف ہو گئے۔

قبائل کے سرداران اپنے دشمنوں کے خلاف حکمرانوں کو ابھارنے میں مصروف ہو گئے۔ معاویہ اور اس کے بعد کے خلفاء اپنے آپ کو ان قبائل کے درمیان منصف بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ جن کو خود انہوں نے آپس میں لڑایا اور ان پہ اپنا تسلط مضبوط کیا تھا۔ اسی وجہ سے یہ قبائل انقلابی طاقتوں کے خلاف حکومتوں کے ساتھ مل جایا کرتے تھے تاکہ وہ اپنے دشمن قبائل کے خلاف حکومت سے کچھ رعائت حاصل کر سکیں۔ چنانچہ وہ موجودہ حکومتوں کے خلاف اٹھنے والی ہر تحریک کو کچلنے کے لئے حکومت کا ساتھ دیتے تھے اور یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ہم حکمرانوں کے مخلص ہیں۔ وہ انقلابیوں کے خلاف جو کچھ ان سے ہو سکتا تھا، کر گزرتے تھے ولہاوزن نے اس چیز کو بھانپ لیا۔

" زعماء قبائل احتیاط سے کام لیتے تھے
اور کسی انقلابی عمل میں نہ صرف حصّہ
نہیں لیتے تھے بلکہ انقلابی تحریکوں
کو کچلنے کے لئے پیش پیش رہتے
تھے اور یہ لوگ امن و آشتی کے نام

پر حکومت کی حمایت کرتے تھے تاکہ وہ
کسی خطرے سے دوچار نہ ہوں [1]

ہمارے پاس بہت سے ایسے شواہد موجود ہیں جو اس بات کے مؤید ہیں کہ قبائلی تعصبات کی وجہ سے مسلمانوں کی حالت نہایت ابتر ہوگئی۔ انشاء اللہ آئندہ اس پر کچھ تفصیل سے ہم بحث کریں گے۔

عرب وعجم میں نفاق

دوسرا کام جو معاویہ نے کیا۔ وہ عربوں میں غیر عرب کے خلاف نژاد پرستی کی تحریک جنم دینا ہے۔ چنانچہ عراقی قبائل کے سرداران یہاں تک آگئے کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کو یوں نصیحت کرتے تھے۔

"اے امیر المومنین اس دولت کو تقسیم
کردیں، عرب اور قریش کے اشراف
کو موالی اور عجم پر ترجیح دیں اور جن
سے مخالفت کا خوف ہے ان کو مال
کے ذریعے اپنے ہاتھ میں لے لیں۔"

ان کی نگاہ معاویہ کی سیاست پر تھی۔ اس لئے وہ ایسی باتیں کر رہے تھے۔ مگر حضرت علی علیہ السلام نے ان کو یہ کہہ کر جواب دے دیا۔

"کیا میں ان لوگوں پر ظلم کرکے کامیابی

---

[1]: الدولۃ العربیہ، صفحہ ۵۲

حاصل کر لوں جو میرے زیر دست ہیں

قسم بخدا جب تک دنیا میں کوئی سرگوشی

کرنے والا ہے اور آسمانوں پر ستارے

چمک رہے ہیں میں ایسا نہیں کروں گا[1]

مگر بنی اُمیہ کی سیاست اس سے مختلف تھی۔ چنانچہ ایک عربی غیر عرب کے ساتھ عبد اللہ ابن عامر کے سامنے جھگڑ رہا تھا۔ غیر عرب نے عربی سے کہا، خدا ہم میں تجھ جیسے زیادہ نہ کرے۔ عربی نے کہا۔ خدا ہم میں تجھ جیسے زیادہ کرے۔ کسی نے اس سے کہا کہ یہ تیرے خلاف بد دعا کرتا ہے اور تو اس کے حق میں دعا کرتا ہے۔ عربی نے کہا۔ جی ہاں۔ یہ لوگ ہمارے راستے ٹھیک کرتے ہیں۔ ہمارے جوتوں کی مرمت کرتے ہیں اور ہمارے کپڑے بنتے ہیں۔

وہ کہتے تھے قیادت کے لئے صرف عربی ہی صلاحیت رکھتے ہیں۔ معاویہ نے ایک مرتبہ احنف ابن قیس اور سمرہ ابن جندب کو بلا کر کہا۔

" میں دیکھ رہا ہوں کہ عجم لوگ زیادہ ہو

گئے ہیں اور اپنے اسلاف کو بھول گئے

ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ ان میں سے

کچھ لوگ ہماری حکومت کے خلاف شورش

برپا کریں گے۔ میں نے یہ ارادہ کر لیا ہے

کہ ان میں سے نصف کو قتل کر دوں اور

---

[1] نہج البلاغہ ج ۲ صفحہ ۲۷

... نصف کو تجارت اور راستوں کی مرمت
کے لئے زندہ رکھوں"۔

اس معاندانہ موقف کی وجہ سے غیر عرب مسلمان ذلیل اور مظلوم واقع ہوئے اور ناجائز ٹیکس اور جزیہ و خراج دیتے رہے۔ ان کو اپنے مقررہ حقوق سے بھی محروم کر دیا گیا۔ چنانچہ غیر عرب فوجیوں کے لئے کوئی تنخواہ مقرر نہ تھی۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ تین چیزیں نماز باطل کر دیتی ہیں۔ گدھے، کتے اور غیر عرب لوگ۔ چنانچہ وہ انہیں (غیر عرب کو) کنیت کے ساتھ نہیں بلاتے تھے بلکہ ان کا نام لے کر بلایا کرتے تھے (جب کہ عربوں میں نام لے کر بلانا بے احترامی اور حقارت کی علامت تھی) وہ غیر عرب کی ہمراہی میں نہیں جاتے تھے اور قافلوں میں انہیں آگے جانے کی اجازت بھی نہیں تھی۔ اگر وہ کسی کھانے کی دعوت میں شریک ہوتے تو وہ ان کے سر پہ کھڑے رہتے۔ اگر کسی غیر عرب کو بڑھاپے فضیلت اور علم کی وجہ سے کھانا دیا جاتا تو ان کو راستے میں بٹھا کر کھلاتے تاکہ دوسرے لوگ یہ جان لیں کہ یہ غیر عرب ہے اور جب کوئی عرب خواہ وہ ابھی نوجوان ہی کیوں نہ ہو۔ نماز جنازہ پڑھانے کے لئے مل جاتا تو غیر عرب مسلمانوں سے نمازِ جنازہ نہیں پڑھواتے تھے۔

غیر عرب مسلمانوں کی لڑکیوں کا رشتہ لینے کے لئے اس کے باپ اور بھائی سے رجوع نہیں کرتے تھے بلکہ ان لوگوں کی طرف رجوع کرتے تھے۔ جن کا اثر و نفوذ ہوتا۔ اگر وہ راضی ہوتے تو رشتہ طے پاتا تھا ورنہ نہیں اور اگر کوئی باپ یا بھائی ان لوگوں کی اجازت کے بغیر رشتہ طے کر دے یا عقد کر دے تو اسے فسخ کر دیتے اور اور اگر شوہر اس کے ساتھ ہمبستری کر لیتا تو اسے زنا شمار کرتے تھے۔ اگر کوئی عرب بازار سے کوئی چیز خرید کر لے جا رہا ہوتا اور کسی غیر عرب کو دیکھ لیتا تو اس پر لاد کر

لے جاتا اور غیر عرب کو اس سے انکار کرنے کا حق نہیں تھا اور نہ ہی حکومت اس پر کوئی اعتراض کرتی تھی۔ اگر کوئی غیر عرب سوار ہوتا تو عرب اسے اتار کر خود سوار ہو جاتا تھا۔[1]

غیر عرب مسلمانوں کے ساتھ اس قسم کے غیر انسانی سلوک کی وجہ سے مسلمانوں میں پھوٹ پڑ گئی اور ان میں کینہ و عداوت بڑھنے لگی اور ساتھ ساتھ حکومت وقت کے ساتھ مل کر مخالفت کرنے کی بھی گنجائش نہ رہی۔

یہ خطرناک مرض امت اسلامیہ کے جسم میں گہرا ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ اسے پارہ پارہ کر دیا اور اسلامی اتحاد کا بھی خاتمہ ہو گیا جسے اسلام نے بڑی قربانیوں سے قائم کیا تھا۔ مسلمانوں کو داخلی جنگوں میں جھونک کر ان کے درمیان موجود محبت و ہمدردی ختم کر دی اور مسلمانوں کے مختلف گروہوں میں بغض و عداوت کے بیج بو دیئے۔ معاویہ اور اس کے بعد آنے والے حکمرانوں کی اس سیاست نے اپنی حکومت کی مضبوطی کے لئے اسلامی اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔ جس سے مسلمان شکست سے دوچار ہو گئے اور دشمنوں کو ان پر تسلط جمانے کا موقع مل گیا۔[2]

---

[1] العقد الفرید ج ۲ صفحہ ۲۶۰-۲۶۱- ضحی الاسلام ج ۱ صفحہ ۱۸-۳۴- التمدن الاسلامی ج ۴ صفحہ ۶۰-۶۴-۹۱-۹۶

[2] قبائلی تعصبات کے بارے میں مزید معلومات کے لئے درج ذیل مصادر کی طرف رجوع فرمائیں۔
انساب الاشراف ۱/۱۸-۳۴- تاریخ العرب فلیپ حتی ۲/۳۵۰ - ۳۵۲- تاریخ الشعوب الاسلامیۃ بروکلمین ۱/ ۱۵۶ - ۱۵۷ - الدولۃ العربیۃ ولہاوزن ۱۶۵ - ۱۷۳- ۲۰۴-۲۱۴-۲۱۵-۲۱۸ / ۲۱۹ - اسلام کی سیاسی تاریخ - حسن ابراہیم حسن - ۱/ ۳۳۷ - ۳۴۱- مختصر تاریخ العرب سید امیر علی - ۶۳ - ۶۷ - ۷۸ - ۱۱۳ - ۱۱۴ - ۱۱۸

(ج)

دین کے نام پر افکار میں جمود پیدا کرنا

" بنی امیہ کا سب سے بڑا جرم جس کے وہ مرتکب ہوئے ہیں یہ ہے کہ ان کے سلف سے خلف تک رسول اکرمؐ کے خطرناک دشمن رہے۔ انہوں نے آخری لمحوں میں مجبوراً اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد یہ لوگ دین کے نام پر دو چیزوں میں کامیاب ہو گئے۔ پہلی چیز یہ کہ انہوں نے حضرت عثمان کی حکومت کمزور کر دی۔ اور دوسری چیز یہ کہ حضرت عثمان کے قتل سے خوب فائدہ اٹھایا۔ حالانکہ وہ امتِ محمدؐ صلعم کی زعامت کیلئے ہرگز اہل نہ تھے۔ حکومت اسلامی پر آنے والی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت یہ تھی کہ اس قسم کے لوگوں نے مسلمانوں کی زمام امور اپنے ہاتھ میں لے لی اور اسے غصب کر لیا اور شام کے مسلح فوجیوں کی تلواروں کے سائے میں لوگوں کو اپنا مطیع بنا لیا۔ مگر طاقت حق کے لئے معیار نہیں بن سکتی[1]

---

[1] الدولۃ العربیہ ۵۳۔ اسلام کی سیاسی تاریخ ج ا۔ ۲۷۸ - ۲۷۹

اس زمانے میں مسلمانوں کو بنی امیہ کی حکومت کی طرف سے ایسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جن کا ذکر اوپر آیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ معاویہ نے مسلمانوں کے دینی احساسات دبانے کے لئے خود دین کا اسلحہ استعمال کیا۔ وہ نہ صرف مخالفین کے مذہبی احساسات کو ختم کرنے کے لئے دین کو ذریعہ بناتا تھا بلکہ وہ اپنے مخالفین کے روحانی اثر و نفوذ کو ختم کرنے کے لئے بھی یہی راستہ اختیار کرتا تھا۔ چنانچہ وہ اپنی بے پناہ عیاری اور مکاری کی وجہ سے اپنا مقصد حاصل کر لیتا تھا۔

تاریخ نے چند ایسے لوگوں کا نام اپنے سینے میں محفوظ کر رکھا ہے، جنہوں نے اس سلسلے میں معاویہ کی بھرپور مدد کی۔ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں۔

"معاویہ نے کچھ اصحاب اور تابعین کو یہ حکم دیا کہ علی علیہ السلام کی تنقیص اور ان سے برأت و بیزاری کے سلسلے میں احادیث گھڑیں اور اس مقصد کے لئے ایک قابل توجہ رقم مختص کر دی۔ چنانچہ ان لوگوں نے اس قدر احادیث گھڑ لیں کہ معاویہ خوش ہو گیا۔ ابوہریرہ، عمرو ابن العاص، مغیرہ ابن شعبہ اور تابعین سے عروہ ابن زبیر کے نام اس فہرست میں شامل ہیں"[1]

---

[1] شرح نہج البلاغۃ ج ۴ صفحہ ۶۱

معاویہ نے ان لوگوں کو بنی امیہ کی حکومت کے لئے جواز پیدا کرنے یا کم از کم دین ہی کے ذریعے لوگوں کو انقلاب پیدا کرنے سے روکنے کے لئے ان لوگوں سے فائدہ اٹھایا تاکہ خارجی دباؤ، فقر و گرسنگی، تشدد اور قبائلی اختلافات وغیرہ کے ساتھ ساتھ خود دین کے نام سے داخلی رکاوٹ بھی پیدا ہو جائے۔ اس کے علاوہ معاویہ نے ان کے ذمہ ایک اور اہم کام یہ کیا تھا کہ وہ علیؑ اور اس کے اہل بیت کے طعن میں احادیث گھڑیں اور اس کی نسبت رسول اکرمؐ کی طرف دیں۔ چنانچہ درج ذیل عبارت بتاتی ہے کہ یہ سلسلہ کس پیمانے پہ جاری رہا اور معاویہ کی خواہشات کے مطابق انجام پاتا رہا۔

معاویہ نے اپنے تمام گورنروں کے نام عام الجماعت کے بعد یہ حکمنامہ جاری کیا۔

"جو شخص ابو تراب اور اس کے اہل بیت
کے فضائل میں حدیث نقل کرے۔ وہ
ہم میں سے نہیں ہے"

اس حکمنامے کے بعد ہر علاقے میں ہر منبر سے علی علیہ السلام پر لعن و برائت شروع ہو گئی۔ معاویہ نے اپنے والیوں کو لکھا کہ علیؑ اور اس کی اہل بیت کے ماننے والوں کی گواہی قبول نہ کرو اور ان کی طرف یہ حکمنامہ بھی جاری کیا۔

"وہ لوگ جو عثمان کے ماننے والے
ہیں۔ اس کے ساتھ محبت رکھتے ہیں
اور اس کے فضائل و مناقب میں
احادیث بھی نقل کرتے ہیں۔ ان کو
عزت دو اور انہیں اپنے قریبیوں
میں شمار کرو اور جو شخص بھی اس قسم

کی احادیث نقل کرے گا۔ اس کا اس
کے باپ اور قبیلے کا نام مجھے بھیج دو۔"

چنانچہ بے شمار بخششوں، خلعتوں، جاگیروں اور دولت کی خاطر جو عرب و عجم پہ اس وقت لوٹائی جاتی تھیں، حضرت عثمان کے فضائل و مناقب میں بہت سی احادیث وضع کی گئیں اور ہر شہر میں ان کو پھیلا دیا گیا۔ ہر مفاد پرست نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ یہاں تک کہ بہت سے دھتکارے ہوئے لوگ معاویہ کے کسی گورنر کے پاس جاتے اور حضرت عثمان کی فضیلت میں کوئی (جعلی) حدیث بیان کر دیتے تو معاویہ ان کا نام رجسٹر میں درج کر لیتا اور اسے عزت و مقام مل جاتا۔ ایک عرصے کے بعد معاویہ نے اپنے گورنروں کے نام لکھا۔

"عثمان کے فضائل میں احادیث
ہر شہر اور ہر گاؤں میں پھیل چکی ہیں
اب میرے اس خط کے بعد لوگوں کو
حکم دو کہ وہ اصحاب اور شیخین کے بارے میں
احادیث نقل کریں اور اگر کسی نے
ابوتراب کی فضیلت میں کوئی حدیث
نقل کی ہو تو اس کے توڑ کے لئے
فضائل صحابہ میں کوئی حدیث وضع
کرو۔ یہ میرے لئے زیادہ پسندیدہ
ہے۔ اس طرح ابوتراب اور اس
کے ماننے والوں کی دلیل کو کمزور

کیا جا سکتا ہے۔"

چنانچہ صحابہ کے مناقب میں بہت سی احادیث بنائی گئیں اور لوگ اس قسم کی احادیث نقل کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کرتے اور منبروں سے ایسی حدیثیں بیان کرتے اس کے علاوہ ملک کے تمام مکتبوں کے معلمین کو بھی حکم دیا کہ وہ بچوں کو اس کی تعلیم دیں۔ چنانچہ تمام جگہوں پہ بچے اس قسم کی احادیث کی تعلیم اس طرح حاصل کرتے جس طرح قرآن کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اسی طرح لڑکیوں، عورتوں، خادموں اور غلاموں تک کو ان کی تعلیم دیتے تھے۔ اس طرح بہت سی جعلی احادیث وجود میں آ گئیں۔ اس کے ساتھ ساتھ فقہا، قاضیوں اور والیوں نے بھی یہی روش اپنائی۔ اس میں سب سے بڑھ چڑھ کر وہ لوگ حصہ لے رہے تھے جو ریاکار قاری تھے اور عقیدے کے کمزور لوگ جو زہد و تقویٰ اور عبادت کا مظاہرہ کرتے تھے۔ یہ لوگ اس لئے احادیث گھڑتے تھے تاکہ حکام وقت کے پاس کوئی مقام اور دولت حاصل کی جا سکے۔ یہ سلسلہ اسی طرح ایک مدت تک جاری رہا اور جب حضرت امام حسنؑ شہید ہوئے تو آزمائش اور امتحان میں مزید اضافہ ہو گیا۔[1]

معروف و مشہور محدث "ابن عرفا عرف نفطوی" نے اپنی تاریخ میں اسی موضوع کے بارے میں یوں لکھا ہے۔

" فضائل اصحاب میں اکثر جعلی احادیث
بنی امیہ کے زمانے میں بنائی گئی
ہیں تاکہ ان کا تقرب حاصل کیا جائے

---

[1] شرح نہج البلاغۃ ج ۱۱ صفحہ ۴۴-۴۶

کیونکہ بنی اُمیہ کا یہ خیال تھا کہ اس طرح

بنی ہاشم کو ذلیل کیا جا سکتا ہے۔[1]

اس سلسلے میں معاویہ کی سخاوت میں اس قدر فراخدلی آئی تھی کہ اس نے ایک صحابی "سمرہ ابن جندب" کو چار لاکھ درہم دیئے تاکہ وہ یہ حدیث گھڑ دے کہ درج ذیل آیت حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

"ومن الناس من یعجبک
قولہ فی الحیاۃ الدنیا و
یشھد اللہ علی ما فی قلبہ
وھو الد الخصام واذا تولی
سعیٰ فی الارض لیفسد فیھا
ویھلک الحرث والنسل
واللہ لا یحب الفساد"[2]

ترجمہ: (اے رسولؐ) بعض لوگ منافقین سے ایسے بھی ہیں، جن کی دکھنی چپڑی باتیں (اس ذرا سی) دنیوی زندگی میں تمہیں بہت بھاتی ہیں اور وہ اپنی دلی محبت پر خدا کو گواہ مقرر

---

[1] شرح نہج البلاغہ ج ۱۱، صفحہ ۴۶

[2] سورۃ البقرہ ۲۰۴ - ۲۰۵

کرتے ہیں حالانکہ وہ تمہارے دشمنوں

میں سب سے زیادہ جھگڑالو ہے۔

اور جب حاکم بنا تو ادھر ادھر دوڑ

دھوپ کرنے لگا تاکہ ملک میں فساد

پھیلائے اور زراعت اور مویشی کا

ستیاناس کرے اور خدا فساد کو

اچھا نہیں سمجھتا۔"

اور دوسری درج ذیل آیت ابن ملجم کی شان میں نازل ہوئی۔

"ومن الناس من یشری

نفسہ ابتغاء مرضاۃ اللہ"

(سورہ بقرہ ۲۰۷)

ترجمہ: اور لوگوں میں سے (خدا کے بندے)

کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی خوشنودی

حاصل کرنے کی غرض سے اپنی جان

تک بیچ ڈالتے ہیں۔

چنانچہ اس نے ایسی روایت گھڑ دی (۱)

"ابوہریرہ" کو معاویہ نے مدینہ کی حکومت اس لئے دی کہ اس نے حضرت علیؑ اور بنی امیہ کے بارے میں ایسی احادیث گھڑیں جو معاویہ کے ذوق اور

---

(۱) شرح نہج البلاغہ ج ۴ صفحہ ۷۳

اس کے سیاسی مقاصد کے لئے مفید تھیں۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ بعض تاریخی دستاویزات سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ بعض تاریخی شعائر کو مٹانے کی کوشش کرتا تھا۔ جن کو دینی اعتبار سے اہمیت اور اجتماعی اعتبار سے اثر و نفوذ حاصل تھا۔ چونکہ یہ شعائر رسول اکرم صلعم کی زندگی اور دین اسلام کی کامیابی کے لئے کئے جانے والے جہاد کے ساتھ مربوط تھے۔

ان تاریخی دستاویزات میں سے ایک یہ ہے کہ معاویہ اور "عمرو بن العاص" نے یہ آزمانے کی کوشش کی کہ قبیلۂ "اوس" و "خزرج" کے ساتھ لفظ "انصار" کو ہٹا دیا جائے جبکہ عہد رسول صلعم سے لے کر اس وقت تک یہ دونوں قبیلے اسی نام سے مشہور تھے اور قرآن کریم میں بھی مدینہ کے مسلمانوں کا ذکر آیا ہے۔ جس طرح مکہ کے مسلمان "مہاجرین" کے لفظ سے مشہور تھے۔

ان کا مقصد یہ تھا کہ لفظ "انصار" کو ہٹا کر انہیں اس کی روحانی قوت سے محروم کر دیا جائے۔

عمرو ابن العاص نے معاویہ سے کہا! اے امیر المومنین یہ انصار کا لقب کیا ہے۔ لوگوں کو ان کے نسب کی طرف منسوب کر دینا چاہیئے۔"

معاویہ نے کہا "مجھے خوف ہے کہ ہم اس کوشش میں کامیاب نہیں ہوں گے"

عمرابن العاص نے کہا "نہیں یہ صرف ایک بات کہنے تک ہے اور جب کہہ دیا جائے تو انصار پر دباؤ پڑے گا اور ان کا مقام گر جائے گا۔"

مگر خوش قسمتی سے انصار اس سازش کی طرف قبل از وقت متوجہ ہو گئے اور انہوں نے اسے ناکام بنا دیا۔

جعلی احادیث کی اقسام

معاویہ کے اس مکتب نے بہت سی مختلف احادیث گھڑی ہیں۔ ان میں سے کچھ احادیث حضرت علی علیہ السلام اور آپؑ کے اہلِ بیت کے خلاف گھڑی گئیں جس کا ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔ کچھ احادیث بنی اُمیہ کے فضائل میں گھڑی گئیں خصوصاً حضرت عثمان اور معاویہ کی شان میں۔ اور ان کو قدیسین میں شمار کیا گیا جیسا کہ ابوہریرہ نے رسول اکرم صلعم سے روایت کی ہے۔

"اللہ نے تین اشخاص کو اپنی وحی کا
امین بنایا ہے۔
مجھے، جبرئیل اور معاویہ کو۔"

دوسری روایت یہ ہے کہ حضور نے معاویہ کو ایک تیر تھمایا اور فرمایا۔

"اس کو لے لو تاکہ کل بہشت میں مجھ
سے ملاقات کر سکو۔

تیسری یہ حدیث گھڑی کہ رسول خدا نے فرمایا۔

"میں علم کا شہر ہوں۔ علیؑ اس کا
دروازہ اور معاویہ اس کا حلقۂ دروازہ ہے"

چوتھی یہ حدیث وضع کی:

"رسول خداؐ نے فرمایا۔
میرے بعد تم اختلاف و فتنہ سے دوچار
ہو جاؤ گے" کسی نے پوچھا یا رسول اللہؐ

پھر ہم کس سے رہنمائی حاصل کریں' آپ
نے فرمایا" اس کے اہل اور اس کے
اصحاب سے ہاتھ نہ اٹھائیں اور آپ
عثمان کی طرف اشارہ کر رہے تھے"۔

کچھ احادیث ایسی گھڑی گئیں. جو لوگوں کو ہر قسم کے انقلاب سے روکتی ہیں اور جن کی رو سے موجودہ صورتحال کو تسلیم کرنا، ظلم کے خلاف قیام کرنا اور ایک عادلانہ نظام کے لئے کوشش کرنا، خلاف اسلام ہے۔

ظاہر ہے اس قسم کی احادیث کا رسول اکرم صلعم کی طرف سے صادر ہونا ناممکنات میں سے ہے. لیکن عبداللہ ابن عمر نے اس قسم کی ایک حدیث یوں نقل کی ہے۔

" رسولِ خدا نے فرمایا میرے بعد حکمرانوں
کی طرف سے لوگوں میں تفریق اور ناجائز
امور صادر ہوں گے. لوگوں نے عرض کی.
یا رسول اللہ پھر اس وقت ہم کیا کریں؟
آپ صلعم نے فرمایا. حکمرانوں کا حق ادا
کریں اور اپنا حق اللہ سے مانگیں اگر
کوئی اپنے حاکم سے کوئی ناجائز کام
صادر ہوتے دیکھ لے تو اسے صبر کرنا
چاہیئے. اگر کوئی شخص ایک بالشت
کے برابر جماعت سے دور ہو جائے اور
اس حالت میں وہ مر جائے. تو

جاہلیت کی موت مرا ہے۔ عنقریب مختلف
حادثات رونما ہونے والے ہیں۔ اس
وقت اگر کوئی مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا
چاہے تو خواہ وہ کوئی بھی فرد ہو اسے
تہہ تیغ کر دیا جائے۔"

"عجاج" کہتا ہے "ابوہریرہ" نے مجھ سے کہا "تو کس جگہ کا رہنے والا ہے" میں نے کہا۔ "عراق کا" اس نے کہا "ممکن ہے شام والے تمہارے پاس زکوٰۃ لینے آئیں۔ جب وہ آئیں تو اپنی زکوٰۃ لے کر ان کے استقبال کے لئے نکلنا اور زکوٰۃ دینے کے بعد اُن سے پرے ہٹ جانا تاکہ زکوٰۃ اور ان کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔ خبردار! ان کو بُرا بھلا نہ کہنا۔ اگر تم نے بُرا بھلا کہا تو تمہیں اجر نہیں ملے گا اور تمہاری زکوٰۃ بھی تم سے وصول کر لیں گے اور اگر تم نے صبر کیا تو قیامت کے دن یہ تمہاری نیکی شمار ہو گی۔"[1]

اسی قسم کی اور بہت سی احادیث وضع کی گئی ہیں۔ جن میں مسلمانوں کو ظالم حکمرانوں کے سامنے جھکنے اور اپنے حق کا مطالبہ کرتے ہوئے نہ اٹھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس قسم کی احادیث میں اس بات پہ زور دیا گیا ہے کہ ظلم، استحصال اور تشدد پر صبر کرنا چاہیئے۔ ان چیزوں کے خلاف احتجاج کرنا دینی تعلیمات کے منافی ہے۔

کرائے کے واعظ اور محدث مسلمانوں کے دلوں اور عقلوں میں اسی قسم کی زہر فشانی کرتے تھے اور اس طرح وہ لوگوں کو ہر ممکنہ انقلاب سے باز رکھتے تھے اور اس کے

---

[1] عیون الاخبار ج ۱ صفحہ ۷

لئے خود دین کی لگام استعمال کرتے تھے۔ حالانکہ دین اس سے بری ہے۔ وہ دین ہی کے نام سے ظلم و تشدد کے خلاف احتجاج کرنے اور اپنے زندگی سدھانے کے لئے اٹھنے سے روکتے تھے۔

فرقہ مرجئہ کی بنیاد

اپنی حکومت مضبوط کرنے کے لئے بنی اُمیہ گمراہ کن سازشیں کرتے تھے۔ بنی امیہ کی گمراہ کن حرکتوں میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے مذہبی اور سیاسی فرقوں کو جنم دیا۔ جن سے بنی امیہ کے غیر اسلامی کردار کی توجیہ پیش کرنا مقصود تھا اس کی مثالوں میں سے ایک واضح مثال فرقہ مرجئہ کی بنیاد ڈالنا ہے۔

چونکہ بنی امیہ کو ایک طرف تو شیعوں کے ساتھ مقابلہ کرنا پڑ رہا تھا جو ان کو شیعوں کا قاتل اور رسولؐ کی میراث کا غاصب سمجھتے تھے اور دوسری طرف ان کا خوارج کے ساتھ مقابلہ تھا۔ جو ان کو کافر اور ان کی حکومت کے خاتمہ کے لئے قیام کرنا واجب سمجھتے تھے۔ یہ دونوں فرقے اپنے اپنے موقف میں مضبوط دلائل پیش کرتے تھے۔ جن کا بنی امیہ کے پاس کوئی توڑ نہیں تھا۔ اس لئے انہوں نے فرقہ مرجئہ کی بنیاد رکھی۔ اس فرقہ سے شیعہ اور خوارج کے دلائل کا جواب دیا اور سیاسی اور دینی میدانوں میں ان کا مقابلہ کیا۔

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ معاویہ نظریہ جبر اور مذہب مرجئہ کا اظہار کرتا تھا اور اسی لئے "معتزلہ" نے اسے کافر قرار دے دیا۔

فرقہ مرجئہ ایمان کو صرف قلبی اعتقاد سے عبارت سمجھتا ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ کوئی بھی گناہ ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ جیسا کہ کفر کے ساتھ کوئی

نیکی فائدہ نہیں دے سکتی۔

اس فرقے کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ ایمان امرِ قلبی ہے۔ اگر کوئی شخص قلباً مومن ہو تو وہ زبان سے اعلانِ کفر کرے۔ بت پرستی کرے یا اسلامی مملکت میں رہتے ہوئے یہود و نصاریٰ کا کردار اپنائے اور اسی حالت میں مرجائے تو وہ اللہ کے نزدیک کامل الایمان مومن ہے اور اللہ اسے جنت میں جگہ دے گا۔[1]

اس قسم کے عقیدے کا منطقی نتیجہ یہ ہوا کہ بنی امیہ کتنے ہی گناہ اور جرم کے مرتکب ہونے کے باوجود مومن اور مسلمان ہی ثابت ہوئے۔[2]

اس کا دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ فرقہ مرجیہ بنی امیہ کی حکومت کے خاتمے کے سلسلے میں خوارج اور شیعوں کی مخالفت کرتا تھا۔ کیوں کہ ان کے عقیدے کے مطابق بنی امیہ کی حکومت اسلامی اور شرعی حکومت تھی۔ جس کی مخالفت کسی صورت میں جائز نہیں ہے مرجیہ کا عقیدہ یہ تھا کہ خلفاء بنی امیہ اپنے اعمال و کردار کو اگر اسلامی تعلیمات کے مطابق نہیں ڈھالتے تو یہ چیز ان کو اسلامی حکومت کے سربراہ اور اولی الامر ہونے سے محروم کر دینے کا باعث نہیں بن سکتی۔[3]

فرقہ مرجیہ نے ان افکار کو مسلمانوں میں پھیلایا تاکہ وہ ان افکار کے ذریعے لوگوں کے افکار منحرف کر دیں اور بنی امیہ کے مخالفین کے ساتھ تعاون نہ کریں۔

بنی امیہ ہر دینی دعوت دینے والے کو مٹانے کی کوشش کرتے تھے۔ کیونکہ یہ

---

[1] الفصل فی الملل والنحل ج ۴ صفحہ ۲۰۴

[2] تاریخ العرب ج ۲ صفحہ ۲۱۶

[3] جب یزید ابن عبدالملک ابن مروان خلافت کی کرسی پر متمکن ہوا۔ تو اس نے اپنے

دعوت ان کے مفاد کے خلاف ہوتی تھی۔ فرقۂ مرجیہ کے ساتھ ان کا رویہ اس سے مختلف۔ وہ اس فرقے کو اپنی پناہ میں رکھتے اور ان کے سربراہان کو مقام دیتے تھے۔ کیونکہ اس فرقے کی بنیاد خود معاویہ نے اپنے ہاتھوں سے رکھی تھی ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ معاویہ مذہب جبر اور عقیدۂ مرجیہ کا حامی تھا۔ یہ بات اپنی جگہ واضح ہے کہ مرجیہ کا بنی امیہ کی حمایت کرنا ان لوگوں کے منطق کے عین خلاف ہے جو علویین کی حمایت کرتے ہیں۔ چنانچہ درج ذیل اشعار مرجیہ کے بارے میں شیعوں کے نظریہ پہ روشنی ڈالتے ہیں۔

حاشیہ صفحہ ۱۰۰ سے آگے، ہاتحتوں سے کہا کہ عمر ابن عبدالعزیز کی سیرت پر عمل کریں۔ اس کے چالیس روز بعد اس نے چالیس بزرگوں کو جمع کیا اور ان لوگوں نے گواہی دی کہ خلفا کیلئے کوئی حساب ہے نہ عذاب۔ (تاریخ ابن کثیر، ج ۹ صفحہ ۲۳۲) اور تاریخ طبری ج ۶ صفحہ ۵۹۳ میں ہے کہ مرجیہ کا ایک گروہ ابورؤبۃ نامی شخص کی سربراہی میں یزید بن مہلب بن ابی صفرہ کے ساتھ ہو گیا جو یزید بن عبدالملک بن مروان کے خلاف قیام کرنا چاہتا تھا اور جب مسلمہ بن عبدالملک ان کی سرکوبی کے لئے آیا اور یزید ابن مہلب نے لوگوں کو جنگ کرنے پر آمادہ کیا تو ابورؤبۃ نے کہا، ہم نے ان کو کتاب خدا اور سیرت نبی کی طرف دعوت دی ہے اور بزعم خود اس دعوت کو قبول کرتے ہیں لہذا ہمارا مکر و حیلہ سے کام لینا اور ان کے ساتھ برا سلوک کرنا جائز نہیں ہے۔ یزید ابن مہلب نے کہا افسوس ہو تم پہ کہ تم کس طرح تصدیق کرتے ہو کہ بنی امیہ کتاب خدا اور سیرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پہ عمل کرتے ہیں۔ جبکہ انہوں نے روز اول سے احکام الہٰی کو پامال کیا ہے۔ فرقہ مرجیہ نے کہا ہم ان کے ساتھ جنگ نہیں کریں گے جب تک وہ اپنے عقائد کا انکار نہ کر دیں۔

ان المرجی سرّك اُن تراه | یموت بدائه من قبل موته
فجدّد عنده ذکری علی | وصلّ علی النبیّ وآل بیته

ترجمہ: اگر آپ یہ چاہیں کہ مرجیۂ کے
پیروکاران اپنی موت سے پہلے
ہی مر جائیں تو ان کے سامنے
علیؑ کا زیادہ ذکر کرو اور رسولِ اکرمؐ
اور آپؐ کے اہلِ بیت پہ درود بھیجو۔[1]

نظریۂ جبر کی ترویج

اس کے علاوہ بنی امیہ نے اپنی حکومت کی پائیداری اور ہر ممکنہ انقلاب کے سدباب کے لئے ایک دوسرا گمراہ کن سلسلہ شروع کر دیا اور وہ تھا عقیدہ جبر کی ترویج۔

بنی امیہ کو "قدری" عقیدے سے بڑا خوف لاحق تھا جن کا نظریہ یہ تھا کہ انسان خودمختار اور آزاد ہے اور انسان اپنی زندگی میں جس قسم کا کردار اپنائے وہ اپنے اختیار و ارادے سے ہوتا ہے چونکہ وہ اپنے کردار میں آزاد ہے اس لئے وہ اپنے افعال کے بارے میں جواب دہ بھی ہے۔ چونکہ جواب دہی آزادی کا ایک فطری نتیجہ ہے۔

یہ عقیدہ بنی امیہ کے لئے بہت بڑے خطرے کا الارم تھا کیونکہ وہ اپنی

---

[1] فجر الاسلام صفحہ ۲۷۹، ۲۸۲، ۲۹۱، ۲۹۴، ضحی الاسلام ج ۳ صفحہ ۳۱۶، ۳۲۹
العقیدہ والشریعہ فی الاسلام صفحہ ۷۵، ۷۷، ۲۹۵ حاشیہ نمبر ۲۰

قوم سے خائف بھی تھے۔ اسی لئے انہوں نے اس عقیدے کو دبانا اور اس کی دعوت دینے والوں پر تشدد کرنا شروع کر دیا اور اس کے توڑ کے لئے عقیدہ جبر کو ابھارا کیوں کہ ان کا عقیدہ جبر ان کی سیاست کے مطابق تھا کیونکہ اس عقیدہ جبر کی روشنی میں بنی امیہ اور ان کا کردار خواہ کتنا ہی ظالمانہ کیوں نہ ہو۔ یہ سب تقدیر الٰہی کے مطابق ہے جو ناقابلِ تغیر و تبدل ہے اس کے خلاف قیام اور انقلاب کرنا بے سود ہے۔ اس لئے معاویہ نظریۂ جبر کا اظہار کرتا تھا اور اسی سے اپنے اعمال کے لئے جواز پیش کرتا تھا۔ چنانچہ وہ لوگوں میں یہ اعلان بھی کرتا تھا کہ یہ سب کچھ تقدیر کے مطابق ہو رہا ہے۔ جس میں تبدیلی ناممکن ہے اور ساتھ یہ کہ اس کے حاکم ہونے کی وجہ سے کوئی بھی برا عمل بجا لانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

معاویہ نے اپنے والیوں کو حکم دیا تھا کہ وہ ان افکار و عقائد کو مسلمانوں میں پھیلائیں اور ان کے لئے تمام پروپیگنڈا مشینری کو حرکت میں لائیں۔ چنانچہ اس نے اس مقصد کے لئے "داستان ساز" افراد سے بھی استفادہ کیا " لیث ابن سعد" کہتے ہیں:۔

"خاص قسم کی داستانیں معاویہ نے ایجاد کی ہیں۔ جس نے اسی کام کے لئے ایک شخص کو مقرر کیا کہ وہ ہر روز نماز صبح کے بعد بیٹھ جائے اور اللہ کی حمد و ثناء اور رسول صؐ پر درود بھیجنے اور خلیفہ، اس کے خاندان درباریوں اور فوجیوں کے لئے

دعا کرنے کے بعد خلیفہ کے دشمن

اور مشرکین سے بیزاری کا اظہار کرے"۔[۱]

نیز معاویہ نے ایک آدمی کو نماز صبح اور مغرب کے بعد داستان گوئی کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔ جس میں معاویہ اور اہل شام کے لئے دعا کی جاتی تھی۔

یہ دعائیں، داستان گوئی سے قبل تمہیداً مانگی جاتی تھیں۔

معاویہ جیسے آدمی پر یہ بات پوشیدہ نہ تھی کہ عقیدۂ جبر سے اس کا کتنا مفاد وابستہ ہے۔ وہ اور بنی امیہ کے باقی افراد بخوبی جانتے تھے کہ مسلمانوں کے لئے وہ ناقابل تحمل ہیں اور یہ بھی جانتے تھے کہ مسلمانوں میں سے اکثریت کی نگاہ میں وہ غاصب ہیں اور جبراً اقتدار پر مسلط ہو گئے ہیں اور آلِ رسول کے دشمن اور بے گناہ مقدس ہستیوں کے قاتل ہیں اور اگر کوئی دینی عقیدہ ان کے خلاف قیام کرنے سے انہیں باز رکھ سکتا ہے تو وہ عقیدۂ جبر ہے۔ اس عقیدے کے تحت وہ لوگوں کو یہ بتاتے تھے کہ اللہ نے روزِ ازل میں ہی یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ حکومت خاندان بنی امیہ کے ہاتھ میں آنے والی ہے لہذا ان کے اعمال و کردار اسی تقدیرِ الٰہی کا نتیجہ ہیں۔ اسی وجہ سے لوگوں کے ذہنوں میں اس قسم کے عقائد کا راسخ ہو جانا بنی امیہ اور ان کی حکومت کے لئے نہایت مفید تھا۔

ڈاکٹر احمد امین اپنی کتاب "ضحی الاسلام" ۳/۸۱ میں لکھتے ہیں کہ بنی امیہ اس نظریے کی مخالفت کرتے تھے کہ انسان اپنے عمل میں خود مختار ہے یہ نظریہ

---

[۱] فجر الاسلام ۱۵۹

[۲] فجر الاسلام صفحہ ۱۶۰

صرف دینی اعتبار سے نہیں بلکہ سیاسی اعتبار سے بھی ان کے لئے مفید تھا۔ نظریۂ جبر کی رو سے اللہ تعالٰی ہی ان امور کو چلاتا ہے اور جسطرح کائنات کی ہر چیز اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ بنی امیۃ کی حکومت کو بھی اللہ ہی نے لوگوں پر مسلط کیا ہے اور ان کی حکومت اللہ کے مقرر کردہ قضاو قدر کے تحت قائم ہے۔ لہذا اللہ کی قضاو قدر کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔

گمراہ کن اشعار

اس نظریے کی تائید کے لئے دینی عوامل کے علاوہ اشعار سے بھی فائدہ اٹھایا گیا اور بقول "بروکلمن" معاویہ اس بات پر قادر تھا کہ وہ اپنے معاصر شعراء سے اپنی حکومت کے مفاد میں رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے مدد لے۔ معاویہ اور اس کے بعد آنے والے خلفاء ایسے شعراء کے اشعار سنتے۔ جن میں وہ بنی امیۃ کی حکومت کو تقدیر و مشیت الہی کا نتیجہ ثابت کرتے تھے، تاکہ کوئی مسلمان ان کے خلاف قیام نہ کر سکے۔

مثلاً بنی امیۃ کے شاعر "اخطل" کے نزدیک معاویہ ایک بادشاہ نہیں ہے جیسا کہ ایک وقت خود معاویہ غلطی سے اپنے آپ کو بادشاہ سمجھتا تھا، بلکہ "اخطل" کے نزدیک معاویہ خلیفہ خدا ہے اور جو کامیابی معاویہ کو نصیب ہوئی وہ طبعی علل و اسباب کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ اللہ کا فیصلہ ہے۔ چنانچہ "اخطل" کہتا ہے:۔

الی امرئ لاتعدینا نوافلہ — اظفرہ اللہ فلیھنأ لہ الظفر

الخائض الغمر والمیمون طائرہ — خلیفۃ اللہ یستسقی بہ المطر

ویوم صفین والابصار خاشعة
امدهم اذ دعوا من ربهم مدد
علی الاولی قتلوا عثمان مظلمة
لم ینههم نشد عنه وقد نشدوا[1]

یہ بات ذہن میں رہے کہ اس زمانے کے دوسرے شعراء کی طرح "اخطل" کے نزدیک بھی فضیلت کا معیار وہی جاہلیت کا معیار تھا جو حسب ونسب کے اعتبار سے ہوا کرتا ہے نہ کہ تقوی اور اطاعت سے اور کامیابی کا راز شجاعت طاقت اور اکثریت میں مضمر ہوتا ہے نہ اللہ کی طرف سے۔

لہذا ان اشعار میں دین و مذہب کا جو دم بھرتا ہے اور صوفیوں کی طرح اللہ اللہ کرتا ہے یہ "اخطل" کی اپنی ذاتی فکر و عقیدہ کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ باتیں اس نے اپنے ممدوح (معاویہ) کے اشارے پر کی ہیں یا ان لوگوں کے اشارے پر یہ باتیں کی ہیں جنہیں معاویہ نے لوگوں میں ایسے نظریات پھیلانے پر مامور کر رکھا تھا۔ یہ کام خواہ احادیث کے ذریعہ ہو یا اشعار کے ذریعہ۔

"مسکین دارمی" نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کے سلسلہ میں کہا۔

الا لیت شعری ما یقول بن عامر
ومروان ام ماذا یقول سعید

---

[1] بنی امیہ کو اللہ نے فضیلت دی ہے جبکہ دوسری قوموں کی کوششیں ضائع گئی ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں کہ حالت جنگ میں جن کی دعاؤں کو اللہ نے قبول کیا ہے۔ اور صفین کے دن جب نگاہیں جھک گئی تھیں اللہ سے مدد مانگی تو اللہ نے ان لوگوں کی مدد فرمائی جنہوں نے عثمان کو ظلم سے قتل کیا تھا اور اسکے قتل کے سلسلہ میں انہوں نے کسی کی بات پر توجہ نہ دی تھی۔

ترجمہ: معاویہ ایک ایسی شخصیت ہے
کہ جس کی بخششوں سے ہم محروم نہیں
ہیں۔ خدا نے اس کو کامیاب بنایا ہے
یہ کامیابی اسے مبارک ہو
وہ مشکلات سے ہراساں نہ ہونے
والا نیک بخت انسان ہے۔ وہ خلیفہ
خدا ہے۔ جس کے وسیلہ سے بارشیں
مانگی جاتی ہیں۔ یعنی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

"اخطل" کی نظر میں بنی امیہ جاہلیّت کے دوران اپنی کسی قابلِ فخر تاریخ سخاوت یا بزرگواری اور شجاعت کی وجہ سے دوسروں سے افضل نہ تھے بلکہ اللہ نے انہیں فضیلت دی ہے۔ ایسی سوچ کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ بروز صفین نیزوں پر قرآن اٹھانے کی جو مکاری عمرو بن العاص نے کی۔ وہ بھی اس کی مکاری کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ یہ بھی الہام الٰہی تھا۔ یہ اللہ ہی کی منشا تھی کہ خون عثمان کے بہانے سے بنی امیہ کو تخت حکومت تک پہنچایا۔ چنانچہ "اخطل" انہی خیالات فاسدہ کا ان اشعار میں یوں اظہار کرتا ہے۔

تمت جدودهم والله فضلهم
وجد قوم سواهم خامد نكد
هم الذين اجاب الله دعوتهم
لما تلاقت نواصي الخيل واجتلدوا

بنی خلفاء اللہ مہلا فانما
یبوئہا الرحمن حیث یرید
اذا المنبر الغربی خلاہ ربہ
فان امیر المومنین یزید[1]

جیسا کہ نظریۂ جبر سے بنی امیہ کے اعمال و کردار کا جواز پیش کیا جاتا تھا۔ بالکل اسی نظریہ سے اس وقت بھی کام لیا جاتا تھا جب حکام کے ظلم و جور سے تنگ آ کر لوگ ان کے خلاف قیام کرنا چاہتے تھے۔

اسلامی معاشرے پر معاویہ کی سیاست کا اثر

جیسا کہ اس سے پہلے ذکر ہو چکا کہ تشدد، دباؤ اور استحصالی سیاست نے لوگوں کے دلوں سے جذبۂ آزادی کی روح ختم کر دی تھی اور لوگوں کو ذلت و خواری کی زندگی پر آمادہ کر دیا تھا۔ اس خوف سے کہ کہیں اس سے بدتر زندگی گزارنے کی نوبت نہ آجائے۔ یہ بھی ہم نے بتا دیا کہ قبائلی تعصب نے مسلمانوں کو ان مقاصد تک پہنچنے ہی نہ دیا۔ جن تک جانے کی اسلامی تعلیمات نے ترغیب دی تھی۔ بلکہ وہ قبائلی حدود میں بند چھوٹی باتوں میں الجھتے رہے۔

ان دونوں انفرادی و اجتماعی عوامل، خوف اور قبائلی تعصب نے مسلمانوں کو کسی انقلابی عمل سے باز رکھا اور محرومیت اور نکبت کی زندگی گزارنے پر مجبور کر

---

[1] ان اشعار کا ترجمہ پچھلے صفحات میں گزر گیا ہے۔

[2] احمد امین۔ ضحی الاسلام ۳/۸۱/۸۲۔ العقیدہ والشریعۃ فی الاسلام ۸۵-۸۷

دیا۔ یہ دونوں عوامل مسلمانوں کو موجودہ حالات پر صبر کرنے پر شاید آمادہ نہ کر سکتے تھے۔ کیونکہ مسلمان باطنی طور پر بنی امیہ کی حکومت کے خلاف قیام نہ کرنے، سکوت اختیار کرنے اور موجودہ معاشرے کو آلودگیوں سے پاک کرنے میں کام نہ کرنے کو گناہ سمجھتے تھے، اور قبائلی تعصب کی چار دیواری کو پھلانگنے کے لئے شاید یہی داخلی احساس کافی ہے۔

مگر سیاست امویہ کے تیسرے کالم یعنی مذہب ہی کو مذہب کے خلاف استعمال کرنے سے اس وقت کے اجتماعی اور دینی مخدوش حالات کی توجیہ ہو جاتی ہے اور مسلمان اس پر اعتراض کرنے اور حالات کو درست کرنے کے لئے کوشش کرنے سے گریز کرتے تھے اور معاشرے کے ضمیر میں گناہ کا شعور ہی ختم ہو گیا تھا۔ جبکہ یہی شعور اگر زندہ ہوتا تو ایک انقلاب کے لئے بنیاد بن سکتا تھا اور جب یہ شعور مردہ ہو جاتا ہے تو معاشرے پر موت کی سی خاموشی چھا جاتی ہے۔

یہ دونوں انفرادی اور دینی عوامل، موجودہ حالات کو تسلیم کرنے پر مجبور کرتے ہیں اور اجتماعی عامل بھی سابقہ دونوں عوامل کے لئے ممد و معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ یہاں سے حکمران سکون و اطمینان کا سانس لیتے تھے کہ اب کسی مخالفت سے دوچار ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔

دورخی

یہ ان لوگوں کا حال تھا جو بنی امیہ کے دینی دھوکے میں آئے تھے اور جو لوگ بنی امیہ کے دامِ فریب میں نہیں آتے تھے ان کا حال بھی نہایت ہی ناگفتہ بہ تھا اور یہ لوگ ان حالات کے تحت دورخی اختیار کرتے تھے، معاویہ کی مالی سیاست

اس کے مکر و فریب اور ہتھتے عوام پر ہونے والے مظالم کی وجہ سے لوگ دو رخی اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے، اور حق گوئی اختیار کرنے کی بجائے وہ دنیائے معاویہ سے استفادہ کرنے کے لئے اپنے عقیدے کے خلاف باتیں کرتے تھے اور اس طرح اپنے قبائلی سردار کے حکم کی تعمیل کر کے اپنی دیرینہ رسم بھی پوری کرتے تھے۔ ان حالات کی وجہ سے وہ حق اور حقیقت کو سمجھنے کے باوجود اس کو چھپاتے تھے اور حکومت کی حمایت کا اظہار کیا کرتے تھے۔ جس سے دوغلے پن اور منافقت کی سنت وجود میں آئی اور یہی وہ نفاق اور دو رخی ہے۔ جس سے ان لوگوں کے ضمیر انقلابی عمل سرانجام دینے کا عہد کرتے تھے۔ مگر خواہشات کا انسان اس ضمیر پہ غالب آجاتا تھا۔

اس نفاق و دو رخی کا نقشہ "فرزدق" نے اس وقت حضرت امام حسینؑ کے سامنے کھینچا۔ جب اس نے امام عالی مقام سے راہِ کوفہ میں ملاقات کی اور جب امام علیہ السلام نے اہل کوفہ کا حال پوچھا تو "فرزدق" نے عرض کیا قلوبھم معك وسیوفھم علیك ان کے دل تو آپ کے ساتھ ہیں مگر تلواریں آپ کے خلاف ہیں۔

معاویہ کی سیاست نے اسلامی معاشرے کو ذلت و خواری سے دوچار کر دیا اور لوگوں کو قعرِ مذلت میں گرا دیا اور زندگی کا مقصد بھی ان سے چھین لیا۔ وہ مسلمان جو پوری انسانیت کا درد سینے میں رکھتے تھے اور دوسروں کے دکھ درد کو کم کرنے کے لئے ہمیشہ سعی و کوشش میں رہتے تھے ان کو معاویہ کی سیاست نے قبیلہ پرست بنا کر اپنے ہی قبیلے کے محدود دائرے میں مقید کر دیا اور عیناً زمانہ جاہلیت کی طرح ان کے مفادات قبائلی اختلافات تک محدود ہو

کر رہ گئے۔ ان کی شخصیتیں قبائلی چار دیواری کو پھلانگ کر دوسرے میدانوں میں نہ ابھر سکیں۔ دورِ جاہلیت میں بھی یہی چیز کارفرما تھی جو دورِ معاویہ میں دوبارہ زندہ ہو گئی۔

وہ مسلمان جو اپنے ایمان و عقیدے کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے زندگی بسر کرتے تھے۔ دوسرے انسانوں کو ظلم و ستم سے نجات دلانے اور ان کی سلب شدہ انسانی اقدار واپس دلانے میں مصروف جہاد رہتے تھے۔ معاویہ کی سیاست نے ان لوگوں کی زندگی کو ایک بے مقصد و بے عقیدہ بنا دیا۔ اس نے انہیں خواہشات کے اسیر اور وقتی مفادات کا قیدی بنا دیا جو ہر روز اپنا رنگ بدلتے تھے۔

وہ مسلمان جن کے نزدیک انفرادی مفاد سے زیادہ اجتماعی مفادات اہم تھے۔ اور اگر معاشرے کو کوئی خطرہ لاحق ہوتا تو وہ اپنی جان نثار کر دیتے۔ ان کو معاویہ کی سیاست نے ایسا ذاتی اور مفاد پرست بنا دیا۔ خواہ یہ مفاد کتنی ہی ذلت، ننگ و عار کے ساتھ ہی کیوں نہ وابستہ ہو۔

وہ مسلمان جو ظلم و ستم کے دشمن ہر جارح کے مقابلے کے لئے اٹھ کھڑے ہونے والے خود بھی ظلم سے نفرت کرنے اور عدل و انصاف کے ساتھ پیش آنے والے تھے اور جو دوسروں پر سے ظلم وجور کو ختم کرنا چاہتے اور عدل و انصاف کے داعی تھے۔ ان کو معاویہ کی سیاست نے ایک ایسا انسان بنا دیا کہ اگر وہ کسی طاقتور کے ہاتھوں مظلوم نہ بنتے تو خود ظالم بننے کی کوشش کرتے۔

وہ مسلمان جو بخوبی جانتے تھے کہ اسلام مسلمانوں کو ظالم حکمرانوں کی غلامی قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتا ان کو اس سیاست نے ایسے انسان بنا دیا جو ظالموں کی پشت پناہی کرتے ہیں۔

وہ مسلمان جو تشدد اور استحصالی سیاست کے خلاف قیام کرنا واجب سمجھتے تھے۔ ان کو اس سیاست نے ایسے افراد میں بدل دیا جو انقلابی افراد کیخلاف لڑتے ہیں۔

مسلمانوں کی تاریخ کا یہ عرصہ ایسے شواہد پر مشتمل ہے۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں ایک واضح انحراف رونما ہو چکا تھا۔ اگر ہم حضرت عثمان کی سیاست کے خلاف لوگوں کے قیام اور معاویہ کی سیاست پر لوگوں کی خاموشی کا جائزہ لیں تو یہ بات عیاں ہو کر سامنے آتی ہے کہ معاویہ کی سیاست نے اسلامی معاشرے کو کس قدر منحرف کر دیا تھا۔

مسلمانوں نے حضرت عثمان کی سیاست کے خلاف ایک عمومی اور انقلابی رد عمل کا مظاہرہ کیا۔ یہ وہ انقلاب تھا۔ جس میں مدینہ، مکہ، کوفہ، بصرہ، مصر، دیگر شہروں اور دیہاتوں کے رہنے والوں نے شرکت کی۔

جبکہ معاویہ کے زمانے میں ظلم و تشدد اور قتل عام کئی گنا زیادہ تھا اور لوگوں کو اپنے حقوق و مال و دولت سے محروم رکھنے کا سلسلہ زیادہ نمایاں تھا۔ اس کے باوجود معاویہ کے اس غیر انسانی کردار کے خلاف کوئی اجتماعی قیام عمل میں نہ آیا۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف معاویہ کے خلاف کوئی قیام دیکھا نہیں گیا بلکہ تمام لوگ آنکھیں بند کر کے معاویہ کے مطیع و فرمانبردار تھے۔

البتہ کبھی کبھار ادھر ادھر سے اعتراضات اٹھتے تھے۔ جیسے "حجر ابن عدی" "عمرو ابن حمق خزاعی" جیسے افراد نے آوازِ احتجاج بلند کی۔ جس سے اس بات کا عندیہ ملتا ہے کہ اس وقت کا معاشرہ ظلم و جبر کی چکی میں پس رہا تھا مگر اس قسم

---

[1] کامل ابن اثیر ج ۳ صفحہ ۲۳۳

کی آوازیں اس قدر نحیف تھیں جو اپنے مقصد تک پہنچے بغیر خاموش ہو جاتیں وقت کے حکمران ان کو شہید کر دیتے اور اس قسم کی جنبشوں کو اپنے ابتدائی مرحلے میں ہی مٹا دیتے۔ اگر کسی نے کوئی انقلابی آواز اٹھانے کی کوشش بھی کی تو اسے سکوت اختیار کرنے کا معاوضہ دے کر خاموش کرا دیا جاتا[۱]

جب مسلمان حکمرانوں نے اسلام سے انسانی اقدار کو نکال لیا اور اسلام کو ایک خاص لوٹے کے مفاد میں استعمال کیا تو حضرت علیؑ ان کے فرزندوں اور انؑ کے اصحاب نے اسلام کا دفاع اور اس کو ہر شر اور تحریف سے بچانے کے لئے اپنا جہاد شروع کر دیا۔

حضرت علیؑ کی پوری زندگی جہاد پر مشتمل رہی اور جب شہید ہوئے تو اس میدان میں اپنے فرزند حضرت امام حسن علیہ السلام کو چھوڑ گئے۔ مسلم معاشرے کے انفرادی اور اجتماعی حالات نے آپؑ کو بنی امیہ کے خلاف قیام کرنے پر مجبور کیا اور آپؑ اسی راہ میں شہید ہو گئے۔

اور حسینؑ تنہا رہ گئے۔

آپ (حضرت امام حسینؑ) نے وہ سازشیں بھی دیکھیں جو دشمنانِ اسلام بیگانوں، انتقام جوں، کینہ پروروں اور وقتی مفاد کے پرستاروں نے اسلام اور اس کے انسانی اصولوں کے خلاف کیں۔ آپؑ نے ان سازشوں کا اپنے والد بزرگوار اور اپنے بھائی امام حسن علیہما السلام اور ان کے اصحاب کے زمانے

---

[۱] چنانچہ مالک بن ہبیرہ سکونی حجر ابن عدی کے انتقام کے لئے قیام کرنا چاہتا تھا لیکن معاویہ نے اس کو ایک لاکھ درہم دے کر خاموش کرا دیا۔

ین مشاہدہ کیا اور پھر بعد میں اپنے بھائی اور وہ اصحاب جو بنی امیہ کی تلوار سے بچے ہوئے تھے ان کے ساتھ بھی ان سازشوں کا مشاہدہ فرمایا۔

لیکن اب حسینؑ اس میدان میں تنہا رہ گئے۔

آپؑ کو معاویہ کی حکومت کے تشدد کا سامنا تنہا کرنا پڑ رہا تھا آپ دیکھ رہے تھے کہ امتِ مسلمہ جس مقصد کے لئے وجود میں آئی تھی اس سے منحرف ہو رہی ہے اور امت کی زندگی کو کس طرح بے مقصد بنایا جا رہا ہے اور اس امت کا وجود صرف لقمۂ عیش میں منحصر کیا جا رہا ہے جس کے لئے مسلمان اپنی زندگی، آزادی، اپنے ضمیر اور انسانیت کو ظالم حکمرانوں کے ہاتھ بیچ رہے ہیں۔

حضرت امام علیہ السلام نے معاویہ کے طریقہ کار کو دیکھا، اس کی تسلسل بری دیکھی، جس نے امت مسلمہ کو اس بری حالت میں مبتلا کر دیا اور آپؑ نے مشاہدہ فرمایا کہ معاویہ لوگوں کو کس طرح ملک بدر کر رہا ہے۔ مسلمانوں کو فقر و فاقہ کا شکار بنا رہا ہے اور ان پر ظلم و تشدد کا ہر حربہ استعمال کر رہا ہے اور صرف اس لئے کہ وہ بنی امیہ کی سیاست سے اختلاف رکھتے تھے۔ آپ نے مشاہدہ کیا کہ حکومت اپنے سیاسی مفاد کے لئے اسلام اور اس کے انسانی اصولوں میں کس طرح تحریف کر رہی ہے۔ اللہ و رسولؐ پر کس طرح جھوٹ باندھ رہی ہے اور اس کا بھی بہت نزدیک سے مشاہدہ فرمایا کہ نژادی اور قبائلی تعصبات کو ہوا دے کر اسلامی معاشرے کو کس طرح بگاڑا جا رہا ہے۔

بنی امیہ نے امام حسینؑ سے چاہا کہ وہ اس کے سامنے جھک جائیں تاکہ پوری امت ان کے کنٹرول میں آ جائے اور بلا خوف و خطر وہ اپنی سیاست نافذ کر دے۔ اس بات کا ارادہ معاویہ ابن ابی سفیان نے کیا، جب اس نے اپنے بیٹے

یزید کے لئے ولی عہدی کی بیعت لینے کی کوشش کی اور اس مقصد تک پہنچنے کے لئے اس نے کبھی تشدد اور کبھی نرمی سے کام لیا۔[1]

یہی اقدام بعد میں یزید نے بھی کیا۔ لیکن حضرت امام حسینؑ نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا کیوں کہ وہ اپنی اس عظیم اور تاریخی ذمہ داری سے آگاہ تھے جس کی رو سے انہیں ایک ایسا انقلاب برپا کرنا تھا۔ جس سے اس امت کا ضمیر جاگ جائے۔ جسے ظالموں کے آگے جھکنے کی عادت پڑ چکی تھی۔

وہ معاشرہ جو ایک عرصے تک اموی سیاست کے زیر اثر رہا۔ صرف باتوں سے اس کی اصلاح ناممکن تھی۔ مردہ انسانوں، بے جان دلوں اور باضمیر لوگوں کو صرف باتوں سے راہ راست پہ لانا ممکن نہ تھا۔ اس بے شعور معاشرے کیلئے ایک ایسی مثال قائم کرنے کی ضرورت تھی جو اسے ہلا کر رکھ دے تاکہ اس گندی ثقافت کو جس نے اس امت کی تقدیر کو تاریک کر دیا تھا، جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے۔ ان ناگفتہ بہ حالات نے حضرت امام حسینؑ کو اپنی تاریخی ذمہ داری انجام دینے اور اپنا مشن آگے بڑھانے پر آمادہ کیا۔ یہ ذمہ داری ایک ایسے انقلاب کی متقاضی تھی جو کروڑوں انسانوں کے جذبات کی ترجمانی کرے اور انہی کروڑوں انسانوں کو بھی ہلا کر رکھ دے اور ظالموں سے ٹکرانے کے لئے ایک مشعل راہ بن جائے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور انقلاب حسین علیہ السلام وجود میں آ گیا۔

---

[1] الکامل ج۳ صفحہ ۲۴۹، ۲۵۲

حصہ دوم

انقلاب ـــــ اور اس کے علل و اسباب

" میں نے اپنی ہوا و ہوس اور کسی مفاد
کے تحت قیام نہیں کیا، میرا مقصد
ظلم و فساد نہیں ہے میں اپنے جد کی
امت کی اصلاح چاہتا ہوں، میرا مقصد
امر بمعروف و نہی از منکر ہے اگر کوئی
شخص میری اس دعوت کو حق ہونے
کی بنا پر قبول کرتا ہے تو خدا ہمیشہ
سے حق کا مددگار ہے اور اگر کوئی
میری دعوت کو قبول نہ کرے تو میں

صبر و تحمل سے کام لوں گا تاکہ خدا میرے
اور اس قوم کے درمیان فیصلہ کر دے۔
(حضرت امام حسین علیہ السلام)

امام حسین علیہ السّلام نے دورِ معاویہ میں کیوں قیام نہیں فرمایا

معاویہ کے زمانے میں بھی بنی امیہ کی حکومت کے خلاف قیام کرنے کا جواز موجود تھا جس سے امامؑ بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ خود امام حسینؑ نے ان خطوط میں اس بات کا اظہار فرمایا ہے جو معاویہ کو آپ نے لکھے تھے اور یہ بہت سے ہے ان میں سے چند کا ذکر ہم یہاں کرتے ہیں۔ امامؑ نے ایک خط میں معاویہ کو لکھا۔

"اے معاویہ! صبح کی روشنی نے جلوۂ آتش کو ختم کر دیا اور آفتاب کی شعاعوں نے چراغ کی روشنی مدھم کر دی۔ تم نے اپنی برتری ثابت کرنے کے لئے مبالغہ سے کام لیا ہے اور لوگوں کا مال چھین کر تم نے ان پر ظلم کیا ہے اور لوگوں کو ان کے حق سے محروم کر دیا ہے۔ تم نے اپنے آپ کو اس قدر بے لگام کیا کہ تم تمام حدود پھلانگ گئے۔ تم نے حق دار کو حق نہ دیا۔ تو اس کے نتیجے میں شیطان کو پورا

حق مل گیا ہے لہ

امام علیہ السلام اپنے ایک اور تاریخی خط میں لکھتے ہیں :

" اما بعد۔ تمہارا خط ملا تم نے لکھا تھا کہ میرے
بارے میں تم تک ایسی خبریں پہنچی ہیں
جو بزعم خود میرے لئے زیب نہیں
دیتیں اور تیرے نزدیک یہ باتیں
میرے شایانِ شان نہیں ہیں۔ یہ
بات ذہن میں رہے کہ نیکی کی ہدایت
صرف اللہ ہی دیتا ہے اور وہ باتیں
جو میرے بارے میں تم تک پہنچی ہیں۔
وہ بالکل بے بنیاد ہیں۔ جو سخن چینی
کرنے والوں تفرقہ اندازوں اور
اختراع پردازوں کی خود ساختہ ہیں۔
نہ میں نے تمہارے خلاف جنگ کرنے
کی تیاری کی ہے اور نہ تمہارے خلاف
قیام کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ یہ باتیں
تمہارے خوف اور تم سے عذر خواہی
کے ڈر یا تمہارے ظالم، ملحدین اور
بے دین ساتھیوں کے ڈر کی وجہ
سے نہیں کہہ رہا ہوں۔ بلکہ خوفِ خدا

کی وجہ سے۔

کیا تم "حجر ابن عدی" اور اس کے ساتھیوں جو نمازی اور عبادت گزار تھے، کے قاتل نہیں ہو؟ جن کا گناہ صرف یہی تھا کہ انہوں نے ظلم و بدعت کا مقابلہ اور امر بالمعروف و نہی از منکر کیا اور راہ خدا میں کسی کی پرواہ نہ کی اور اس کے باوجود تم نے ظلم و ستم سے شہید کر دیا جبکہ ان کو امان دی جا چکی تھی اور گذشتہ واقعات کے تحت ان کو اذیت نہ دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود تم نے ان کے خون سے ہاتھ رنگے۔

کیا تم رسولؐ کے صحابی "عمرو ابن حمق" کے قاتل نہیں ہو؟ کیا اس بندہ صالح کو تم نے امن دینے کے بعد قتل نہیں کیا؟ کیا تم وہ شخص نہیں ہو جس نے زیاد ابن سمیہ کو، جو ثقیف کے چند کمینوں کے ہاں پیدا ہوا تھا۔ اپنا بھائی بنا لیا جبکہ رسول اکرمؐ نے

ارشاد فرمایا تھا کہ "بچہ اپنے باپ کا
ہوگا اور زانی تو سنگسار کیا جائے گا۔
تم نے سنتِ رسول صلعم کو چھوڑ کر اپنی
خواہشات کی پیروی کی اور اللہ کی ہدایت
سے انحراف کیا اور اس کے بعد تم نے
اس "زیاد" کو مسلمانوں پر مسلط کر دیا۔ انکے
ہاتھ پیر کاٹ دیئے۔ ان کی آنکھیں
نکالیں اور ان کو کھجور کے درخت پر
سولی دے دی۔ گویا کہ تم اس امت سے
نہیں ہو، یا اس امت کا تم سے کوئی
ربط نہیں ہے۔

کیا تم وہ نہیں ہو جس نے اہل
"حضرموت" کو علیؑ کے ساتھ محبت
کرنے کے جرم میں قتل کر دیا۔ جب
سمیہ کے بیٹے نے اطلاع دی کہ اہل
"حضرموت" دین علیؑ کے پیروکار ہیں
تم نے اسے نہیں لکھا کہ جو شخص علیؑ کے
دین کا پیروکار ہو اسے قتل کر دو۔
سمیہ کے بیٹے نے تیرے حکم پر ان کو
قتل کیا اور ان کا مثلہ کیا۔ حالانکہ علیؑ

کا دین رسول اکرم صلعم کا دین ہے اور
اسی دین کی خاطر علیؓ نے تم کو اور
تمہارے باپ کو تہہ تیغ کیا تھا اور
اسی دین کے نام سے تو اب حکومت
کر رہا ہے۔

معاویہ! تم نے لکھا تھا کہ میں اپنی
جان، اپنے دین اور امت محمد کا خیال رکھوں
اور اس امت میں اختلاف اور فساد
نہ کروں۔ میرے نزدیک اس امت پر
تیری حکمرانی سے بڑھ کر کوئی بڑی مصیبت
نہیں ہے۔ جب میں اپنی ذمہ داری
اپنے دین اور امت محمد صلعم کی خاطر
سوچتا ہوں۔ تو تم سے لڑنا میرے
نزدیک سب سے زیادہ اہم ہے۔

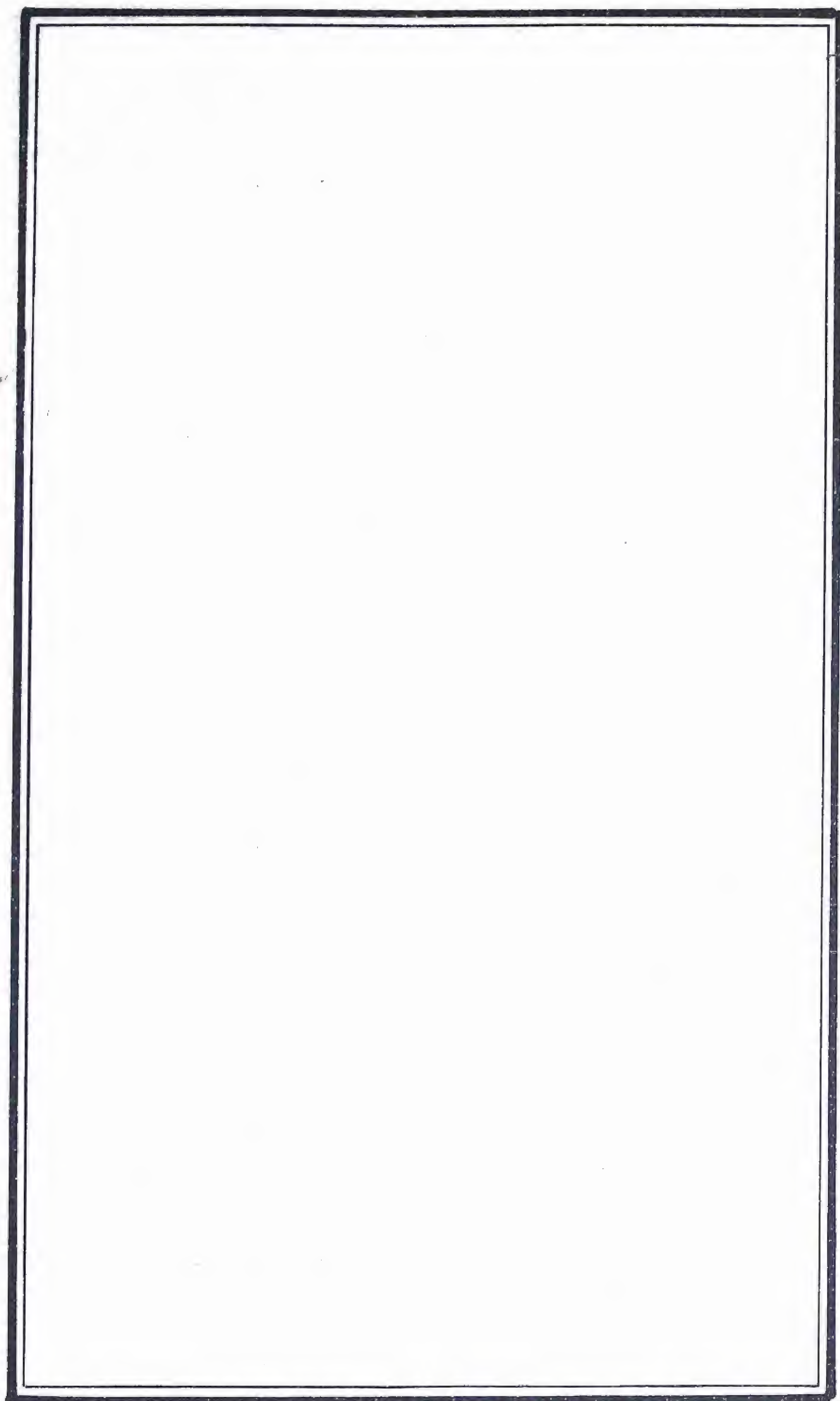
معاویہ! تم نے لکھا تھا کہ اگر میں
نے تمہارے ساتھ کوئی بدی کی تو تم
بھی میرے ساتھ بدی کرو گے اور
اگر میں نے تم سے دشمنی کی تو تم بھی
مجھ سے دشمنی کرو گے میں آج تمہیں
بتا دینا چاہتا ہوں کہ تم سے جس قدر

ممکن ہو سکے۔ مجھ سے دشمنی کرو۔
مجھے اطمینان ہے کہ تمہاری
دشمنی میرے لئے کوئی
نقصان دہ نہیں ہو گی نقصان ہو گا
تو تمہیں ہو گا۔ کیوں کہ تم جہالت کی
سواری پر سوار ہو اور عہد شکنی کے
حریص۔ مجھے اپنی جان کی قسم! کہ تم
نے اپنی کسی شرط پر عمل نہیں کیا۔
صلح و صفائی عہد و میثاق اور
امن کے معاہدے کے بعد تم نے
کچھ لوگوں کو شہید کر دیا جن کا گناہ
صرف یہی تھا کہ وہ ہمارے فضائل
کے قائل تھے اور ہماری عظمت بیان
کرتے تھے۔ خدا تمہارے ان جرائم
کو فراموش نہیں کرے گا اور بے بنیاد
الزامات پر ان بندگانِ صالح کے قتل
اور ان کو اپنے گھروں سے نکال کر
شہر بدر کرنا ہر گز نہیں بخشے گا۔[1]

---

[1]: الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ صفحہ ۱۸۹۔ ۱۹۰، اعیان الشیعہ ج ۴ قسم اصفحہ ۱۴۳۔ ۱۴۱

یہاں سے تحقیقات کرنے والے یہ سوال اٹھا سکتے ہیں کہ عہدِ معاویہ میں انقلاب کے تمام محرکات موجود ہونے کے باوجود حضرت امام حسین علیہ السلام عہد معاویہ میں انقلاب کیوں نہ لائے اور عہد یزید میں انقلاب کیوں برپا کیا۔ جواباً عرض یہ ہے کہ عہدِ معاویہ میں انقلاب نہ لانے کے کچھ علل و اسباب ہیں جنہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان علل و اسباب کا ہم مختصر سا جائزہ لیں گے



عہد معاویہ میں انفرادی اور اجتماعی حالات

صلح امام حسنؑ اور علل و اسباب

جمل، صفین، نہروان اور دوسری جنگوں نے جو واقعہ حکم کے بعد شام، عراق، حجاز اور یمن کے سرحدی علاقوں میں چھڑی تھیں۔ حضرت علیؑ کے اصحاب کو تھکا دیا تھا۔ وہ ذہنی طور پر مصالحت کے لئے زیادہ آمادہ تھے۔ کیونکہ گزشتہ پانچ سالوں میں انہوں نے تلوار کبھی زمین پر نہیں رکھی تھی اور اس پر مستزاد یہ کہ وہ کسی غیر سے نہیں بلکہ اپنے ہی قوم، قبیلے اور رشتہ داروں سے لڑ رہے تھے جو کل تک ایک دوسرے کے ساتھ تھے۔

اصحاب حضرت علیؑ کے جنگ سے تھکنے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ واقعہ حکم کے بعد دشمن کی مکاری سے جو ناکامی اٹھانی پڑی اس سے قبائلی سرداروں نے دیکھ لیا کہ علیؑ کی حکومت کے زیر سایہ ان کے مفادات محفوظ نہیں رہ سکتے۔ جبکہ

دوسری طرف معاویہ کی مالی سیاست نے ان میں آتش طمع کو اور تیز کر دیا تھا۔ اس کے ساتھ رسول اکرم صلعم کی وفات کے بعد حضرت عثمان کے عہد خلافت میں شروع ہونے والے قبائلی تعصبات نے اسلامی معاشرے میں قبائلی سرداروں کے اثر و نفوذ میں اور اضافہ کر دیا۔ کیونکہ وہ شخص جس میں قبائلی تعصب موجود ہو وہ دنیا کو اپنے قبیلے تک ہی محدود سمجھتا ہے اور سارے مفادات اپنے قبیلے سے وابستہ ہونے کی وجہ سے وہ تمام معاملات کو اپنے قبیلے ہی کی عینک سے دیکھتا ہے اور ہر شخص ان قدروں کو سامنے رکھتا ہے جو اس کے قبیلے کے سامنے ہوں نیز قبیلے کی تمام تر توجہ اپنے سردار کی جانب ہوتی ہے۔ لہذا قبائلی نظام میں سردار قبیلہ ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ اس لئے جب قبائلی سردار حضرت علیؑ کے ساتھ نہ تھے تو عام افراد نے بھی آپ کا ساتھ نہ دیا

چنانچہ حجاز، یمن اور عراق کی حدود پر حملہ آور شامی فوجیوں کے مقابلے کے لئے نکلنے پر لوگوں نے آمادگی ظاہر نہ کی اور حضرت علی علیہ السلام کی آواز پہ کسی نے بھی لبیک نہ کہی۔

افواج میں بدنظمی

جب حضرت علی علیہ السلام شہید ہو گئے اور حضرت امام حسنؑ کے ہاتھ پہ بیعت ہوئی۔ اس وقت لوگوں کی حالت اور بھی بدتر ہو گئی۔ خصوصاً جب حضرت امام حسنؑ نے لوگوں کو شامیوں سے جنگ کرنے کی دعوت دی تو انہوں نے سستی و کاہلی کا مظاہرہ کیا۔

یہ درست ہے کہ حضرت امام حسنؑ بعد میں ایک بہت بڑا لشکر تیار

کرنے میں کامیاب ہو گئے، مگر داخلی کشمکش کی وجہ سے دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنے کی نوبت آنے سے پہلے ہی آپؑ ناکام ہو گئے۔ چنانچہ آپؑ کے لشکر میں مختلف الخیال لوگ شامل تھے۔

۱۔ حضرت علیؑ کے ماننے والے۔

۲۔ خوارج جو معاویہ کے ساتھ لڑنے کے لئے ہر کسی کا ساتھ دینے کو تیار تھے۔

۳۔ لالچی لوگ۔ جو غنیمت میں طمع رکھتے تھے۔

۴۔ وہ لوگ جن کے سامنے یہ مسئلہ واضح نہ تھا اور اس بات میں شک کرتے تھے کہ کون حق پر ہے۔

۵۔ وہ لوگ جو قبائلی تعصب کی بنا پر اپنے سرداروں کے کہنے پہ جنگ کے لئے آئے تھے۔[۱]

قبائلی سرداروں نے اپنے آپ کو معاویہ کے ہاتھ بیچ دیا تھا۔ کیونکہ معاویہ نے ان میں سے اکثر کے نام خط لکھ کر حضرت امام حسنؑ کو چھوڑ کر اپنی طرف آنے کی دعوت دی تھی۔ چنانچہ ان میں سے اکثر نے معاویہ کی دعوت پہ لبیک کہی اور اس کے ساتھ وعدہ کیا کہ وہ حضرت امام حسنؑ کو زندہ یا شہید کر کے معاویہ کے سامنے پیش کر دیں گے۔ جب حضرت امام حسنؑ نے ایک خطبے میں ان کے اخلاص اور ثابت قدمی کو جانچا تو ہر طرف سے بچاؤ کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ جبکہ کچھ لوگوں نے آپؑ کو شہید کرنے کے لئے آپ پر حملہ کیا اور عین اسی وقت کچھ ارباب رات کی تاریکی کے پردے میں اپنے افراد قبیلہ کے ساتھ معاویہ سے

---

[۱] اعیان الشیعہ قسم اوّل ج ۴ صفحہ ۵۰-۵۱

جا ملے ہیں۔

جب حضرت امام حسنؑ نے اس حالت زار کو دیکھا کہ عراق میں انفرادی اور اجتماعی حالات ایسے ہیں کہ جن کی وجہ سے جنگ کرکے کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی اور یہ بھی بھانپ لیا کہ ان حالات میں اگر جنگ کی جائے تو اپنے وفادار افراد سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں گے اور معاویہ فاتح بن جائے گا۔ اس لئے آپؑ چند شرائط کے تحت صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ ان شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی کہ معاویہ کسی کو اپنا ولی عہد نہیں بنائے گا اور معاویہ کی موت کے بعد خلافت امام حسن علیہ السلام کو ملے گی اور دوسری شرط یہ ہے کہ معاویہ لوگوں کو اذیت نہیں دے گا اور انہیں امن فراہم کرے گا۔

یہی وہ واحد راستہ تھا جس پر چلنا حضرت امام حسنؑ کے لئے ممکن تھا۔ آپؑ کی عظیم ذمہ داری اور ان نامساعد حالات میں امام حسنؑ کے لئے صرف یہی راستہ اختیار کرنا ممکن تھا۔

وہ لوگ جو جذباتی احساسات رکھتے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے امام حسنؑ کو معاویہ کے ساتھ جنگ کرنی چاہیئے تھی۔ ایسے لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت امام حسنؑ نے جو کچھ کیا وہ ایک ذلت آمیز شکست تھی۔ جس کے نتیجے میں معاویہ بآسانی اقتدار پر قابض ہو گیا جس کے لئے وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس غلط فہمی میں آپؑ کے مخلص اصحاب بھی مبتلا ہوئے۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے تو حضرت امام حسنؑ سے کہا بھی تھا۔ "یا مذل المومنین" یعنی" اے مومنین کو ذلیل کرنے والے" اور اگر ہم حضرت امام حسنؑ کے موقف کو جو بادی النظر میں نہایت عجیب سا لگتا ہے۔ سمجھنا چاہیں تو اس کے لئے ایک اور پیمانہ قائم کرنا پڑے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت امام حسنؑ کے پاس نہ فکر و تدبر کی کمی تھی۔

نہ جاہ طلب تھے اور نہ کسی قبیلے کے سردار کہ وہ قبیلے کی محدود سوچ سے کام لیتے بلکہ آپ ایک نظریے کے داعی اور ایک ابدی مشن کے حامل تھے۔ لہذا انہی بنیادوں پر امامؑ کو قدم اٹھانا تھا اور جو موقف آپؑ نے اختیار کیا وہ اپنے مقاصد کے مطابق تھا اگرچہ یہ موقف خود امام کے لئے بھی بارگراں تھا۔

ایک ایسے رہبر کے لئے جس کے حالات حضرت امام حسنؑ کی طرح ہوں۔ ان تین صورتوں میں سے ایک صورت اختیار کرنا ناگزیر تھا۔

۱۔ ان نامساعد حالات کے باوجود اور نتائج سے چشم پوشی کرتے ہوئے معاویہ کیساتھ جنگ کی جائے۔

۲۔ حکومت معاویہ کے حوالے کر دی جائے اور خود گوشہ نشین ہو جائیں اور اپنے مقاصد کو چھوڑ کر صرف ذاتی مفاد پر اکتفا کر لی جائے۔

۳۔ ان نامساعد حالات کے پیش نظر وقتی طور پہ مسلح جد وجہد ترک کر دی جائے اور نہ صرف یہ کہ حالات پر نظر رکھی جائے بلکہ اس جد وجہد کو کوئی دوسرا میدان فراہم کرنے کے لئے حالات کا رخ اپنے مقاصد کے مفاد کی طرف موڑ دیا جائے۔

حضرت امام حسن علیہ السلام اپنی عظیم ذمہ داریوں کی وجہ سے پہلی صورت کا انتخاب نہیں کر سکتے تھے کیوں کہ اگر ان نامساعد حالات میں معاویہ سے جنگ لڑتے تو اپنے یار و انصار سے محروم ہو جاتے اور اس میں شک نہیں ہے کہ اس صورت میں امام حسنؑ جہاد اور استقامت کی ایک عظیم مثال قائم کر دیتے۔ مگر پھر بھی ایسے قیام کا نتیجہ عالم اسلام کے لئے یقیناً مفید نہ رہتا۔ کیونکہ امامؑ کے اس جہاد میں اپنے قریبی یار و انصار سے محروم ہو جانے کا نتیجہ صرف شہیدوں کی فہرست میں چند اسماء کے اضافہ کے اور کچھ نہ ہوتا۔

اسی طرح حضرت امام حسنؑ کے لئے دوسری صورت اختیار کرتے ہوئے ہر چیز سے ہاتھ اٹھا کر اور قوم کی رہنمائی اور اجتماعی امور میں دلچسپی لینے کو ترک کر کے عیش و آرام کی زندگی گزارنا بھی ناممکن تھا۔

تیری صورت ہی ایسا راستہ تھا جسے امام حسنؑ اختیار کر سکتے تھے اور وہ یہ کہ وقتی طور پر معاویہ کے ساتھ جنگ بندی قبول کر لی جائے تاکہ معاشرے کو انقلاب کے لئے آمادہ کیا جا سکے اور اگر ہم یہ خیال کریں کہ امام حسن علیہ السلام نے اپنے آپ کو زحمتوں اور تکلیفوں سے بچانے کے لئے صلح کا راستہ اختیار کیا ہے تو یہ بہت بڑی غلط فہمی ہو گی۔ حضرت امام حسنؑ نے عیش و آرام کے لئے صلح نہیں کی تھی۔ بلکہ اس لئے صلح کی کہ نئے سرے سے جہاد شروع کیا جائے البتہ کسی اور مقام پر۔

معاویہ کے عزائم سے پردہ اٹھتا ہے

وہ لوگ جو متعدد جنگوں کی وجہ سے جنگ سے بیزار اور اپنے سرداران قبیلہ اور معاویہ کے کارندوں کے جھوٹے وعدوں سے متاثر ہو چکے تھے۔ اور جنہوں نے جنگ نہ کرنے کا تہیہ کر لیا ہوا تھا۔ انہیں بیدار کر کے اس طرف متوجہ کرنا ضروری تھا کہ وہ لوگ جنگ نہ کر کے معاویہ کے وعدوں کے فریب میں آ کر اور سرداران قبیلہ کی اندھی اطاعت کر کے کس عظیم دھوکے کا شکار ہوئے ہیں۔ ان میں بیداری لانا اس وقت تک ناممکن تھا۔ جب تک اپنے عمل کے انجام بد کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لیں۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ مسلمان خود عملاً بنی امیہ کی حکومت کی اصل و حقیقت سے آگاہ ہو جائیں۔ تشدد۔ محرومیت ملک بدری اور دیگر مظالم کو سمجھ لیں ان حالات میں حضرت امام حسنؑ اور ان سے

یار و اصحاب جو کچھ کر سکتے تھے۔ وہ یہ تھا کہ ان حقائق سے پردہ اٹھائیں اور لوگوں کو ان حقائق کے فہم و ادراک اور اس کے خلاف قیام کرنے کے لئے آمادہ کریں۔

چنانچہ اہل عراق کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا کیونکہ معاویہ نے کوفہ آکر کہا۔

"کوفہ والو! کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں
نے تم سے اس لئے جنگ لڑی تھی
کہ تم نماز پڑھو، حج کرو، زکواۃ دو مجھے
معلوم ہے کہ تم یہ امور انجام دیتے ہو۔
میں نے تو تم سے اس لئے جنگ کی
تھی کہ میں تم پر حکومت کروں اور اب
باوجودیکہ تم میری حکومت سے بیزار
ہو، خدا نے مجھے تم پر مسلط کر دیا۔
آگاہ رہو۔ اب تک جو خون بہایا گیا
ہے وہ سب میرے قدموں کے نیچے ہے"[1]

اس خطبے کے بعد معاویہ نے کچھ ایسے اقدامات کئے اور اہل عراق کو اس طرح بھگایا کہ ان کی آمدنی کم کر دی تاکہ اہل شام کی آمدنی میں اضافہ کیا جائے اور پھر انہیں خوارج کے ساتھ لڑنے پر بھی مجبور کیا۔ اس طرح عراق والے اس صلح و صفائی کی لذت نہیں اٹھا سکے۔ جس کی وہ آرزو کرتے تھے۔

اس وقت معاویہ نے لوگوں کو اس تشدد و غربت کا شکار بنانا شروع کر

---

[1] شرح نہج البلاغۃ ج ۴ صفحہ ۱۶۔

دیا جس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے پھر اس نے اعلان کیا کہ منبروں سے حضرت امیرالمومنین پر سب وشتم کیا جائے۔

آوازِ بیداری

علیٰ اس وقت جب سرداران قبائل حضرت امام حسنؑ اور معاویہ کی مصالحت سے بہرہ مند ہو رہے تھے۔ عراق کے عام آدمی آہستہ آہستہ معاویہ کی اس ظالم حکومت کی اصلیت سے واقف ہونا شروع ہو گئے۔ جس حکومت کو انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے مضبوط کیا تھا۔ عراق والے حضرت علیؑ کے عہدِ حکومت کو حسرت سے یاد کرتے تھے اور ان کی اطاعت میں کوتاہی کرنے پر اظہار ندامت کرتے تھے اور وہ اہلِ شام سے صلح کرنے پر بھی پشیمان و پریشان تھے۔ جب بھی ان میں سے دو آدمی آپس میں مل بیٹھتے تو اپنے گزشتہ حالات پر ملامت کرتے اور آئندہ کے لئے سوچتے کہ کیا کرنا چاہیئے۔ ابھی چند سال بھی گذرے نہیں تھے کہ ان کے وفود حضرت امام حسنؑ کے پاس پہنچنا شروع ہو گئے۔ ایک مرتبہ اشرافِ کوفہ کا ایک وفد حضرت امام حسنؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے ترجمان "سلیمان ابن صرد خزاعی" نے کہا۔

"ہمیں ابھی تک تعجب ہے کہ آپ نے معاویہ سے صلح کیوں کی۔ جبکہ آپؑ کی حمایت میں چالیس ہزار آدمی صرف کوفہ کے لڑنے کے لئے موجود تھے اور ان کے ساتھ ان کے یار و فرزندان بھی آپ کی حمایت میں لڑنے کے لئے آمادہ

تھے۔ یہ سب اپنے گھروں میں بیکار بیٹھے
تنخواہیں لیتے رہے تھے۔ ان کے علاوہ
بصرہ حجاز میں بھی بہت سے لوگ
آپؓ کی ہمراہی میں لڑنے کے لئے تیار
تھے اور پھر آپؓ نے مصالحت کرتے
ہوئے، نہ معاویہ سے کوئی وثیقہ لیا نہ
بیت المال سے کچھ حصہ اپنے لئے
مخصوص کرایا۔ اگر آپؓ معاویہ کے
ساتھ صلح کے وقت مختلف علاقوں
کے اشراف کو گواہ بناتے یا معاویہ
سے لکھوا لیتے کہ اس کے بعد خلافت
آپ کا حق ہوگی تو آج ہمارے لئے
کام آسان تھا۔ معاویہ نے بغیر کسی
گواہ کے آپ سے کوئی وعدہ کر لیا اور
پھر اس نے اپنے وعدوں کو نہ صرف
وفا نہیں کیا بلکہ برسرِ عام یہ بھی کہنا شروع
کر دیا " جو وعدے میں نے کئے تھے
اور جو عہد و پیمان میں نے کیا تھا
وہ صرف جنگ و فتنے کو ختم کرنے کے
لئے کیا تھا۔ اب چونکہ اللہ نے ہمارے

درمیان محبت و اتحاد پیدا کر دیا ہے
اور ہمیں ہر قسم کے تفرقے سے محفوظ
رکھا ہے تو وہ قرار دادیں اور وعدے
میرے قدموں کے نیچے ہیں" قسم بخدا
میں نے آپؑ اور معاویہ کے اس معاہدے
میں دھوکہ کھایا ہے اور اب اسے
معاویہ نے خود توڑ دیا ہے۔ اب اگر
آپؑ چاہتے ہیں کہ جنگ دوبارہ
شروع ہو جائے تو مجھے اجازت دیجئے
کہ میں آپؑ سے پہلے کوفہ جاکر وہاں
سے معاویہ کے نمائندے کو نکال کر
اسے برطرف کر دوں، اس وقت آپؑ
ان کے مقابلے کے لئے نکل آئیے۔
خدا تو خائنوں کا دشمن ہے۔"

دوسرے لوگوں نے بھی جب "سلیمان ابن صرد" کی طرح باتیں کیں تو "بلاذری" کی روایت کے مطابق امامؑ نے جواب میں یہ ارشاد فرمایا۔

"آپ ہمارے شیعہ اور ہمارے محبوں
میں سے ہیں۔ اگر میں دنیا یا طاقت و
حکومت کے لئے کام کرتا تو معاویہ
مجھ سے طاقتور اور باثر ہرگز نہ تھا

میرا نظریہ کچھ اور ہے۔ مصالحت کا مقصد
صرف مسلمانوں کی جان بچانا ہے آپ
اللہ کی رضا و مشیت پر راضی ہو جائیں
اور معاملات اللہ کے سپرد کر دیں،
آپ گھروں میں بیٹھ جائیں اور جنگ
سے پرہیز کریں تاکہ صالح افراد امن و امان
میں رہیں اور لوگ فاسق و فاجر لوگوں
کے شر سے محفوظ رہیں۔"

آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ حضرت امام حسنؑ نے ان کو اپنا شیعہ اور محب قرار دینے کے بعد ان سے فرمایا کہ موجودہ صورت حال پر راضی ہو جائیں اور اعتراض نہ کریں۔ ان پر بھی لازم تھا کہ وہ امامؑ کی اطاعت کرتے ہوئے ان کے فرمان پر عمل کریں۔ امامؑ نے ان سے یہ چاہا کہ وہ مشیت الٰہی پر راضی ہو جائیں اور حکومتِ وقت کے خلاف قیام کرنے سے پرہیز کریں۔ لیکن ساتھ ساتھ اس کا بھی اعلان فرمایا کہ یہ حالت ہمیشہ جاری نہیں رہے گی اور وہ مقابلے کے بغیر دشمن کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالیں گے اور اس سلسلے میں انتظار کرنا چاہیئے۔ جس میں حق کے پیروکار آسودہ خاطر ہو جائیں اور خداوند عالم ظالموں کے ہاتھ کاٹ دے۔

اس طرح حضرت امام حسنؑ لوگوں کو جنگ کے لئے آمادہ کر رہے تھے تاکہ مناسب موقعہ پر جنگ لڑی جا سکے اگر آپ ایک مؤقت صلح کرنے پر آمادہ ہوئے تھے تو صرف اس لئے کہ اپنے یار و انصار کو جنگ بندی کے عرصے میں کچھ آسودگی مل جائے اور وہ آئندہ جنگ کے لئے مکمل تیاری کر سکیں۔ کسی کو کیا پتہ تھا کہ معاویہ

کی عمر ختم ہونے والی ہے۔ خدا مسلمانوں کو اس کے شر سے نجات دینے والا ہے۔ اور امت اسلامیہ اپنی تقدیر اپنے ہاتھ سے معین کرنے والی ہے[1]

اس قیام میں "سلیمان بن صرد" اور اس کے ساتھی تنہا نہ تھے۔ بلکہ عراق سے اور لوگ بھی آئے جو امام حسنؑ سے قیام و انقلاب کا مطالبہ کرتے تھے۔ مگر آپؑ ان کے ساتھ قیام کرنے کا وعدہ فرماتے اور ان کو ایک انقلاب کے لئے تیار رہنے کا حکم دیتے تھے۔ چنانچہ آپؑ نے "حجر ابن عدی الکندی" کو جواب میں یوں ارشاد فرمایا۔

"میں نے لوگوں میں سے اکثریت کو
مصالحت کے لئے آمادہ اور جنگ
سے گریز کرتے دیکھا ہے۔ میں نہیں
چاہتا کہ لوگوں کو مجبور کیا جائے۔
لہذا میں نے معاویہ سے مصالحت
کر لی تاکہ ہمارے ماننے والے چند
خاص لوگ قتل نہ ہو جائیں اور میں
نے مناسب سمجھا کہ جنگ کو کسی
خاص وقت تک ملتوی کر دیا جائے۔
کیونکہ اللہ کے پاس ہر دن کے لئے
ایک تقدیر مقرر ہے[2]"

---

[1] الفتنۃ الکبریٰ طہٰ حسین صفحہ ۲۰۶ - ۲۰۸

[2] الاخبار الطوال دینوری صفحہ ۲۲۰

لہٰذا یہ اس دن کے لیئے آمادگی و تیاری کا وقفہ تھا جس میں لوگ ایک انقلاب لانے پر قادر ہوں۔ لیکن اس وقت کا معاشرہ اس کا متحمل نہ تھا۔ اس وقت کا معاشرہ آرزؤں کا معاشرہ تھا اور لمبی آرزؤں نے لوگوں میں شکست کی روح پھونک دی تھی۔ چنانچہ امام حسن علیہ السلام، علی ابن محمد ابن بشیر ہمدانی کے لیئے اس وقت کے معاشرے کی تصویر کشی یوں فرماتے ہیں

"معاویہ کے ساتھ مصالحت سے میرا مقصد یہ تھا کہ تم قتل ہونے سے بچ جاؤ۔ کیونکہ میرے ساتھی لڑنے کے لئے آمادہ نہ تھے۔ ان حالات میں اگر معاویہ کے ساتھ پہاڑوں اور درختوں پر بھی جنگ لڑتے تو بھی حکومت اس کے حوالے کرنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا۔"[۱]

لہٰذا حضرت امام حسن علیہ السلام کا دور ایک ایسا دور تھا جس میں لوگوں کے عقل و قلب میں بنی امیہ کے خلاف قیام کرنے کی آمادگی پیدا کرنے کے لئے کام کرنے کی ضرورت تھی۔ بنی امیہ کی حکومت عہدِ علی علیہ السلام میں لوگوں کے لئے ایک فریب اور دھوکہ کے سوا کچھ نہ تھی۔ عہدِ امام حسن علیہ السلام میں اسی بنی امیہ کی حکومت نے لوگوں کو نامساعد ترین حالات میں امام حسنؑ کا ساتھ چھوڑنے

---

[۱]: الاخبار الطوال دینوری صفحہ ۲۲۱

پر آمادہ کر دیا۔ ان حالات میں حضرت امام حسنؑ نے لوگوں کو ایک موقع فراہم کیا کہ وہ از خود بنی امیہ کی حکومت کو سمجھیں اور اس کے ساتھ ساتھ آپؑ حکومت کے مظالم اور اس کی طرف سے احکامِ خدا کی پامالی کی جانب لوگوں کی توجہ مبذول کراتے رہے۔

حضرت امام حسینؑ کا موقف

حضرت امام حسینؑ بھی اپنے بھائی حضرت امام حسنؑ کے ساتھ عراق کے موجودہ معاشرے سے واقف تھے اور اپنے بھائی کے ساتھ ان لوگوں کی بیوفائی کا مشاہدہ فرما رہے تھے۔ اسی لئے آپؑ نے بھی اسی بات کو ترجیح دی کہ عراقیوں کو اس وقت جنگ میں جھونکنے کی بجائے ان کو ایک انقلاب کے لئے تیار کیا جائے۔

آپؑ نے یہ مؤقف حضرت امام حسنؑ کی زندگی میں ہی اختیار فرمایا۔ چنانچہ جب علی ابن محمد ابن بشیر ہمدانی حضرت امام حسنؑ سے مایوس ہو کر آپ کی خدمت میں آئے تو آپ نے فرمایا۔

> "ابو محمد (امام حسنؑ) نے صحیح فرمایا ہے کہ جب تک یہ شخص (معاویہ) زندہ ہے تم لوگوں کو اپنے گھروں سے نہیں نکلنا چاہیئے" [۱]

---

[۱] الاخبار الطوال صفحہ ۲۲۱

حضرت امام حسنؑ کی وفات کے بعد بھی آپؑ کا یہی موقف رہا۔ چنانچہ بعض اہل عراق نے آپؑ کو معاویہ کے خلاف انقلاب لانے کی دعوت دی تو آپ نے قبول نہ کی اور ان کو جواب میں لکھا۔

"میں اپنے بھائی کے بارے میں امید
رکھتا ہوں کہ خدا اسے توفیق دے
اور اس کی تائید کرے گا۔ لیکن میرا
موقف ایسا نہیں ہے اور جب تک
معاویہ زندہ ہے اس وقت تک
تم کسی انقلاب کے لئے نہ سوچو اور
گھروں میں بیٹھے رہو اور اپنے آپ
کو مورد الزام ٹھہرانے سے پرہیز کرو۔"[1]

لہذا حضرت امام حسینؑ کا بھی مؤقف یہی تھا کہ معاویہ کی زندگی میں انقلاب نہ لایا جائے اور اپنے اصحاب کو امر فرماتے تھے کہ وہ سکون کے ساتھ زندگی گزاریں اور خطرات سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بنی امیہ کی حکومت کے خلاف ایک زیرِ زمین تحریک منظم ہو رہی تھی۔ جس کی طرف دعوت دینے والے وہی تھوڑے اور مخلص لوگ تھے۔ جن کو قتل ہونے سے امام حسنؑ نے مصالحت کے ذریعے بچایا تھا اور ان لوگوں کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ لوگوں میں انقلابی روح پھونک دیں اور اس کے لئے عہد معاویہ کے مظالم کو ذریعہ بنائیں اور وعدے کے دن کا انتظار کریں۔

---

[1] الاخبار الطوال صفحہ ۲۲۲

شہر مدینہ کا ردّ عمل

آپؑ کو معلوم ہو گیا کہ یہ تحریک صلح کے بعد چلنا شروع ہو گئی اور حضرت امام حسنؑ کے عہد میں اس تحریک کی رفتار زیادہ تیز نہ تھی۔ چونکہ اس وقت کا معاشرہ اموی حکومت کے دام فریب میں مبتلا تھا اور اس ظالمانہ حکومت کی حقیقت ابھی عیاں نہ ہوئی تھی۔ لیکن امام حسین علیہ السلام کے عہد میں یہ تحریک زور پکڑ گئی اور اس کے حامیوں کی تعداد میں ہر جگہ اضافہ ہوتا گیا۔ کیونکہ اب بنی امیہ کی حکومت کا ضمیر کسی حد تک فاش ہو چکا تھا۔ جبکہ اسے ایک عرصے تک جھوٹے وعدوں اور پرکشش نعروں کے ذریعے چھپائے رکھا گیا تھا۔

معاویہ کے ہر جرم کا ایک شدید ردعمل مدینہ منورہ میں ظاہر ہوتا تھا۔ جہاں امام حسینؑ قیام فرما تھے اور آپؑ عراق، حجاز اور دیگر اسلامی شہروں سے آنے والے شیعوں کے ساتھ مل بیٹھتے تھے۔ چنانچہ جب معاویہ نے "حجر ابن عدی" اور اس کے اصحاب کو شہید کر دیا تو کوفہ کے چند شرفاء حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ خبر ان تک پہنچائی۔

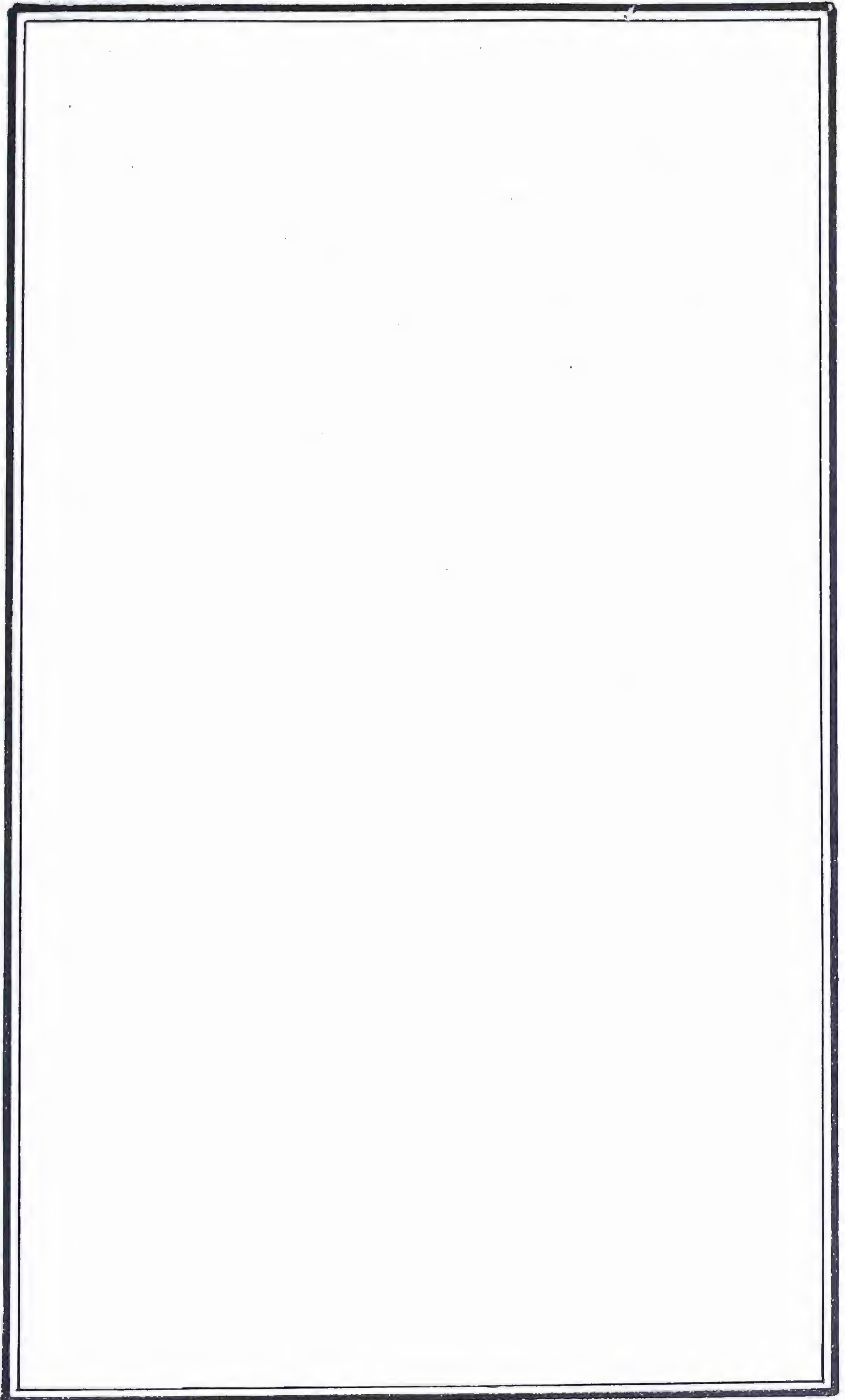
اسی تحریک کے زور پکڑنے کی وجہ سے مدینہ میں معاویہ کے گورنر مروان ابن حکم کو معاویہ کی طرف یہ لکھنا پڑا۔

" عمر ابن عثمان نے مجھے یہ اطلاع
دی ہے کہ اہل عراق کی چند شخصیتیں
اور حجاز کے چند اہم اشخاص کی
حسینؑ ابن علیؑ کے پاس آمد و رفت

ہے۔ "عمر ابن عثمان" کا کہنا ہے کہ حسینؑ ابن علیؑ سے ہوشیار رہنا چاہیئے کیوں کہ میری اپنی تحقیق کے مطابق یہ ثابت ہوا ہے کہ حسینؑ ابن علیؑ تیری اطاعت سے منحرف ہونا چاہتے ہیں۔ اس بارے میں مجھے اپنی رائے سے آگاہ کریں۔"[۱]

---

[۱]: اعیان الشیعہ ج ۴/ قسم اول ۱۴۲/۱۴۳ الاخبار الطوال ۲۲۴



(۲)

معاویہ کا اثر و رسوخ

یزید ابن معاویہ کے خلاف حضرت امام حسین علیہ اسلام کے قیام نے لوگوں کے ضمیر اور دلوں پر ایک ایسا اثر چھوڑا کہ صدیاں گزرنے کے باوجود، لوگ کربلا کے جانفروشوں کو اپنا مشعل راہ سمجھتے ہیں جبکہ اگر امام حسینؑ کا یہی قیام معاویہ کے زمانہ میں ہوتا تو شاید اس قدر کامیابی نہ ہوتی اور اس کا راز معاویہ کی معاملہ فہمی اور اس کے اثر و نفوذ میں پوشیدہ ہے۔ کیونکہ معاویہ سیاست میں اس قدر ناپختہ نہ تھا کہ وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے ایک وسیع انقلاب کے لئے موقعہ باقی رہنے دیتا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ معاویہ اس قدر مکار و عیار تھا کہ وہ سمجھتا تھا اگر امام حسین علیہ السلام علی الاعلان انقلاب لانے کی کوشش کریں اور لوگوں کو اس کے لئے آمادہ کریں گے تو بھی اس کی وہ کامیابی ختم نہ ہو سکے گی جو امام حسن علیہ السلام کے ساتھ صلح کرنے کے بعد اسے حاصل ہوئی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اتنا تو ضرور ہوتا کہ اس کو ایک ایسی

جنگ میں مبتلا کر دیا جاتا جس سے صلحِ امام حسنؑ کے بعد کامیابی کا جو مزہ اس نے چکھا تھا اسے تلخ بنا دیا جاتا اور آپ اسے ایک ایسی جنگ میں مبتلا کر دیتے۔ جس میں اس کی کامیابی کی کوئی کرن نہ ہوتی۔ کیونکہ معاویہ جانتا تھا کہ مسلمانوں کے دلوں میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا کیا مقام ہے۔

اگر امام حسین علیہ السلام معاویہ کے زمانے میں قیام فرماتے تو معاویہ اس تحریک کو ناکام بنانے کے لیئے یہ قدم اٹھاتا کہ امام حسین علیہ السلام کے اپنے انقلاب کو عملی جامہ پہنانے اور اس کے اثرات لوگوں میں پھیلانے سے پہلے ہی امام حسینؑ کو شہید کر دیتا۔ اس بات کے بہت سے شواہد موجود ہیں کہ معاویہ اپنے سیاسی حریفوں کو ختم کرنے کے لئے یہی راستہ اختیار کرتا تھا کہ بغیر کسی شورش کے اس کے حریف کا خاتمہ ہو جائے۔ چنانچہ اس نے حضرت امام حسین علیہ السلام اور سعد ابن ابی وقاص کے ساتھ یہی سلوک کیا۔[1]

معاویہ نے یہی سلوک مالک اشتر کے ساتھ بھی کیا۔ جب آپ مصر جا رہے تھے۔ اور معاویہ نے جب یہ محسوس کیا کہ شام کے لوگ عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کی طرف رجحان رکھتے ہیں تو اس کو بھی زہر دے کر قتل کر دیا۔[2] چنانچہ خود معاویہ سے بھی ایک جملہ مشہور ہے۔ جس میں وہ کہتا ہے "اللہ کے پاس بہت سے لشکر ہیں"

---

[1]: ابوالفرج اصفہانی مقاتل الطالبیین صفحہ ۲۹ میں لکھتے ہیں۔ معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کے لئے جب بیعت لینا چاہی تو اس میں سب سے بڑی رکاوٹ حسنؑ ابن علیؑ اور سعد ابن ابی وقاص تھے۔ لہٰذا دونوں کو زہر پلا دیا گیا۔

[2] التمدن الاسلامی ۴/۱۷

جن میں سے ایک شہد ہے۔[1]

جس بات سے یہ اندازہ یقین میں بدلتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ معاویہ نے حضرت امام حسین علیہ السلام اور دیگر افراد کے گرد اپنے جاسوسوں کا جال بچھا رکھا تھا اور یہ جاسوس ایسی چھوٹی باتوں کی بھی رپورٹ اسے بھیجتے۔ جن میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ ہوتی۔[2]

اگر امام حسین علیہ السلام معاویہ کے زمانے میں انقلاب لاتے اور معاویہ انؑ کو زہر کے ذریعہ شہید کر دیتا تو اس صورت میں اس انقلاب کا کیا فائدہ ہوتا۔ جو ابھی فکر کی حدود سے ہی نہیں نکلا کہ لوگ اپنی جان وخون کی قیمت ادا کر کے اسے محفوظ کر لیتے اور اس موت کا کیا فائدہ جو بغیر سوز وشین کے باقی لوگوں کی طرح دنیا سے چلے جانے والوں کی مانند ہو۔ اس صورت میں حضرت امام حسینؑ بھی علوی خاندان کے ایک فرد شمار ہوتے جو اپنی طبعی موت سے اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ آپ کے اہل وعیال، آپؑ اور آپؑ کے والد بزرگوار کے چاہنے والے کچھ دن سوگ مناتے اور پھر یہ واقعہ دلوں سے یوں مٹ جاتا۔ جیسا کہ دوسرے واقعات مٹ گئے۔

یہ باتیں کہاں اور وہ انقلاب کہاں جو آپ عہد یزید میں لے کر آئے۔

---

[1] عیون الاخبار ۱/۲۰۱

[2]: اعیان الشیعہ ج ۴/ حصہ اول میں ہے کہ مدینہ میں معاویہ کا ایک جاسوس لوگوں کی ہر بات معاویہ کو لکھتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے لکھا کہ حسینؑ ابن علیؑ نے اپنی کنیز کو آزاد کیا اور پھر اسے اپنی زوجیت میں لے لیا۔

دین کا خول

اس کے علاوہ معاویہ کو پتہ تھا کہ دین کے نام پر حکومت کرتے ہوئے ایسے اقدام نہیں کرنا چاہئیں جن کو لوگ دین کے خلاف چیلنج سمجھیں بلکہ وہ اپنے کرتوتوں پہ دین کا خول چڑھا کر انہیں اپنے منصب کے شایانِ شان ظاہر کرنے کی کوشش کرتا تھا اور جن برائیوں پہ وہ دین کا خول نہیں چڑھا سکتا تھا۔ ان کو وہ چھپا کر کیا کرتا تھا۔[1]

معاویہ نے اپنے کردار پہ دین کا خول اس طرح چڑھایا ہوا تھا کہ لوگوں کو اس کے دین دار ہونے پہ کوئی شک و شبہ بھی نہیں گزرتا تھا۔ جب کہ بہت سے تاریخی شواہد اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ معاویہ ایک ملحد شخص تھا اور کسی چیز پر اس کا عقیدہ نہیں تھا۔ چنانچہ "مغیرہ بن شعبہ" جو کہ ایک بے پرواہ سا آدمی تھا۔ بعض خصوصی مجلسوں میں معاویہ کی چند باتیں سن کر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہتا تھا معاویہ سب لوگوں میں خبیث ترین آدمی ہے۔[2]

اس کے باوجود وہ اپنے مقام کو مذہبی رنگ دینے کے لئے بعض حالات سے خوب فائدہ اٹھاتا تھا۔ چنانچہ وہ ایک طرف سے خونِ عثمان کے انتقام کا مطالبہ کرتا اور دوسری طرف سے واقعہ تحکیم کے ذریعہ رائے عامہ کو اپنے حق میں ہموار کرتے اور صلح امام حسنؑ سے فائدہ اٹھا کر اپنے آپ کو خلافت کے لئے حقدار دکھاتا تھا۔

---

[1]: اسلام کی سیاسی تاریخ ج ا صفحہ ۵۲۳

[2]: شرح ابن ابی الحدید ۲/۳۵۸۔

اس کے علاوہ یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ اگر معاویہ کے ہاتھ سے زمام امور نکل جاتی اور اس کے جاسوس اور کارندے غافل ہو جاتے اور انقلابی فکر لوگوں میں پھیل جاتی تو کیا عہد معاویہ میں امام حسینؑ کا انقلاب کامیاب رہتا؟ کامیابی سے مراد یہاں عسکری کامیابی نہیں ہے۔ امامؑ کے انقلاب کے سامنے انقلاب کا مفہوم عسکری اور جزو وقتی کامیابی نہیں تھی۔ جس کا مقصد اقتدار حاصل کرنا ہوتا ہے۔ کیونکہ ان حالات میں عسکری کامیابی حاصل کر کے اقتدار پر قبضہ کرنا ممکن نہ تھا۔ کیونکہ عسکری اعتبار سے معاویہ نہایت طاقت ور تھا جبکہ یزید کے زمانے میں عام مسلمانوں کی نفرت اور قبائلی منافرت کی وجہ سے جو کہ شام میں عروج پر تھی، بنی امیہ کی حکومت میں کمزوری آچکی تھی۔[1]

حضرت امام حسین علیہ السلام کے انقلاب کی کامیابی کے بارے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا معاویہ کے زمانے میں ایسی ہی کامیابی حاصل ہو سکتی تھی جیسی کہ یزید کے زمانے میں اپنے انقلاب کے پرتو میں اجتماعی اور انسانی مقاصد کو حاصل کرنے میں ہوئی اور لوگوں کو اس وقت کے حالات کی تلخی اور بنی امیہ کی حکومت کی حقیقت کو عیاں کر کے ان میں نئی روح پھونکنے اور نئے اخلاق کو رواج دینے

---

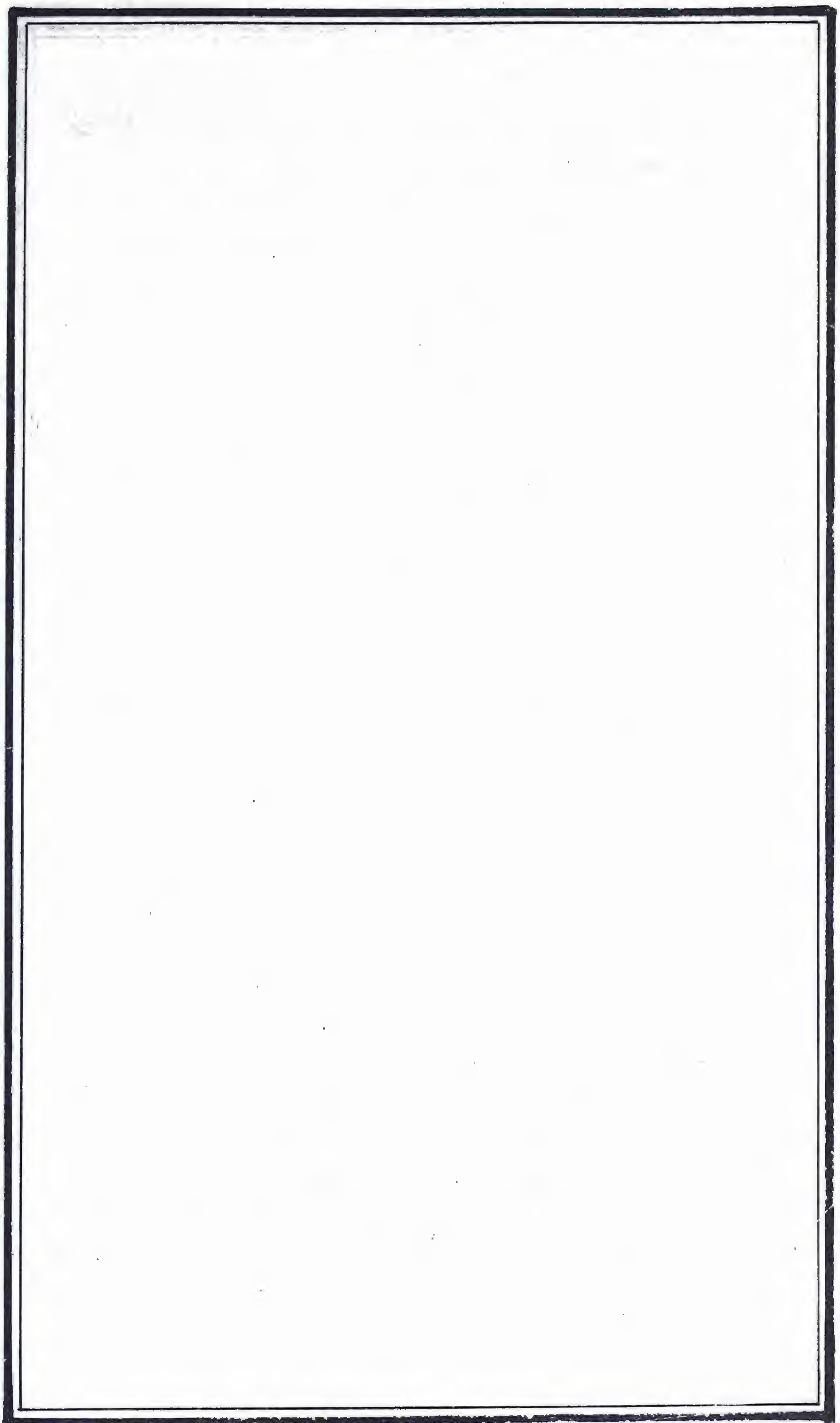
[1] یزید کے زمانے میں "قیس" اور "کلب" "مضر" اور "یمن" کے درمیان اختلاف عروج پر تھے اور جب یزید مرا تو معاویہ بن یزید جس نے خلافت چھوڑ دی تھی، کے اقتدار کے بارے میں بھی اختلافات اور پھوٹ پڑے اور شامی قبائل کے درمیان جنگیں ہوئیں ملاحظہ ہو "الدولۃ العربیہ" ولہاوزن صفحہ ۱۶۵-۱۷۳۔ تاریخ الشعوب الاسلامیہ ج ۱ صفحہ ۱۵۶-۱۵۷

میں آپؑ کامیاب ہوئے۔ ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہی ہوگا کیونکہ اگر امام حسینؑ عہدِ معاویہ میں قیام فرماتے تو نہ صرف عسکری ہی اعتبار سے انہیں ناکامی ہوتی بلکہ انقلاب کے دوسرے مطلوبہ مقاصد بھی حاصل نہ ہوتے جیسا کہ آپ کے انقلاب نے دورِ یزید میں اپنے مطلوبہ تمام مقاصد میں کامیابی حاصل کرلی اور یہ انقلاب دنیا کے تمام انقلابوں کی تاریخ میں بے نظیر ثابت ہوا۔

اگر معاویہ کے زمانے میں انقلابِ حسینؑ کی کامیابی یا ناکامی کو پڑھنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے سب سے بڑا سبب جو نظر آتا ہے وہ معاویہ کا اپنے تمام برے کردار اور جرائم پر لوگوں کے سامنے دین کا خول چڑھاتا ہے جس سے کہ وہ رائے عامہ کے سامنے اپنی حکومت کا دینی جواز پیش کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

ان حالات میں اگر امام حسین علیہ السلام انقلاب لاتے تو رائے عامہ کے نزدیک اس انقلاب کا کیا جواز ہوتا۔ ظاہر ہے معاویہ اور اس کے ماننے والے اس وقت یہی جواب دیتے کہ حسین علیہ السلام دین کے لئے نہیں کرسئ اقتدار کے لئے لڑ رہے ہیں اور اگر امام حسین علیہ السلام شہید ہو جاتے تو لوگوں کا یہی خیال ہوتا کہ وہ حصولِ اقتدار کی راہ میں مارے گئے۔ اس کا لوگوں پر کوئی خاص اثر مرتب نہ ہوتا اور لوگ بنی امیہ سے نفرت بھی کرتے۔ اس طرح یہ انقلاب اپنے مقاصد کے لئے مددگار ثابت نہ ہوتا۔ بلکہ کچھ لوگ تو امام علیہ السلام کو جائز القتل سمجھتے۔ ان حالات میں اگر حضرت امام حسین علیہ السلام اور انؑ کے انصار یہ اعلان کرتے کہ انؑ کا قیام دین اسلام کو معاویہ کی تحریف سے بچانے اور ملتِ اسلامیہ کو اس کے ظلم سے آزاد کرانے کے لئے تھا تو لوگ اس کی تصدیق ہرگز نہ

کرتے کیونکہ ان کے نزدیک اس وقت دین پر کوئی آنچ نہیں آئی تھی اور معاویہ نے دین کے بارے میں کوئی خیانت نہیں کی تھی اور اس نے کسی جرم کا علی الاعلان ارتکاب نہیں کیا تھا۔ اس کے برعکس لوگ یہ سوچتے کہ یہ لوگ اپنے مقاصد پہ پردہ ڈالنے کے لئے دین کو استعمال کر رہے ہیں۔



عہد و پیمان

اگر امام حسین علیہ السلام عہد معاویہ میں انقلاب لے آتے تو معاویہ امام حسین علیہ السلام کے انقلاب کو بد نام کرنے کے لئے صلح امام حسن علیہ السلام سے فائدہ اٹھاتا کیونکہ لوگوں کو پتہ تھا کہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ نے یہ عہد کیا ہے کہ جب تک معاویہ زندہ ہے وہ سکوت اختیار کریں گے۔[1]

اگر امام حسین علیہ السلام معاویہ کے خلاف قیام فرماتے تو معاویہ امامؑ کو مفاد پرست اور عہد شکن کے طور پر لوگوں میں مشہور کرتا۔

البتہ یہ معلوم ہے کہ امام حسینؑ اس عہد کو لازم یا واجب الوفا نہیں جانتے تھے کیونکہ یہ معاہدہ اختیاری نہیں تھا بلکہ ایک ایسا معاہدہ تھا جس کے بغیر کوئی

---

[1] شرح ابن ابی الحدید ۴/۸

چارہ کار نہ تھا۔ خود معاویہ نے بھی اس عہد کو توڑا اور وہ اس کی حرمت کا قائل نہ تھا لہٰذا یہ معاہدہ صحیح بھی ہوتا تو بھی خود معاویہ کی جانب سے اس کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے امام حسین اس کی پابندی کرنے سے آزاد ہو گئے تھے۔ دوسری طرف جس معاشرے میں امام حسین علیہ السلام زندگی بسر کر رہے تھے۔ وہ کسی انقلاب کے اہل نہ تھا۔ یہ معاشرہ آرام و آسائش کو ترجیح دیتا اور یہ سوچتا تھا کہ چونکہ امام علیہ السلام نے یہ معاہدہ کیا ہے اس لئے انہیں اسے پورا کرنا چاہیئے۔ اور گمان غالب یہ ہے کہ اگر یہ انقلاب عہد معاویہ میں آتا تو سیاسی اور اجتماعی دونوں میدانوں میں کامیاب نہ ہوتا۔ کیونکہ اس وقت لوگوں نے اسی زاویے سے اس انقلاب کو دیکھنا تھا۔ جو زاویہ لوگوں نے معاویہ کے کہنے پر مقرر کر رکھا تھا اور وہ یہ تھا کہ امام حسین علیہ السلام نے اس عہد و میثاق کو توڑ دیا جو انہوں نے معاویہ کے ساتھ کیا تھا اور معاویہ رائے عامہ کے سامنے اس انقلاب کو غیر قانونی کہہ کر پیش کرتا۔

"سلیمان بن صرد خزاعی" کو امامؑ نے جو جواب دیا تھا اس کا بھی مطلب یہی ہے کہ عہدِ معاویہ میں انقلاب لانے میں مصلحت نہیں ہے۔ جیسا کہ آپؑ نے فرمایا۔

"جب تک معاویہ زندہ ہے اس
وقت تک ہمارے شیعوں کو چاہیئے
کہ اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں کیونکہ
میں اس مصالحت کے لئے ہرگز
راضی نہیں تھا۔ اگر معاویہ مر جاتا ہے
اس وقت ہم اپنی رائے کا اظہار کریں گے[1]

---

[1]: امامۃ والسیاسۃ ۱/۱۶۳

اور جب "عدی بن حاتم طائی" نے انقلاب کے بارے میں آپؑ سے گفتگو کی تو آپؑ نے فرمایا۔

"ہم نے معاہدہ کیا ہے اور اسے توڑ نہیں سکتے۔[1]

امام حسین علیہ السلام نے امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے بعد بھی یہی موقف اختیار کیا۔ چنانچہ "کلبی" "مدائنی" اور دوسرے اصحاب سیرت نے لکھا ہے۔

"جب حضرت امام حسن علیہ السلام شہید ہوئے تو شیعیان عراق حرکت میں آ گئے اور انہوں امام حسینؑ کو لکھا کہ معاویہ کے ساتھ کئے جانے والے معاہدے کو توڑ دیا جائے آپؑ نے نفی میں جواب دیا اور فرمایا ایک مدت گذرنے تک میں اس عہد کو نہیں توڑ سکتا اور معاویہ کے مرنے کے بعد اس پر رائے قائم کی جائے گی۔"[2]

---

[1]: الاخبار الطوال صفحہ ۲۰۳

[2]: اعیان الشیعہ ۴/ قسم اول ر ۱۸۱/ ۱۸۲۔ الارشاد ۲۰۶ اسلام الوری ۲۲۰ تاریخ الخلفاء ۲۰۶

اس عہد و پیمان کا لوگوں کی نظر میں جو احترام تھا۔ معاویہ اس سے خوب فائدہ اٹھاتا تھا۔ چنانچہ وہ ان خطوط میں جو اس نے امام حسینؑ کو اس کے خلاف فوج کشی کرنے کی تیاری کرنے کے الزام کے سلسلے میں لکھے تھے۔ ان میں اس معاہدے کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ چنانچہ وہ ایک خط میں لکھتا ہے۔

"آپ کے بارے میں کچھ امور کی مجھے خبر ملی ہے۔ اگر یہ باتیں صحیح ہیں تو یہ آپ کے شایان شان نہیں ہیں۔ قسم بخدا کوئی اگر عہد و پیمان یا معاہدہ کرتا ہے تو اس کی پابندی کرنا اس کے لئے ضروری ہے خصوصاً آپ جیسے شریف لوگوں کے لئے جن کا اللہ کے نزدیک اتنا مقام ہو، معاہدے کی پاسداری کرنا زیادہ ضروری ہے آپ اپنے آپ کو خطرے میں نہ ڈالیے اور اللہ سے عہد پورا کریں۔ اگر آپ نے میری مخالفت کی تو میں بھی آپ کی مخالفت کروں گا اور مجھے فریب دیا تو میں بھی آپ کو فریب دوں گا۔ لہذا اس امت میں اختلاف ڈالنے سے

پرہیز کریں "[1]

دیکھئے یہاں معاویہ عہد و میثاق کا دم بھرتا ہے اور اس کی پابندی کا مطالبہ کرتا ہے۔ اگر امام حسین علیہ السلام عہدِ معاویہ میں انقلاب لاتے تو لوگ کہتے کہ انہوں نے اپنے بھائی امام حسنؑ کی سیرت کے خلاف کام کیا جبکہ امام حسینؑ ہمیشہ اپنے بھائی کی سیرت کے پابند رہے۔ چنانچہ "علی ابن محمد ابن بشیر ہمدانی" کے جواب میں آپؑ نے فرمایا تھا۔

"ابو محمد (امام حسنؑ) نے صحیح فرمایا ہے
کہ جب تک یہ شخص (معاویہ) زندہ
ہے تم اپنے گھروں میں بیٹھے رہو۔"[2]

اسی لئے امام حسین علیہ السلام عہد معاویہ میں انقلاب نہ لائے کیونکہ لوگ اس وقت انقلاب کے لئے آمادہ نہ تھے[3]

اسی وجہ سے امام حسنؑ نے معاویہ کے ساتھ صلح کی۔ کیونکہ آپ پر واضح ہو گیا تھا کہ دوسری تمام کوششیں بار آور ثابت نہ ہوں گی۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو خود امام حسنؑ بھی صلح نہ فرماتے اور امام حسین علیہ السلام معاویہ کے خلاف انقلاب لانے میں تاخیر نہ فرماتے اور یہی مصالحت امام حسین علیہ السلام کے انقلاب نہ لانے کا ایک سبب

---

[1]: اعیان الشیعہ ج ۴/ قسم اول صفحہ ۱۴۲۔ الاخبار الطول صفحہ ۲۲۴
۲۲۵ - الامامہ والسیاسیۃ ۱/۱۸۸

[2] الاخبار الطوال صفحہ ۲۲۱

[3] - الارشاد شیخ مفید- ۱۹۹

بن گئی۔ کیونکہ اس صلح کے بعد معاویہ اس قدر طاقت ور ہو چکا تھا کہ ان حالات میں انقلاب کا کامیاب ہونا یقینی نہ تھا۔

ایسے حالات میں امام حسنؑ اور امام حسین علیہ السلام کے لئے اس امر کی ضرورت تھی کہ وہ ہر چیز سے پہلے قوم کو انقلاب کے لئے آمادہ کریں۔

البتہ بنی امیہ کے خلاف قیام کرنے کی سوچ معاویہ کے دور حکومت میں ہی پھیلنا شروع ہو گئی تھی اور معاویہ کے مظالم اور اس کی حکومت اور اسلامی حکومت کے درمیان موجود خلیج وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن سے لوگ متنفر تھے۔ چنانچہ بعد میں انقلاب کی ضرورت کا احساس لوگوں میں بہت بڑھ گیا۔ اس مطلب کا خلاصہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے یہ پیش کیا ہے۔

"معاویہ کے مرنے کے بعد بہت سے لوگ بالعموم اور اہلِ عراق بالخصوص بنی امیہ سے بغض اور اہلِ بیت سے محبت کو اپنے دین کا حصہ تصور کرتے تھے۔[1]"

---

[1] الفتنۃ الکبریٰ صفحہ ۲۹۵

(۴)

یزید کا تعارف

یزید تمام لوگوں میں سب سے زیادہ مغرور، بے تدبیر اور خود سر آدمی تھا۔ وہ چھوٹی عقل والا، کوتاہ فکر اور خواہش پرست تھا۔[1]

چنانچہ اس کے دورِ حکومت میں پیش آنے والے مسائل کے بارے میں اس کا موقف اور انقلابِ حسینؑ، اہلِ مدینہ کے انقلاب اور ابن زبیر کے قیام کے بارے میں اس کا موقف اس کی مذکورہ صفات کی تائید کرتا ہے۔

جو باتیں مؤرخین نے یزید کے بارے میں لکھی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یزید میں موجود بے پروائی اور اپنے احساسات اور جذبات کی اندھا دھند پیروی اس کی زندگی میں کوئی عارضی چیز نہیں تھی بلکہ یہ ساری چیزیں اس

---

[1] الانساب الاشراف ۴/ قسم دوم/۱

کی فطرت میں شامل تھیں ۔[1]

اسی لئے وہ امام حسین علیہ السلام کے انقلاب کا مقابلہ کرنے کا اہل ہی نہیں تھا، وہ یہاں اپنے باپ کی طرح قدم نہیں اٹھا سکتا تھا بلکہ وہ اپنی فطرت کے مطابق ہی قدم اٹھاتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ انقلاب حسینؑ کے مقابلے اور دوسرے مسائل کے حل کے سلسلے میں بھی اس نے یہی روش اختیار کی۔

یزید کی تربیت مسیحیت کی تعلیمات کے مطابق ہوئی تھی یا عقلاً اس میں مسیحیت کا رجحان تھا۔[2]

لہٰذا یزید کی مسیحی تربیت، مسیحیت سے قریب ہونے کی وجہ سے اس کا اسلام کے ساتھ رابطہ بہت کمزور تھا۔ جس اسلام کے نام پر وہ حکومت کر رہا تھا۔ وہ برسرِ اقتدار آنے سے پہلے ایک مادر پدر آزاد اور ہوس پرست آدمی تھا اور اس کے دل میں جو خواہش ابھرتی وہ پوری کر لیتا تھا۔ حد سے زیادہ خواہش پرستی کی وجہ سے وہ کسی تقویٰ اور زہد کا مظاہرہ بھی نہیں کر سکتا تھا اور اس قدر گناہ اور معصیت سے

---

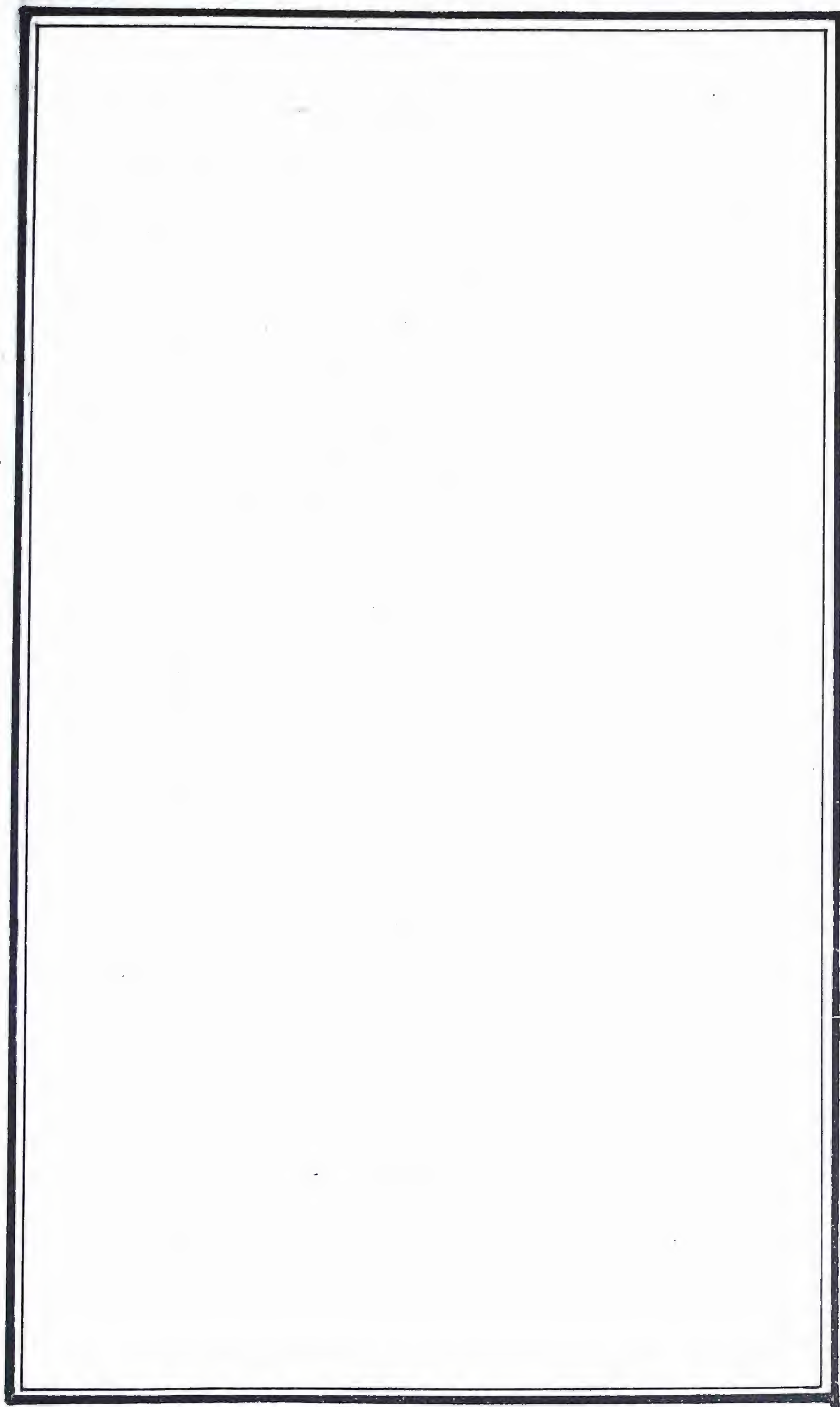
[1] ۔ الانساب الاشراف ۴/ قسم دوم/ ا بلاذری، اسی صفحے پر یزید کے چند اشعار نقل کرتے ہیں ان میں سے پہلا شعر اس کے اخلاق کی پستی پر دلالت کرتا ہے اور اپنی بیوی ام خالد کے بارے میں جو اس کا چوتھا شعر صفحہ ۴ پر نقل کیا ہے اور جو اشعار صفحہ ۱۰ اور ۱۱ پر نقل کئے ہیں وہ یزید کی عیاشی اور شہوت رانی کو عیاں کرتے ہیں۔

[2] تاریخ العرب ۲/ ۲۵۸، سمو المعنی فی سمو الذات صفحہ ۵۹ اور ۶۱ پر یزید کی ہوس رانی اور شہوت کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔ الدولۃ العربیہ صفحہ ۱۳۷ ۔ ۱۳۸

تاریخ الشعوب الاسلامیہ ۱/ ۵۶

وہ آلودہ ہو چکا تھا کہ یہ بات سب پر عیاں ہو گئی کہ یہ مقامِ خلافت کا اہل نہیں ہے۔

اسی وجہ سے اموی حکومت کے حامیوں کے لئے ممکن ہی نہ رہا کہ وہ انقلاب حسینؑ کو رائے عامہ کے سامنے اقتدار کی جنگ کے طور پر پیش کر سکیں۔ کیونکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ اس وقت یزید کی ناپاک سیرت کے مقابلے میں انقلاب کا شرعی جواز موجود ہے۔ یزید کی وہ سیرت جو کسی بھی اعتبار سے دینی نہیں ہو سکتی تھی۔ لہٰذا دین کی حمایت اور بنی امیہ کے ظلم سے مسلمانوں کو نجات دینے کے لئے حسینؑ کے انقلاب کو اب ہر شخص قبول کر سکتا تھا۔



یزید کی ولی عہدی پر امام حسین علیہ السلام کا ردِّ عمل

معاویہ نے بہت کوشش کی کہ حضرت امام حسین (ع) سے یزید کی ولیعہدی پر بیعت لے لے۔ یا کم سے کم یزید کی حکومت کے بارے میں انہیں خاموشی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا جائے۔ لیکن اس کی یہ کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں۔ معاویہ جب یزید کو اپنا ولی عہد بنانے کے لئے زمین ہموار کر رہا تھا۔ اس سلسلے میں امام حسین علیہ السلام کا ردعمل مورخین نے تاریخ میں ثبت کر دیا ہے اور حضرت امام حسین علیہ السلام اور معاویہ کے درمیان جو خط و کتابت ہوئی تھی۔ اسے بھی محفوظ رکھا ہے۔ امامؑ معاویہ کے نام اپنے ایک خط میں ارشاد فرماتے ہیں۔

" جو کچھ تو نے یزید کی لیاقت اور
امتِ اسلامی کے امور چلانے کی
اہلیت کے بارے میں لکھا ہے۔ وہ

معلوم ہو گیا۔

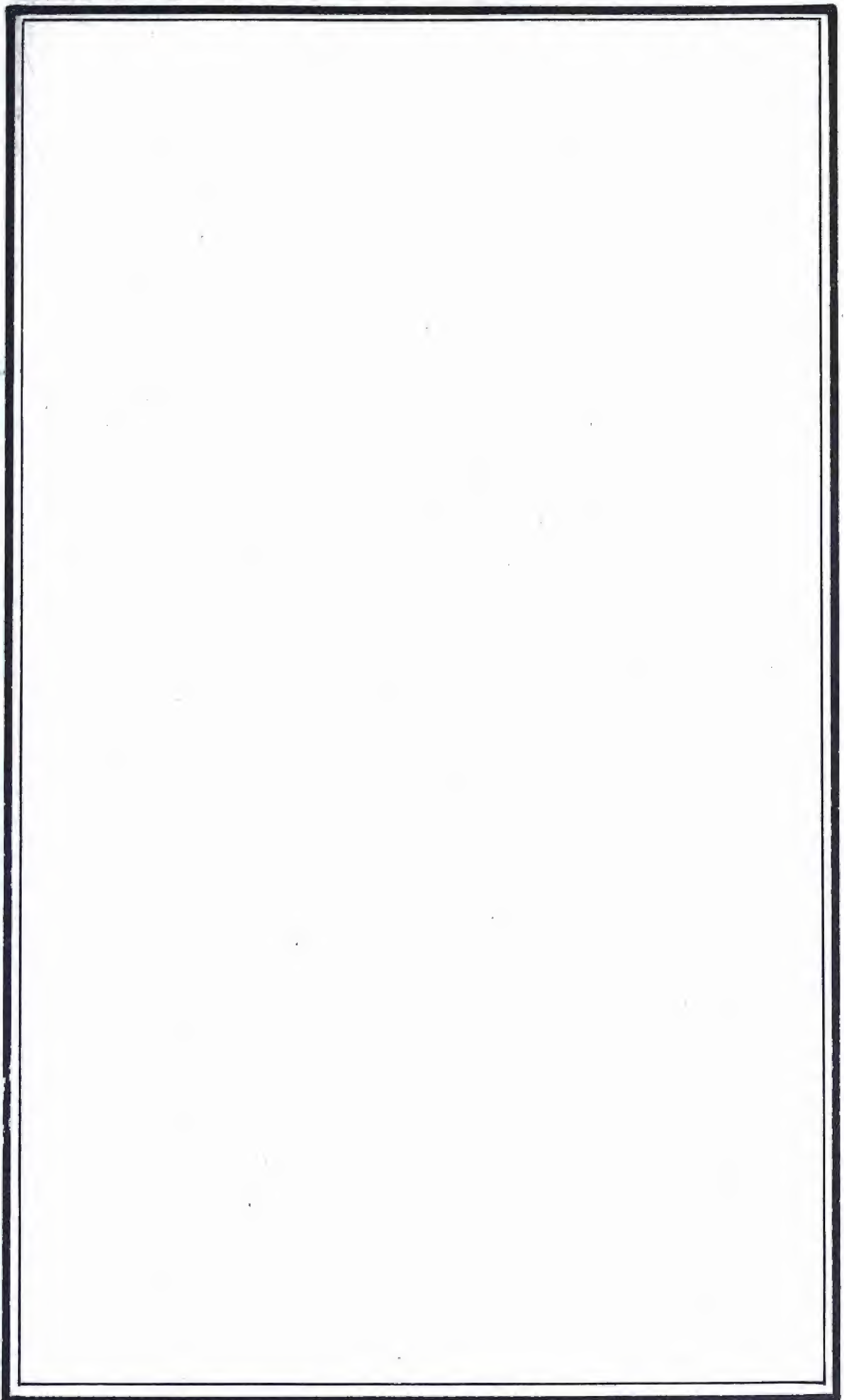
اے معاویہ تو لوگوں کو یزید کے بارے میں دھوکہ دینا چاہتا ہے گویا کہ تو کسی ایسے شخص کا تعارف کرا رہا ہے جو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ یا غائب ہو۔ جسے لوگوں نے دیکھا ہی نہ ہو یا اس کو صرف تو ہی جانتا ہو۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ یزید نے خود اپنے آپ کو پہنچوایا ہے اور اپنا ضمیر فاش کر دیا ہے۔ یزید کا تعارف کرانا ہے تو یوں کراؤ کہ یزید کتوں اور کبوتروں سے کھیلنے میں مصروف رہنے والا ایک ابوالہوس آدمی ہے اور اپنا بیشتر وقت راگ و رنگ اور رقص و سرور کی محفلوں میں گزارتا ہے۔ یزید کا ایسا تعارف کراؤ اور اس کے علاوہ سعی لاحاصل نہ کرو۔

اس امت پر تم نے جس قدر جرائم کیے ہیں یہ کافی ہیں۔ اب اللہ کی بارگاہ میں مزید بار گناہ اٹھا کر جاتے

کی کوشش نہ کر۔ تم نے اس قدر ظلم و
انحراف کیا ہے کہ لوگوں کے صبر کا پیمانہ
لبریز ہو چکا ہے اب تیرے اور تیری
موت کے درمیان چند لمحے ہی باقی
رہ گئے ہیں لے

معاویہ نے بنی ہاشم کو تمام حقوق سے محروم کر کے حسین علیہ السلام پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی مگر وہ اس کوشش میں ناکام رہا۔ معاویہ مر گیا اور حسین علیہ السلام اپنے موقف میں ثابت قدم رہے۔

لے : الامامہ والسیاسیہ ج ا صفحہ ۱۹۵-۱۹۶



بیعت یزید کے لئے امام حسین علیہ السلام کا ردِّ عمل

"جب معاویہ مر گیا، اس وقت تمام
مسلمان بالعموم اور اہل عراق بالخصوص
بنی امیہ کے ساتھ دشمنی کرنے اور
اور اہل بیت کے ساتھ محبت کرنے
کو اپنے دین کا لازمی حصہ سمجھتے تھے"[1]

اب اسلامی معاشرے نے اموی حکومت کی حقیقت کو کافی حد تک پہچان لیا تھا۔ ان کے مظالم کی تلخیوں کو بھی چکھ لیا تھا اور مسلمانوں کی حق تلفی اور لوگوں کی ہتکِ حرمت وغیرہ کے بارے میں ان کے جرائم سے آگاہ ہو گئے تھے۔ معاویہ

---

[1] الفتنۃ الکبریٰ۔ ۲۹۵

کے دورِ حکومت میں اس قوم نے اپنے چہرے پر جو نقاب ڈالی ہوئی تھی۔ وہ کافی حد تک اتر چکی تھی اور اسکے حقیقی خدوخال لوگوں کے سامنے آچکے تھے۔

دوسری طرف یزید تدبر دور اندیشی اور قوت فیصلہ کے اعتبار سے اپنے باپ کی طرح نہ تھا۔ وہ اپنے باپ کی طرح اپنے ہر کردار و رفتار پر دین کا خول چڑھانے کا عادی نہ تھا۔

تیسری طرف حسنین علیہما السلام اور یزید کے درمیان کوئی عہد و پیمان بھی نہ تھا۔ معاویہ کے مرنے کے بعد اور اسلامی معاشرہ بابصیرت ہونے کی وجہ سے وہ تمام عوامل ختم ہوگئے جو معاویہ کے دور میں انقلاب حسین علیہ السلام کی راہ میں رکاوٹ تھے۔ اب بنی امیہ کی حکومت کے خلاف قیام کرنے کیلئے راہ ہموار ہوگئی۔

اپنے سیاسی حریفوں سے بالعموم اور حضرت امام حسین علیہ السلام سے بالخصوص بیعت لینے کے سلسلے میں یزید کی جلد بازی نے بہت افسوس ناک واقعات کو جنم دیا۔

اپنے باپ معاویہ کے مرنے کے بعد یزید کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ ایسے چند لوگوں سے بیعت لی جائے جو اس کی ولی عہدی کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ اس نے مدینہ میں اپنے "نمائندہ" "ولید بن عقبہ" کو ایک خط لکھا جس میں معاویہ کے مرنے کی خبر دینے کے بعد ایک دوسرے خط میں یہ عبارت لکھی۔

"بغیر کسی نرمی اور چشم پوشی کے
حسینؑ ابن علی علیہ السلام "عبداللہ
ابن عمر" اور "ابن زبیر" سے

بیعت لئے بغیر ان سے ہاتھ نہ اٹھاؤ۔[1]

جب ولید نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے بیعت لینے کی کوشش کی تو امام نے پرامن طریقے سے اس کے شر سے چھٹکارا حاصل کرنے کی غرض سے فرمایا۔

"مجھ جیسا آدمی چھپ کر بیعت نہیں
کیا کرتا اور نہ ایسی بیعت قابل قبول
ہوتی ہے۔ جب تو سب لوگوں کو
بیعت کی عام دعوت دے گا۔ اور
لوگوں کے ساتھ ہم کو بھی بیعت کی
دعوت دے گا تو اس وقت ہم سب
کا ایک ہی موقف ہو گا۔"

مروان اس مجلس میں حاضر تھا اور اس نے ولید سے کہا "اگر حسین علیہ السلام بیعت کے بغیر یہاں سے نکل گئے تو تم ہرگز حسینؑ کو قابو نہیں کر سکو گے جب تک تمہارے اور ان کے بہت سے افراد مارے نہیں جاتے۔ ابھی ان کو محبوس کر لو اگر بیعت کر لی تو فبہا۔ ورنہ ان کو قتل کر دو۔ حسینؑ یہ بات سنتے ہی اپنی جگہ سے اٹھے اور فرمایا۔

"واے ہو تجھ پہ اے زرقا کے بیٹے! تو
میرے قتل کا حکم دیتا ہے تو نے جھوٹ
بولا اور اپنی پستی کا ثبوت فراہم

---

[1] الکامل ۳/۲۶۳ ۔ الانساب الاشراف ۴/ حصہ دوم ۱۲/.

کیا ہے۔" [1]

پھر ولید کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

"اے ولید! ہم خاندانِ نبوت، معدنِ رسالت اور فرشتوں کی بارگاہ کے افراد ہیں، ہدایتِ الٰہی کا ہم سے آغاز اور ہم پر خاتمہ ہوا ہے۔ یزید ایک فاسق و فاجر، شراب خور اور قاتل ہے جو علی الاعلان فسق و فجور کا ارتکاب کرتا ہے۔ مجھ جیسا اس جیسے کی بیعت نہیں کر سکتا۔" [2]

ان کلمات کے ساتھ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اموی حکومت کے خلاف اپنے قیام کا اعلان فرمایا۔ باوجودیکہ اموی حکومت طاقتور، جابر اور مخالفین کے ساتھ بے رحمانہ سلوک کرنے والی تھی۔ مگر اب معاویہ مر چکا ہے اور معاہدے کا وقت بھی ختم ہو گیا۔ اب امام حسین علیہ السلام کے سامنے اپنی عظیم تاریخی ذمہ داری ہے۔

حسین کو معلوم تھا کہ جب تک وہ یزید کی بیعت نہیں کریں گے، یزید کی حکومت کو شرعی جواز حاصل نہیں ہو سکتا اور اگر بیعت کر لی تو امتِ اسلامیہ کی گردن پر لگائی ہوئی نئی زنجیر کو شرعی اور قانونی جواز مل جائے گا اور یہ وہ کام تھا جو امام علیہ السلام

---

[1] الانساب الاشراف م/ حصہ دوم/ ۱۵

[2] اعیان الشیعہ ج ۴/ حصہ اول/ ۱۸۳/ ۱۸۴

سے صادر ہونا ناممکن تھا۔

ایک حکومت کو ظالم سمجھ کر اس کو تسلیم کر لینے کے معنی کچھ اور ہیں ظالم حکومت کے سامنے اس لئے سر تسلیم خم کر لینا کہ یہ حق کی حکومت ہے اور ہے۔ یعنی ان دونوں کے درمیان نمایاں فرق ہے۔

"مذکورہ دو صورتوں میں سے دوسری صورت میں لوگ ملک بدری، غربت، محرومیت اور ذلت کو اپنا مقدر سمجھتے ہیں۔ جس سے کوئی راہ فرار نہیں ہے۔ یہاں سے اصلاح احوال کی ساری امیدیں ختم ہو جاتی ہیں اور کسی انقلاب کا تصور تک ذہنوں میں نہیں ابھرتا۔ اس صورت میں لوگ جلادوں کے خلاف قیام کرنے کی بجائے ان کا ہاتھ بٹاتے ہیں اور موجودہ حالت پر اس گمان سے راضی ہو جاتے ہیں کہ اس سے بہتر ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔

اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ حاکم کو حکومت کرنے کا حق حاصل نہیں ہے تو یہاں اصلاح احوال کی امید زندہ رہتی ہے اور ذہنوں میں انقلاب کا تصور بھی قائم رہتا ہے۔ اس صورت میں انقلابی عناصر کے لئے کام کرنے کی زمین بھی ہموار ملتی ہے۔ اب حسین علیہ السلام کو تنہا ذمہ داری انجام دینی تھی۔ انقلاب ان کا مقدر بن چکا تھا اور دوسرے لوگ جنہوں نے بیعت یزید سے انکار کر دیا تھا ان کو مسلمانوں میں وہ مقام و منزلت حاصل نہ تھی جو امام حسینؑ کو حاصل تھی۔ چنانچہ ابن عمر نے بہت جلد ہتھیار پھینک دیئے اور کہا۔ جب دوسرے لوگ بیعت کر چکے ہیں تو میں بھی بیعت کرتا ہوں۔"[1]

---

[1] الطبری ۴/۲۵۴ الکامل ۳/۲۶۵۔ الانساب الاشراف ۴/ حصہ دوم/۴

"عبداللہ ابن زبیر" سے لوگ متنفر تھے۔ اس کے یزید کی بیعت نہ کرنے پر لوگوں کا خیال یہ تھا کہ اسے خود حکومت کرنے کا لالچ ہے۔ اس نے دینی اور مذہبی اختلاف کی وجہ سے بیعت نہیں کی۔ لوگ بھی اسے اہل نہیں سمجھتے تھے۔

"ابن کثیر" نے "البدایہ والنہایہ" میں لکھا ہے "جب حضرت امام حسین علیہ السلام اور ابن زبیر مدینہ سے مکہ کے لئے نکلے اور وہاں قیام کیا تو لوگ حضرت امام حسینؑ کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپؑ کے گھر وہ آمد و رفت جاری رکھتے تھے۔ آپؑ کو ہمیشہ اپنے حلقے میں لیے رہتے اور نہایت عشق و محبت سے آپ کی باتیں سنتے اور ان سے استفادہ کرتے اور ان روائتوں کو جو آپ سے سنتے تھے محفوظ کرتے تھے۔

اس روایت کا مطلب یہ ہوا کہ لوگوں کی نظریں حضرت امام حسین علیہ السلام پر لگی ہوئی تھیں اور وہ صرف آپ ہی کو چاہتے تھے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام حسین علیہ السلام کو مسلمانوں کے دلوں میں ایک نمایاں مقام حاصل تھا "ابو الفرج اصفہانی" لکھتے ہیں۔

> "حضرت امام حسینؑ کا حجاز میں قیام کرنا عبداللہ ابن زبیر کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ امامؑ عراق چلے جائیں اور حجاز پر اس کا اثر و نفوذ قائم ہو جائے۔ کیونکہ اسے علم تھا کہ جب تک امام حسین حجاز میں ہیں اس وقت تک وہ اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکتا۔[1]

---

[1] مقاتل الطالبین۔ الانساب الاشراف ۴/حصہ دوم/۱۳۔۱۴۔ الارشاد، ۲۰۲

حضرت امام حسین علیہ السلام بھی اس بات سے بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ ایک دن حاضرین سے آپؑ نے فرمایا۔

"عبداللہ ابن زبیر کو اس سے زیادہ کسی چیز کی آرزو نہیں ہے کہ میں حجاز سے نکل کر عراق چلا جاؤں۔ اسے علم ہے کہ میری موجودگی میں وہ کچھ نہیں کر سکتا اور یہ بھی اسے معلوم ہے کہ لوگ اس کو وہ درجہ نہیں دیتے جو مجھے دیتے ہیں۔ اس لئے وہ چاہتا ہے کہ میں یہاں سے نکل جاؤں تاکہ اس کے لئے میدان خالی ہو جائے۔"[۱]

نیز "عبداللہ ابن عباس" نے بھی عراق جانے کے سلسلے میں آپؑ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا "آپ نے حجاز چھوڑ کر عراق جانے کا فیصلہ کر کے ابن زبیر کا مقصد پورا کر دیا۔ آپؑ کی موجودگی میں تو زبیر کے پاس کوئی نہیں جاتا تھا۔"

ان تمام باتوں سے اس بات کا ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کو اس زمانے کی واحد شخصیت کے اعتبار سے کس قدر لوگوں کی حمایت حاصل تھی اور اگر بالفرض محال آپؑ یزید کی بیعت کر لیتے تو ابن زبیر جیسوں کا کوئی مقام نہ تھا اور حزب مخالف کے طور پر کھڑے ہونے کے لئے اس کا کوئی حامی نہیں تھا۔

---

[۱] و ۲: الطبری ۴/۲۸۸ الکامل ۳/۲۷۶۔ الانساب الاشراف ۴/۱۴

اسی لئے حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی عظیم اور تاریخی ذمہ داری سنبھال لی۔

ایک طرف بنی امیہ کی حکومت تھی۔ جو فساد پستی، رجعت پسندی اور مظالم کا مجموعہ تھی۔

دوسری طرف اسلامی معاشرے کی رقت انگیز حالت، مسلمانوں کی ذلت پسماندگی اور محرومیت تھی۔

تیسری طرف معاشرے میں اپنا عظیم مقام اور بے مثال مقبولیت ہے۔ ان تمام عوامل نے مل کر امام حسینؑ کو ایک عظیم اور تاریخی ذمہ داری کے سامنے لا کھڑا کیا اور جس راستے پر چلنا ان کے لئے متعین ہو گیا تھا اب اسے طے کرنا ہی ہے۔

انہی اسباب و علل کی وجہ سے امامؑ نے اپنے انقلاب کا ان فرامین میں اعلان فرمایا جو پہلے گزر چکے ہیں اور جن میں آپؑ نے اس انقلاب کے علل و اسباب بیان فرمائے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ حکومت کا انحراف

۲۔ دینی اقدار کی پامالی

۳۔ عوام کا استحصال۔

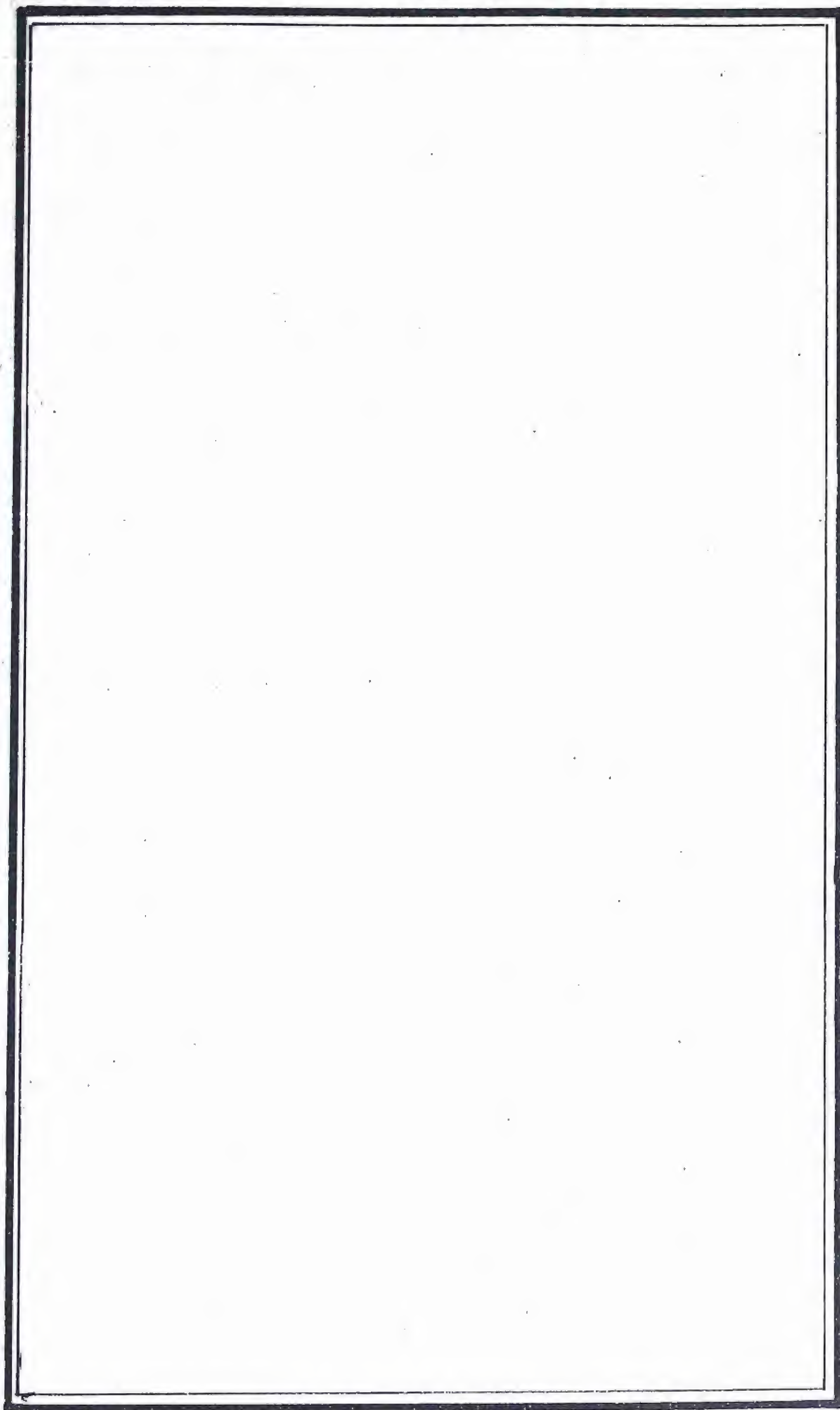
یہ تھے انقلاب حسین علیہ السلام کے علل و اسباب اور پھر یزید چاہتا تھا کہ اس انقلاب کی چنگاری کو شعلہ بننے سے پہلے ہی خاموش کر دیا جائے۔ اس کا حل اس نے یہ دیکھا کہ امامؑ کو مدینہ میں ہی شہید کر دیا جائے" یعقوبی" نے اپنی تاریخ میں یزید کے نام ابن عباس کے ایک خط کا ذکر کیا ہے۔

جس میں اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ یزید نے کچھ لوگوں کو مامور کیا تھا کہ امام حسین علیہ السلام کے مدینہ منورہ سے نکلنے سے پہلے ہی ان کو شہید کر دیا جائے۔[1]

اس بات سے حضرت امام حسین علیہ السلام کا مدینہ منورہ سے مخفیانہ طور پہ نکلنے کا راز بھی معلوم ہوتا ہے۔

---

[1] تاریخ الیعقوبی ج ۲/ ۲۳۴ - ۲۳۶



(۶)

اسباب انقلاب
امام حسین علیہ السلام کی نظر میں

حضرت امام حسین علیہ السلام کے قیام میں اجتماعی پہلو زیادہ نمایاں ہے اگر انقلاب حسین علیہ السلام کا گہرا مطالبہ کیا جائے تو یہی پہلو ابتدا سے لے کر آخر تک نظر آئے گا۔

امام حسینؑ نے مسلمانوں کے حقوق کی خاطر قیام فرمایا۔ آپ نے یزید کے خلاف اس لئے قیام کیا کہ وہ اموی حکومت کی نمائندگی کرتا تھا۔ وہ حکومت لوگوں کو محروم کرتی اور عوام کی دولت سے اپنی خواہشات پوری کرتی تھی۔ رشوت ستانی، ضمیروں کو خریدنے اور آزادی کی تحریکوں کو دبانے وغیرہ پر قوم کی دولت صرف کرتی تھی اور اس نے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔ غیر مسلمانوں پر ظلم و ستم کیا اور ان کو ختم کرنے کے درپے ہوئی۔ اس نے لوگوں میں نفاق اور تفرقہ پیدا کیا۔

یہ وہ حکومت ہے جس نے اموی خاندان کی سیاست کے مخالفین کو ملک بدر اور بے گھر کر دیا اور جہاں کہیں کسی نے پناہ لی ہوئی تھی۔ وہیں اسے قتل کر دیا۔ ان کے وظیفے بند کر دیئے اور ان کی مال و دولت غارت کر دی۔

یہ وہ حکومت ہے جس نے قبائلی تعصبات کو ہوا دے کر مسلمانوں کے اجتماعی وجود کو خطرے میں ڈالا۔

یہ وہ حکومت ہے جس نے بالواسطہ یا بلاواسطہ مسلمانوں کے جذبہ اور احساسات تک کو ختم کر دیا اور ہر قسم کی تحریک آزادی کو دین کا سہارا لے کر کچل دیا جی ہاں! امام حسین علیہ السلام نے ان اجتماعی مفاسد کے خلاف قیام فرمایا۔ چنانچہ محمد حنیفہ کے لئے اپنی وصیت میں خود ارشاد فرماتے ہیں۔

"میں نے اپنی ہوا و ہوس اور کسی مفاد کے تحت قیام نہیں کیا۔ میرا مقصد ظلم و فساد نہیں ہے۔ میں اپنے جد کی امت کی اصلاح چاہتا ہوں۔ میرا مقصد امر بمعروف و نہی از منکر ہے۔ اگر کوئی شخص میری اس دعوت کو حق ہونے کی بنا پر قبول کرتا ہے تو خدا ہمیشہ سے حق کا مددگار ہے اور اگر کوئی میری دعوت کو قبول نہ کرے تو میں صبر و تحمل سے کام لوں گا۔ تاکہ خدا میرے اور اس قوم کے درمیان

فیصلہ کر دے۔"

لہذا امام کا مقصد امت جد کی اصلاح کرنا ہی ہے۔

ایک نکتہ جو قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ آپؑ نے اس وصیت میں فرمایا۔

"جو مجھے حق کی خاطر قبول کرتا ہے

تو خدا ہمیشہ سے حق کا مددگار ہے۔"

آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میری شرافت، مسلمانوں میں میری منزلت اور رسول اللہ سے میری قرابت کی خاطر جو مجھے قبول کرے۔ بلکہ آپؑ نے یہ فرمایا" کہ جو مجھے حق کی خاطر قبول کرے" اس سے واضح ہوا کہ آپ داعی الی الحق تھے اور جب لوگ حق کی طرف دعوت دینے والے کو قبول کرتے ہیں تو حقیقتاً" حق کی خاطر اسے قبول کرتے ہیں نہ اس کی ذات کی خاطر۔ اس کے مقاصد کی خاطر اسے قبول کرتے ہیں کہ حق، دفاع اور مسلمانوں کی خدمت اس کا مقصد ہے اور یہ بات اس قبائلی تصور سے مافوق ہے جو عہد امام میں ہر سیاسی اور دینی سربراہ کا سرمایہ ہوا کرتا تھا۔

ظالموں کے خلاف قیام

امامؑ کے انقلاب میں اجتماعی پہلو اس وقت بھی ظاہر ہوتا ہے جب آپؑ نے حضرت حر بن ریاحی کے ساتھ ملاقات کی یہ اس وقت کی بات ہے۔ جب آپؑ کو پتہ چل چکا تھا کہ اہل عراق نے آپؑ کی بیعت کر لینے کے بعد اسے توڑ دیا ہے اور آپؑ کے سفیر حضرت مسلم بن عقیل کو شہید کر دیا ہے۔ اس وقت آپ کو اس خطرناک انجام کا بھی پتہ چل چکا تھا جو آپؑ کے انتظار میں ہے۔ اس وقت حر بن ریاحی کے لشکر سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

" لوگو! رسول اکرم صلعم نے ارشاد فرمایا
ہے " اگر کسی ظالم حکمران کو اس حال
میں دیکھو کہ وہ محرمات الہٰی کو حلال
کرتا ہے، اللہ کے عہد کو توڑتا ہے،
سنت رسولؐ کی مخالفت کرتا ہے اور
اللہ کے بندوں پر زیادتی کرتا ہے
تو ان حالات میں اپنی آواز یا عمل
کے ذریعے ان کو جو نہ روکے تو وہ
اسی ظالم کی طرح مستحق عذاب ہے۔"
لوگو! ان لوگوں (بنی امیہ) نے
شیطان کی اطاعت کر کے رحمٰن کی
اطاعت چھوڑ دی ہے۔ فساد وفتنہ
برپا کیا ہے اور اسلامی حدود
تعزیرات کو معطل کر دیا ہے۔ ان
لوگوں نے بیت المال کو اپنے قبضے
میں لے لیا اور اللہ کی شریعت کے
حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیا
ہے۔ اسلامی حکومت کی سربراہی
کے لئے میں ایسے لوگوں سے زیادہ
سزاوار ہوں اور میرے پاس تمہارے

خطوط آئے ہیں اور بیعت کا پیغام
تمہارے نمائندے لے کر آئے ہیں۔
اور تم نے یہ عہد کیا ہے کہ تم مجھ سے
ہاتھ نہیں اٹھاؤ گے اور عہد شکنی
نہیں کرو گے۔ اگر تم نے اس کو پورا
کر دیا تو ہدایت پاؤ گے۔ کیونکہ میں
حسینؑ ابن علیؑ ہوں اور رسولؐ خدا
کی بیٹی فاطمہؑ کا فرزند ہوں۔ میں خود
تمہارے دکھ درد میں شریک رہوں گا۔
اور میرے اہل بیت تمہارے بال بچوں
کے ساتھ ہوں گے اگر تم نے بیعت
شکنی کی ہے تو مجھے اپنی زندگی کی قسم!
یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ تم نے
میرے پدر بزرگوار اور میرے بھائی
اور میرے ابن عم "مسلم بن عقیل" کے
ساتھ بھی ایسا ہی کیا ہے اس شخص
نے دھوکہ کھایا، جس نے تمہارے
وعدوں پر اعتماد کیا۔ تم نے اپنے
آپ کو بدبخت بنا لیا۔ تمہاری تقدیر
ہی بری ہے جو عہد شکنی کرتا ہے

اس کی سزا اسے خود بھگتنا پڑے گی لہ

یہاں امام حسین علیہ السلام اپنے قیام کے علل و اسباب بیان فرمار ہے ہیں ۔ وہ اسباب، ظلم و تشدد، غربت، دین میں تصرف، لوگوں کے مال و دولت کی غارت گری سے عبارت ہیں ۔ اور امام حسین علیہ السلام نے اس بات کو بھی محسوس کیا کہ یہ لوگ محرومیت اور ملک بدری سے خائف ہونے کی وجہ سے ہر انقلاب سے پرہیز کرتے ہیں وہ اسی ذلت اور پستی کی زندگی کو اصلاحِ احوال کی کوشش پر اس لیے ترجیح دیتے ہیں کہ کہیں ہمارا قیام ناکام ہو جائے تو مزید تنگی اور تشدد کا شکار نہ ہو جائیں ۔

ان کے اس حال سے آگاہ ہونے کی وجہ سے آپؑ نے فرمایا ۔

"میں حسین علیہ السلام ابن علیؑ ہوں ۔

میں دختر رسولؐ، فاطمہؑ کا فرزند ہوں"

یہاں آپؑ نے اپنی مرکزی اہمیت کا احساس دلایا ۔ پھر فرمایا ۔

"میں اور میرا خاندان، تمہارے بال بچوں

کے ساتھ ہر دکھ درد میں شریک

رہے گا"

اس سے یہ بتانا مقصود تھا کہ اگر کسی کو دکھ درد یا کسی محرومیت کا شکار ہونا پڑا تو میں سب سے آگے ہوں گا ۔

ایک اور قابل توجہ نکتہ جو سید الشہداء نے بیان فرمایا، یہ ہے آپؑ نے فرمایا ۔

لہ: الطبری ۴/۳۰۴ - ۳۰۵ ، الکامل ۳/۲۸۰ ، اعیان الشیعہ ۴/ حصہ اول ۲۲۸ ، ۲۲۹

"اسلامی حکومت کی سربراہی کے لئے
میں ایسے لوگوں سے زیادہ سزاوار
ہوں جنہوں نے دین میں تغیر و
تبدل کیا ہے"

اس میں آپؑ نے اس عظیم اور تاریخی ذمہ داری کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو آپؑ نے پوری کرنی ہے۔

عراقیوں کی سیاہ کاریاں

حسین علیہ السلام ایک مرتبہ پھر اہل عراق سے اپنے انقلاب کے علل و اسباب بیان فرماتے ہیں اور یہ خطبہ آپؑ نے اموی لشکر کے ساتھ قتال کرنے سے تھوڑی دیر پہلے ارشاد فرمایا۔ کہتے ہیں کہ آپؑ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور دشمنوں کو خاموش ہونے کے لئے کہا مگر وہ خاموش نہ ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

"وائے ہو تم پر کہ تم خاموش نہیں ہوتے
اور میری بات نہیں سنتے۔ میں
تم کو ہدایت کی طرف بلا رہا ہوں
جو میری اطاعت کرتا ہے وہ ہدایت
یافتگان میں شمار ہوگا اور جو میری
نافرمانی کرتا ہے۔ وہ ہلاکت شدگان
میں شامل ہوگا۔ تمہیں کیا ہو
گیا ہے کہ تم سب نے میری اطاعت

چھوڑ دی ہے اور میری باتیں سننے
کے لئے آمادہ نہیں ہو، تمہارے شکم
لقمۂ حرام سے پر ہیں اور تمہارے
دلوں پر مہر لگ چکی ہے۔ افسوس ہو
تم پر! تم خاموش نہیں ہوتے اور
میری بات نہیں سنتے۔

یہ سن کر "عمر ابن سعد" کے لشکر والے آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے "دیکھو حسین علیہ السلام کیا کہہ رہے ہیں" اس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام نے اللہ کی حمد وثنا بجا لانے اور محمدؐ، فرشتوں اور انبیاءؑ و رسلؑ پر درود بھیجنے کے بعد فرمایا۔

"لوگو! خدا تمہیں ہلاک کر دے کیا تم
نے میری طرف استغاثہ نہیں کیا اور
مجھے اپنی مدد کے لئے نہیں بلایا؟
اب جب میں تمہاری فریاد کو پہنچ
گیا ہوں تو تم نے تلواروں کے ساتھ
ہمارا مقابلہ کیا اور اس آگ کا رخ
تم نے ہماری طرف پھیر دیا جو ہم نے
خود تمہارے اور اپنے مشترکہ دشمن
کے لئے جلائی تھی اور اب تم خود
اپنے لوگوں کے خلاف اٹھ کھڑے

ہوئے ہو اور اپنے ہی دوستوں کے خلاف
اپنے دشمنوں کے ساتھ مل گئے ہو،
جو نہ تمہارے ساتھ عدل و انصاف
سے پیش آئے کہ تم ان کے عدل و
انصاف پر فریفتہ ہو جاؤ اور نہ
آئندہ کسی بہتری کی ان سے امید ہے
تم صرف اس لئے میرے خلاف
لڑ رہے ہو کہ تمہیں بنی امیّہ نے
دنیا کے حرام مال کا ایک معمولی حصّہ
دے دیا تاکہ تم ذلت کی زندگی بسر
کرو۔ حالانکہ میں نے کوئی چھوٹا گناہ
بھی نہیں کیا۔ وائے ہو تم پر کہ تم نے
ہم سے دوری اختیار کی اور ہم کو
چھوڑ دیا۔
تم نے اس وقت فتنہ کی آگ
بھڑکائی اور ٹڈی دل کی طرح ہر جگہ
سے اٹھ کر جمع ہو گئے اور مکھیوں
کی طرح فتنہ و فساد پر ایکا کر لیا ہے
جبکہ تلواریں اپنے نیام اور لوگوں
کے دلوں میں آرام اور فکر میں سکون تھا۔

تمہارے سروں پہ خاک ہو۔ اے غلامی
کی زندگی بسر کرنے والو! اے کجروی
کرنے والو! کتاب خدا کو ترک کرنے
والو! شیطان کا دھوکہ کھانے والو!
اللہ کی نافرمانی پہ اتحاد کرنے والو!
کتاب خدا میں تحریف کرنے والو!
اور چراغ شریعت کو بجھانے والو!
اولاد انبیاء کے قاتلو! اوصیاء و عترت
کو نابود کرنے کی کوشش کرنے والو!
ناجائز بچوں کو اپنے نسب سے ملانے
والو! مومنین کو آزار پہنچانے والو!
انبیاء کا تمسخر اڑانے اور کتاب خدا
کو پارہ پارہ کرنے والوں کے ساتھیو!
تم نے کس قدر عظیم جرائم کا ارتکاب
کیا ہے اور ابدی عذاب مول لے لیا
ہے۔ تم نے حرب کے بچے (معاویہ
ابن ابی سفیان)، کی مدد کی اور ہم
سے روگردانی کی۔

ہاں! قسم بخدا یہ عہد شکنی تمہارا
شعار ہے۔ آپ بے وفائی سے

تمہاری جڑیں سیراب ہوئی ہیں اور
تمہاری شاخوں کو قوت ملی ہے اور
تمہارے دل عہد شکنی کے سامنے
مضبوط ہیں اور تمہارا سینہ ان چیزوں
سے بھر چکا ہے۔

تم وہ خبیث ترین پھل ہو جو
ہر غاصب کا لقمہ بنتا ہے اور تم ہر
دیکھنے والے کے لئے دکھ بن گئے
ہو۔ اللہ کی لعنت ہے ان لوگوں پہ
جو عہد و پیمان کرنے کے بعد اسے
توڑ دیتے ہیں۔ حالانکہ تم نے اس
بیعت پر اللہ کو گواہ بنایا تھا۔

ولد الزنا ابن ولد الزنا
نے مجھے قتل اور ذلت کے درمیان
لا کھڑا کیا ہے مگر ذلت و خواری ہم
سے کوسوں دور ہے۔ خدا رسولؐ
اور مومنین ہماری ذلت پر راضی
نہیں ہوں گے۔ ہمارا پاکیزہ خاندان
عزت نفس بلند ہمتی اور پاکیزہ تربیت
اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ

میں عزت کی موت پر کمینوں کی اطاعت
کو ترجیح دوں۔
لوگو! جو کچھ مجھے کہنا چاہیئے تھا
میں نے کہہ دیا اور خوفِ خدا یاد دلایا
اب میں اپنے خاندان کے ہمراہ
دوستوں کی قلت، دشمنوں کی کثرت
اور یار و مددگار نہ ہونے کے باوجود
جہاد کے لئے آمادہ ہوں۔

اس کے بعد آپ نے یہ اشعار پڑھے۔

فان نهزم فهزامون قدما
وان نغلب فغير مغلبينا

اگر ہم دشمنوں کو شکست دیں تو یہ ہمارا
شیوہ ہے کہ ہم ہمیشہ دشمنوں کو شکست
دیتے ہیں اور اگر ہم بظاہر ناکام ہوئے
تو ہم حقیقت میں ناکام نہیں ہیں۔

وما ان طبنا جبن ولكن
منايانا ودولة آخرينا

خوف و ترس ہمارے نزدیک نہیں
آتا اور جب تک ہم زندہ ہیں ظالموں
کو حکومت نہیں کرنے دیں گے۔ البتہ

وہ ہماری موت کے بعد ہی حکومت
کریں گے۔

اذا ما الموت رفع عن اناس
کلا کلہ اناخ بآخرینا

موت جب اپنے چنگل کو کچھ لوگوں سے
اٹھا لیتی ہے تو دوسروں کے سینے
میں پیوست کر دیتی ہے۔

فافنی ذلکم سروات قومی
کما افنی القرون الغابرینا

موت نے میری قوم کے بزرگوں کو
نگل لیا۔ جس طرح گذشتہ صدیوں
کو ختم کر دیا۔

فلو خلد الملوک اذن خلدنا
ولو بقی الکرام اذن بقینا

اگر دنیا کے شاہان زندہ رہے ہوتے
تو ہم بھی زندہ رہتے اور اگر نیک لوگ،
باقی رہتے تو ہم بھی باقی رہتے

فقل للشامتین بنا افیقوا
سیلقی الشامتون بما لقینا

ہمیں شماتت کرنے والوں کو بتا دو کہ

جس طرح موت آج ہمارے پاس آ
رہی ہے۔ کل تمہارے پاس بھی آئے گی۔[1]

اس خطبے میں حضرت امام حسین علیہ السلام نے عراقیوں، ان کے احوالِ واقعی اور ان کی زندگی میں انحراف کی بات کی ہے۔ اس میں آپؑ نے یہ بھی بتایا ہے کہ عراقیوں نے اپنے جلادوں سے رہائی حاصل کرنے کے لئے امامؑ کے حضور استغاثہ کیا تھا اور بعد میں وہ انہی جلادوں کے ساتھ مل گئے۔

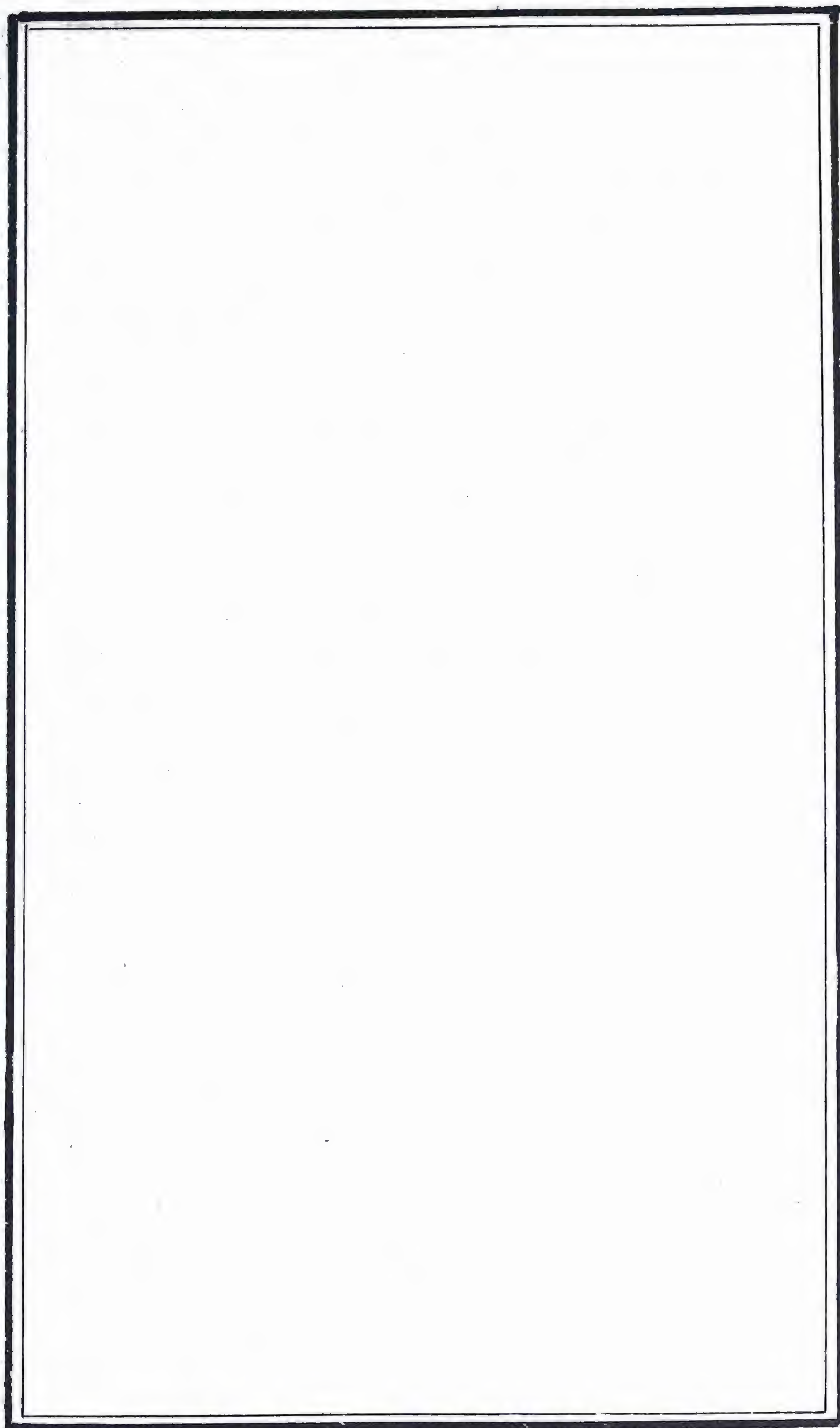
یہ وہ جلاد تھے جنہوں نے ان کے ساتھ کوئی عدل وانصاف نہیں کیا اور جو کچھ ان لوگوں نے عوام کے ساتھ کیا، وہ یہ تھا کہ ان کو ایک ذلت آمیز زندگی اور ناچیز مال کے عوض حرام کے ارتکاب پر مجبور کر دیا۔ ان کی زندگی نہایت پست اور ذلت آمیز تھی، یہ لوگ معمولی اجرت پہ ذلت آمیز زندگی بسر کرتے تھے۔ جن سے ان کی ضروریات بھی پوری نہیں ہوتی تھیں اور اس معمولی اجرت پہ ایک ننگ وعار کا کام ان سے لیا جاتا تھا۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا دشمن تم لوگوں کا بھی دشمن ہے، مگر عراقی اپنی زندگی اپنے ہی ہاتھوں خراب کر رہے ہیں اور جن رہبروں نے ان کو آزادی دی تھی۔ انہی کے ساتھ لڑ رہے ہیں اور اپنے اوپر ظلم کرنے والوں کے ساتھ جنہوں نے ان کو ذلیل وخوار کر رکھا ہے مل گئے ہیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کا یہ انقلابی خطبہ، جس میں آپؑ نے عراقیوں کی سرزنش کی ہے اور ان کے ضمیروں کو فاش کیا ہے، اس وقت کے اموی لشکر پہ حاکم نفسیاتی فضا کے مطابق تھا۔ اس لشکر کے سپاہیوں کو علم تھا کہ وہ کس کے ساتھ لڑ رہے ہیں

---

[1]: اعیان الشیعہ/ قسم اول/ ۱۵۵۔۱۶۰

لہذا امام حسین علیہ السلام نے ان کے ضمیر کو جھنجھوڑا کہ وہ کس قبیح جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں اور کس عظیم گناہ میں اپنے آپ کو ملوث کر رہے ہیں۔ آپؑ چاہتے تھے۔ کہ اس وقت کا ذلیل معاشرہ آپؑ کی اس آواز کو سنے۔ اس طرح کے بیانات سے امام علیہ السلام چاہتے تھے کہ ہر مسلمان ظالموں کے خلاف ایک لاوے کی مانند بن جائے جو دشمنوں کی نابودی کے لئے ہر وقت پھٹنے کے لئے آمادہ ہو۔



(۷)

اسباب انقلاب رائے عامہ کی نظر میں

انقلاب حسین علیہ السلام کے اجتماعی مقاصد کا احساس نہ صرف حضرت امام حسینؑ کے لئے قابل درد تھا، بلکہ تمام مسلمان اس برُے معاشرے کی اصلاح کی ضرورت کا احساس کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے بھی اس چیز کو محسوس کیا جنہوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو عراق آنے کی دعوت دی اور ان لوگوں نے بھی اس کا احساس کیا جنہوں نے آپ کے جام شہادت نوش کرنے کو ترجیح دی۔

جن لوگوں نے آپؑ کو عراق آنے کی دعوت دی تھی وہ معدودے چند افراد نہ تھے بلکہ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ اہل عراق نے امام حسین علیہ السلام کی طرف ۱۵۰ خطوط لکھے[1]

---

[1] الکامل ۳/۲۶۶ - ۲۶۷

دوسرے بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ امامؑ کے پاس اہلِ عراق کی طرف سے بارہ ہزار خطوط پہنچے۔ اس سلسلے میں اکثر مؤرخین نے ایک واقعہ نقل کیا ہے، اس سے ان خطوط کی تعداد کی کثرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام "حر بن ریاحی" سے ملے تو اس سے اور اس کے ساتھیوں سے جو باتیں آپؑ نے فرمائیں، ان میں سے ایک یہ تھی۔

"لوگو! اگر تم اللہ سے ڈرو اور حق حقدار کو دے دو تو اس سے خدا راضی ہوگا اور اسلامی حکومت کی سربراہی کے لیے ہم ان لوگوں سے زیادہ سزاوار ہیں جو اس چیز کا دعویٰ کرتے ہیں، جس کے وہ اہل نہیں ہیں اور جنہوں نے تم پر ظلم و ستم کیا اگر تم نے ہم سے بے زاری اختیار کی اور ہمارے حقوق کو نظر انداز کر دیا اور اگر تمہارا نظریہ وہ نہیں ہے جس کا تم نے اپنے خطوط میں اظہار کیا ہے اور تمہارے نمائندوں نے بیان کیا ہے۔ تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔"

حر نے کہا:-

"قسم بخدا ہمیں ان خطوط کے بارے
میں کوئی علم نہیں ہے جن کا آپؑ
نے ذکر کیا۔

جناب امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

"اے عقبہ بن سمعان ان دو تھیلیوں
کو نکال لاؤ۔ جن میں ان کے خطوط
موجود ہیں۔"

چنانچہ اس نے دو تھیلیاں پیش کیں جو خطوط سے پر تھیں اور یہ خطوط ان کے سامنے رکھ دیئے۔[1]

اس سے ہم ان خطوط کی کثرت کے بارے میں اندازہ لگا سکتے ہیں، جن کو امام کی طرف بھیجا گیا اور جن میں قیام کرنے کی دعوت دی گئی تھی اور ساتھ دینے کا وعدہ کیا گیا تھا اور یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ یہ خطوط سارے انفرادی نہیں تھے بلکہ ہر ایک خط ایک دو سے لے کر دس افراد تک کی طرف سے تھا۔[2]

---

[1]: الطبری ۴/۳۰۳ الکامل ۳/۲۸۰، اعلام الوریٰ۔ ۲۲۹، الاخبار الطوال ۲۴۹، اعیان الشیعہ

[2]: الطبری ۴/۲۶۲ اعیان الشیعہ میں مذکور ہے کہ اہل کوفہ نے ۱۵۰ خطوط جو ایک، دو سے لے کر چار آدمیوں کی طرف سے لکھے گئے تھے "قیس ابن مسہر صیداوی" عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن شداد الارحبی، عمارۃ بن عبداللہ سلولی کے ساتھ روانہ کیے لیکن امام نے ان کی اس دعوت کو قبول نہ کیا یہاں تک کہ ایک ہی دن میں ۶۰۰ خطوط امام کے پاس پہنچ گئے۔ خطوط کا ایک سیلاب جاری رہا یہاں تک کہ مختلف خطوط کی کل تعداد بارہ ہزار تک پہنچ گئی۔

لہذا یہ تحریک ایک انفرادی تحریک نہیں تھی بلکہ پورے اہل عراق کی تحریک تھی۔ جو عراقی اکثریت نے شروع کی تھی۔

ان خطوط میں سے ایک خط کا مضمون بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔

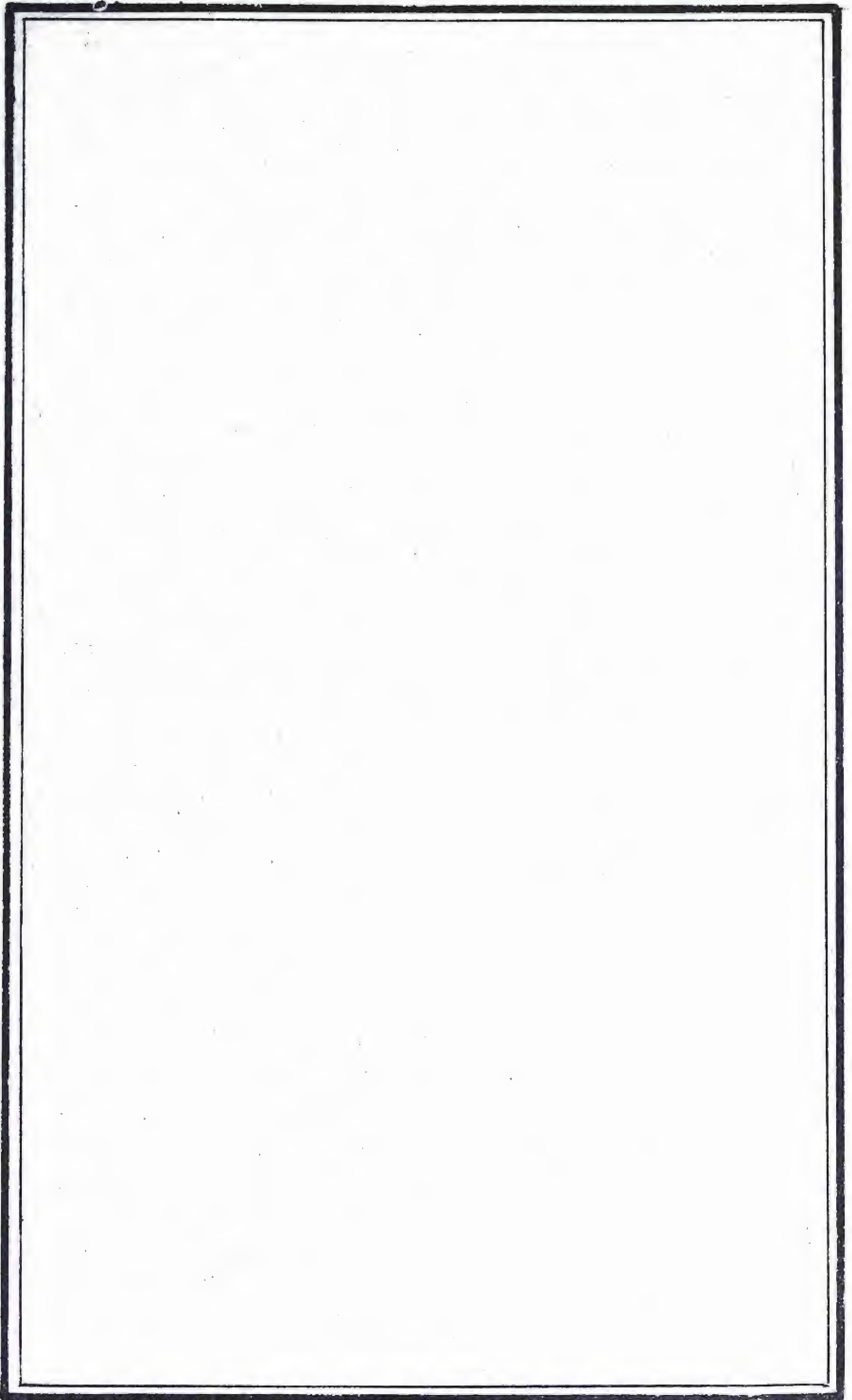
"سلام علیک۔ امابعد شکر ہے۔ اس خدا کے لئے جس نے آپؑ اور آپؑ کے والدؑ بزرگوار کے دشمن کو نابود کر دیا جو جابر کینہ ور اور ستمگر تھا۔ جو اس امت کی گردن پر سوار رہا۔ اس کی تقدیر سے کھیلتا رہا اور اس کے بیت المال کو غصب کیا اور قوم کی رضامندی کے بغیر اقتدار پر قبضہ کر لیا جس نے صالح بندوں کو شہید کر دیا اور قوم کی دولت کو ظالموں اور خونخواروں میں تقسیم کیا خدا اسے قوم ثمود کی طرح اپنی رحمت سے دور کر دے۔ ہمارا آپ کے سوا کوئی امام نہیں ہے۔ تشریف لے آئیں۔ شاید آپؑ کی وجہ سے ہم راہ حق میں متحد ہو جائیں۔ اس وقت کوفے کا حکمران نعمان ابن بشیر ہے جو سرکاری قصر میں رہ رہا ہے۔ نہ

ہم اس کے جمعہ میں شرکت کرتے ہیں نہ عید
کے دن اس کی طرف جاتے ہیں اور اگر ہمیں
پتہ چلے کہ آپؑ پہنچ رہے ہیں تو ہم اسے
یہاں سے نکال کر شام روانہ کر دیں گے
ہمارا سلام و درود ہو آپؑ پر اے
فرزند رسولؐ ۔[1]"

یہ تھا ایک نمونہ ان خطوط کا جو امام حسین علیہ السلام کو قیام کی دعوت دیتے ہوئے لکھے گئے۔ ان خطوط سے انقلاب کے اجتماعی عوامل کا پتہ چلتا ہے اور تشدد و غربت ہی وہ عوامل تھے جن کی وجہ سے یہ لوگ انقلاب کے لئے آمادہ ہو گئے تھے اور جناب سید الشہداؑ ہی وہ واحد ہستی ہیں جو اس انقلاب کی قیادت کر سکتے تھے۔ کیونکہ امامؑ کے علاوہ اس وقت کوئی ایسا فرد نہ تھا جو لوگوں کے دکھ درد کا احساس کرے اور ان کی امیدوں پر پورا اترے۔

---

[1]: الطبری ۴/ ۲۶۱ - ۲۶۲، الکامل ۴/ ۲۶۶



(۸)

اسباب انقلاب
انقلابیوں کی نظر میں

ان افراد کو چھوڑ کر جنہوں نے پہلے انقلاب کی دعوت دی اور بعد میں میدان سے نکل گئے۔ اگر ہم ان انقلابیوں کا نظریہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ جنہوں نے آخری دم تک استقامت کا مظاہرہ کیا اور امام مظلومؑ کے ساتھ شہادت کے مقام پر فائز ہوئے تو ان کا نظریہ بھی عیناً وہی ہے۔ جس کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے اور انہی علل واسباب کی بنا پر یہ لوگ بھی انقلاب کی ضرورت کے قائل تھے اور وہ اموی لشکر سے بھی انہی اسباب کی تائید لینا چاہتے تھے۔ وہ علل واسباب یہ تھے ظلم وتشدد اور عوام کی تذلیل یہ جرائم اس وقت کے حکمرانوں سے سرزد ہو رہے تھے۔

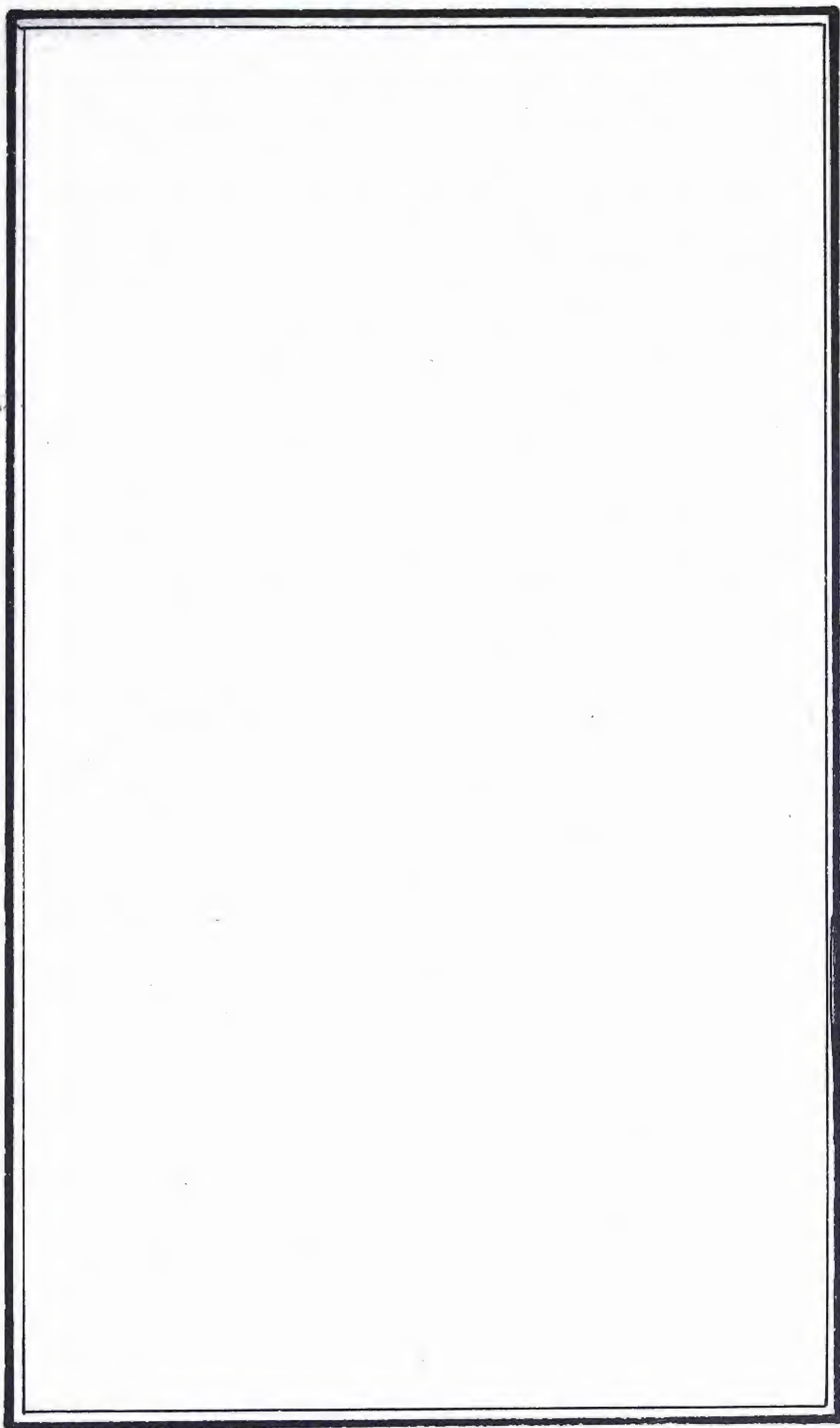
ذہیر ابن قین اپنے گھوڑے پر مسلح سوار ہو کر لشکر اموی کے مقابلے میں آئے اور یہ خطبہ دیا۔

"اے اہل کوفہ! میں تمہیں عذاب الٰہی سے خبردار کرتا ہوں۔ ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ اپنے مسلم بھائی کو نصیحت کرنے کا اپنا حق ادا کرے اور ہم اب تک آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ہم اس وقت تک ایک ملت کے افراد اور ایک دین کے ماننے والے ہیں جب تک ہمارے درمیان میں تلواریں نہیں چل جاتیں اور تم ابھی تک نصیحت کے مستحق ہو اور اگر ہمارے درمیان تلواریں آگئیں تو برادری کا رشتہ ٹوٹ جائے گا پھر تمہارا دین، اور ہمارا دین جدا ہوگا۔

خداوند عالم نے ہم کو اور تم کو آلِ رسولؐ کے ذریعے آزمایا ہے تاکہ یہ دیکھے کہ ہم اور تم ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ اب ہم تم کو دعوت دیتے ہیں کہ تم آلِ رسولؐ کی مدد کرو اور دشمن خدا عبداللہ ابن زیاد کی مدد نہ کرو۔ کیونکہ ان لوگوں کی حکومت کی

عمر جس قدر طویل ہو گی۔ تمہارا نقصان
زیادہ ہو گا اور یہ لوگ تمہیں اندھا کر
دیں گے اور تمہارے ہاتھ پیر کاٹ دیں
گے اور تمہیں قتل کرنے کے بعد تمہارا
مثلہ کریں گے اور تمہیں کھجوروں کے
درخت پر سولی دیں گے اور تمہارے بزرگان
اور شخصیتوں کو قتل کریں گے جس طرح انہوں
نے "حجر ابن عدی" اور اس کے ساتھی "ہانی ابن
عروہ" وغیرہ کو قتل کیا ہے۔"

لشکر یزید نے "زہیر" کو دشنام اور ناسزا کے ساتھ جواب دیا اور ابن زیاد کی مدح و ثنا کرنی شروع کر دی اور کہنے لگے۔ قسم بخدا ہم اس وقت تک یہاں سے نہیں جائیں گے۔ جب تک تیرے امام اور ان کے ساتھیوں کو قتل نہ کر دیں یا ان کو زندہ گرفتار کر کے ابن زیاد کے سامنے پیش نہ کر دیں۔



(حصّہ سوئم)

اسلامی معاشرے میں انقلاب حسین ؑ کے آثار

حادثۂ کربلا نے اسلامی معاشروں
کے ضمیر میں بیداری پیدا کردی
اور اسلامی معاشرے پر اس واقعہ
نے بہت گہرا اثر چھوڑا، جس سے
انسان نے اپنی شرافت و مقام
کا دفاع کرنا سیکھا اور جذبۂ جہاد کو
جو اس وقت نیم مردہ ہو چکا تھا۔
تازہ شعلہ مل گیا اور مردہ ضمیروں
میں نئی روح پھونک کر ان میں
ایک ولولہ پیدا کر دیا۔

انقلاب حسینؑ کی فتح و شکست کا معیار

اس سے پہلے ہم نے اموی حکومت کے خلاف انقلاب حسین علیہ السلام کے مختلف پہلوؤں پہ بحث و گفتگو کی اور اس انقلاب کو جن اجتماعی اور انفرادی حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ اس کی بھی تشریح کی اور اس انقلاب کے عوامل و مقاصد پر بھی بات ہوئی۔ اس سے پیشتر ہم نے حسینؑ کے اس انقلابی کاروان کے ساتھ کچھ مراحل طے کئے مگر خود واقعہ کربلا کے بارے میں کوئی گفتگو ابھی تک نہیں ہوئی، کیونکہ اس سے پہلے بھی ہم نے ذکر کیا تھا کہ خود واقعہ ہمارا موضوع بحث نہیں ہے، صرف دوران گفتگو کسی مناسبت سے ہم نے فقط اشارہ کرنے پہ اکتفا کیا ہے،

اب ہم اس انقلاب کے آثار و نتائج پہ بات کرنا چاہتے ہیں۔ کیا یہ انقلاب جس معاشرے سے اٹھا تھا اس کو سدھارنے میں کامیاب ہو گیا؟ اور کیا انقلابیوں کو فتح حاصل ہو گئی؟ اور کیا وہ اپنے دشمنوں کو زیر کر سکے؟

یہ وہ سوالات ہیں جن کو دنیا میں آنے والے ہر انقلابات کو پڑھنے اور سننے والا اٹھاتا ہے اور ہر انقلاب کی فتح و شکست کا فیصلہ ان مستند باتوں میں پوشیدہ ہے جو ان سوالات کے جواب میں کہی جاتی ہیں تو کیا حسینی انقلاب کامیاب تھا؟ یا یہ دنیا کے باقی شکست خوردہ انقلابات کی طرح تھا جو وقتی طور پہ بھڑک اٹھتے اور پھر خاموش ہو جاتے ہیں اور اپنے ہی حامیوں میں ایک دردناک داستان کے سوا کچھ نہیں چھوڑتے۔

ہو سکتا ہے کہ کوئی کہہ دے کہ یہ انقلاب ناکام رہا ہے کیونکہ اس انقلاب کو کوئی فوری سیاسی فتح حاصل نہیں ہوئی اور اس وقت کے معاشرے میں کوئی اچھی

تبدیلی بھی نہیں آئی مسلمانوں کی حالت انقلاب کے بعد بھی بعینہٖ وہی تھی ۔ جو انقلاب سے پہلے تھی ۔

انقلابِ کربلا کے بعد بھی مسلمانوں کو چوپایوں کی طرح جہاں دوسرے چاہتے لے جاتے اور خود مختاری نام کی کوئی چیز ان کے لئے نہیں تھی اور پہلے کی طرح غربت اور تشدد کی سیاست پر عمل ہوتا رہا، اور انقلاب دشمنوں نے نہ صرف یہ کہ کچھ کھویا نہیں بلکہ ان کی طاقت وقوت میں اور اضافہ ہو گیا۔ دوسری طرف انقلابیوں کو اس انقلاب کی آگ نے نگل لیا اور پسماندگان کو صدیوں تک موت، ذلت دربدری اور محرومیت کے ساتھ دوچار ہونا پڑا۔ لہذا یہ انقلاب اجتماعی طور پر ناکام رہا ہے۔

مگر چشم حقیقت بین پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ انقلاب کامیاب رہا ہے۔ انقلابِ حسین کو سمجھنے کے لئے فوری فتح اور کشورکشائی سے ہٹ کر اس کے اغراض ومقاصد کو سامنے رکھنا چاہیئے۔ کیوں کہ جو دلائل ہمارے ہاتھ میں ہیں۔ ان کے مطابق حضرت امام حسین علیہ السلام کو معلوم تھا کہ اس انقلاب میں ان کے ساتھ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے چنانچہ ابن زبیر نے آپؑ سے مکہ میں اعلانِ انقلاب کرنے کی درخواست کی تو آپؑ نے فرمایا۔

"قسم بخدا اگر میں بلوں میں پناہ لوں تو
بھی وہ مجھے وہاں سے نکالیں گے
اور اپنا مقصود پورا کریں گے،
قسم بخدا وہ میرے ساتھ وہی
سلوک کریں گے جو یہود نے

ہفتے کے دن کیا تھا۔[۱]

نیز آپؑ نے فرمایا۔

"قسم بخدا یہ لوگ مجھے قتل کئے بغیر مجھ سے ہاتھ نہیں اٹھائیں گے۔ اور جب وہ ایسا کر چکیں گے تو خدا ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کرے گا جو انہیں ذلیل کر دیں گے۔"[۲]

اور آپؑ کو نصیحت کرنے والے سب لوگوں نے بھی اس بات پر ہی اتفاق کیا کہ آپؑ اس انقلاب میں فوری نتیجہ تک نہیں پہنچیں گے کیونکہ جنگی اور اقتصادی طاقتیں سب آپؑ کے خلاف ہیں۔ یہ لوگ آپ کو مکہ قیام کرنے یا عراق کے علاوہ کسی اور ملک میں جانے کا مشورہ دیتے تھے۔

"عمر بن عبدالرحمٰن مخزومی" "عبداللہ بن عباس" "عبداللہ بن عمر" "محمد بن حنفیہ" اور "عبداللہ بن جعفر" کا ذکر ان نصیحت کرنے والوں میں آتا ہے، مگر امام حسینؑ نے ان میں سے کسی کا نظریہ قبول نہیں فرمایا اور "عبدالرحمٰن بن حرث" کے جواب میں ارشاد فرمایا۔

"اے پسر عم خدا تجھے جزائے خیر دے مجھے معلوم ہے کہ آپ نے مخلصانہ

---

[۱]، [۲]: تاریخ طبری ۴/۲۸۹ و ۲۹۶۔ کامل ابن اثیر ۳/۲۷۵۔ ۲۷۶۔ الاخبار الطوال۔ ۲۲۳

مشورہ دیا ہے اور عاقلانہ باتیں کی ہیں
مگر جو خدا چاہتا ہے وہی ہوتا ہے
خواہ میں آپ کی رائے پر عمل کروں یا
نہ کروں۔ آپ میرے نزدیک بہترین
مشیر اور مخلص ناصح ہیں[1]

اور عبداللہ بن عباس سے فرمایا۔

" اے پسرِ عم مجھے معلوم ہے کہ آپ
سمجھدارانہ نصیحت کر رہے ہیں لیکن
میں نے جانے کا فیصلہ کر لیا ہے[2]

دوسری جگہ آپؑ نے فرمایا:

" کسی دوسری جگہ قتل ہونا اس بات
سے میرے لئے بہتر ہے کہ میری
وجہ سے حرم کعبہ کی بے حرمتی ہو جائے[3]

اور عبداللہ بن عمر نے جب آپؑ کو یزید کے ساتھ صلح کرنے کا مشورہ دیا تو آپؑ نے فرمایا۔

" کیا تجھے معلوم نہیں کہ دنیا کی بے اعتباری

---

۱ ۲: الطبری ۴ / ۲۸۷ - ۲۸۸ ، الکامل ۳ / ۲۷۵ - ۲۷۶
۲ ایضاً
۳ اخبار مکہ طبع مکہ ۲ / ۱۳۲ - اعیان الشیعہ قسم اوّل ۲۱۲

کی ایک نشانی یہ ہے کہ حضرت یحییٰ
کا سر مبارک بنی اسرائیل کے ایک
زانی کے پاس ہدیہ کے طور پر پیش
کیا گیا۔ خوف خدا کرو اور میری نصیحت
سے ہاتھ نہ اٹھاؤ لے

فرزدق نے جب آپؑ سے کہا کہ لوگوں کے دل تو آپ کے ساتھ ہیں لیکن تلواریں
آپ کے خلاف ہیں
تو آپؑ نے فرمایا:

" تو نے سچ کہا مگر ہر چیز اللہ کے ہاتھ
میں ہے جو چاہے کر دے۔ ہمارا رب
ہر روز ایک تقدیر بناتا ہے۔ اگر
تقدیر الٰہی ہمارے مقصد کے مطابق
رہی تو ہم شکر گزار ہوں گے۔ اور
اس کے شکر کرنے کے لئے اسی سے
مدد مانگیں گے اور اگر تقدیر الٰہی
ہمارے اور مقصد کے درمیان حائل
ہو گئی اور ہماری مرادیں پوری نہ
ہوئیں تو جس کی نیت مبنی بر حق ہو
اور جس نے تقویٰ و پرہیزگاری
کو اپنایا ہو اس کو اس بات

لے اعیان الشیعہ قسم اول / ۲۱۲

کی کوئی پراہ نہیں ہے"[1]

حاکم مدینہ "عمرو بن سعید بن العاص" نے امامؑ کی خدمت میں ایک خط لکھا جس میں اس نے امان دینے اور آپؑ کے احترام وعزت کو قائم رکھنے کا وعدہ کیا تھا۔ یہ خط اس نے اپنے بھائی "یحییٰ بن سعید" اور عبداللہ بن جعفر کے ہاتھ آپؑ کو بھیجا انہوں نے ہر چند کوشش کی آپؑ واپس آجائیں۔ لیکن آپ نے واپس جانے سے انکار کیا اور فرمایا:"

"میں نے اس زندگی سے ہاتھ اٹھا
لیا ہے اور حکم خدا کے نفاذ کا عزم
کر چکا ہوں"

جب بھی آپ کسی منزل پر نزول فرماتے۔ آپؑ کو کوئی نہ کوئی نصیحت کرتے ہوئے یہ ضرور کہتا کہ "حضور آپ عراق نہ جائیں۔ وہ اہلِ عراق کی بے وفائیوں اور خیانتوں کا ذکر کرتا۔ حضرت مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کی شہادت کی خبر آگئی، اس وقت آپ ثعلبیہ میں پہنچ چکے تھے۔ کچھ ساتھیوں نے یہاں سے واپس جانے کے لئے کہا۔ مگر آپؑ نے انکار فرمایا۔ جب آپ "زبالہ" نامی جگہ پہنچ گئے تو آپؑ کے رضاعی بھائی "عبداللہ بن یقطر" کی شہادت کی خبر آپؑ کو سنائی گئی تو آپؑ نے اپنے اصحاب کو یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔

"مجھے ایک دردناک خبر ملی ہے کہ مسلم بن عقیل،
ہانی بن عروہ اور عبداللہ بن یقطر"

---

[1] الطبری ۲۹۰/۴ الکامل۔ ۲۷۶/۳

شہید کر دیئے گئے ہیں اور ہمارے
ماننے والوں نے ہماری مدد نہیں
کی ہے۔ اب تم میں سے جو لوٹنا چاہتا
ہے وہ کسی سرزنش کے قابل ہوئے
بغیر لوٹ سکتا ہے اور میں نے اُن کی
گردنوں سے اپنی بیعت اٹھالی ہے۔

اس وقت بہت سے لوگ امامؑ کو چھوڑ کر دائیں بائیں طرف چلے گئے اور صرف وہی اصحاب باقی رہ گئے، جو مدینہ سے آپؑ کے ساتھ چلے تھے۔ امام حسینؑ نے ایسا اس لئے کیا کہ آپؑ جانتے تھے کہ راستے میں کچھ صحرانشین عرب اس گمان پہ آپؑ کے ساتھ ہو گئے تھے کہ امامؑ ایسے علاقوں میں جا رہے ہیں۔ جہاں سب ان کے فرمانبردار ہیں۔ لہذا امام علیہ السلام چاہتے تھے کہ یہ لوگ جان لیں کہ ہم کہاں اور کس مقصد کی طرف جا رہے ہیں۔ امامؑ جانتے تھے کہ اگر امر واقع ان پر واضح ہو جائے تو سوائے ان لوگوں کے جو آپؑ پر اپنی جان نثار کرنا چاہتے ہیں۔ دوسرے لوگ آپؑ کے ساتھ نہیں رہیں گے۔[1]

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس شخص کے جواب میں جو آپ کو یہ مشورہ دے رہا تھا کہ آپؑ پر اب ہر چیز واضح ہو گئی ہے۔ آپ کسی امان گاہ کی طرف واپس چلے جائیں فرمایا:

"بات تو تم نے صحیح کی ہے۔ مگر اللہ
کی مشیت کو کون بدل سکتا ہے"[2]

---

[1] [2]: الطبری ۴/ ۳۰۰/ ۳۰۱ الکامل ۲/ ۲۷۸

قربانی کی عظیم مثال

یہ ساری باتیں اس بات پر دال ہیں کہ امام علیہ السلام اپنے انجام کار سے باخبر تھے۔ لہذا یہ درست نہیں ہے کہ امام حسین علیہ السلام کا مقصد حکومت پر قبضہ کرنا تھا۔ قیام حسین علیہ السلام کا مقصد وقتی کامیابی نہ تھا۔ آپ جانتے تھے کہ ان حالات میں کسی وقتی اور فوری کامیابی کا حاصل کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔

البتہ یہ بات ہمارے لئے باعث تعجب ہو سکتی ہے کہ یہ کیسے ممکن ہوا کہ امامؑ اپنے مخلص ساتھیوں کو لے کر از خود موت کی طرف خوشی سے چلے جائیں۔ اور کیسے ممکن ہوا کہ ناکامی یقینی ہونے کے باوجود دشمن کا مقابلہ کریں؟ اور اپنے آپ کو دشمن کے حوالہ کردیں۔

یہ وہ سوالات ہیں جو بحث طلب ہیں۔

میری نظر میں اس وقت کا اسلامی معاشرہ ایک شجاعانہ قربانی کا محتاج تھا۔ جو اس معاشرے میں جہاد کی روح پھونک دے، مقدس اصولوں کی خاطر ایک عظیم قربانی دے کر اپنی ذات سے ہاتھ اٹھائے اور ان تمام انقلابی عناصر کے لئے ایک عظیم مشعل راہ ثابت ہو جائے جو شکست کے خوف سے مرعوب ہو جاتے ہیں سو یہ کارنامہ حسین علیہ السلام نے انجام دے دیا۔

اس زمانے کے معاشرے میں لوگ معاشرے کو سدھارنے کے لئے کوئی عمل انجام دینے سے اس لئے کتراتے تھے کہ ان کو خوف لاحق تھا کہ کہیں انہیں قربانی دینی نہ پڑے اور ان کے دنیاوی مفادات جو چند روز کے وظیفے ہوا کرتے تھے، بند نہ ہو جائیں۔

یہ صرف بڑے لوگوں کی عادت نہیں تھی بلکہ عام افراد کا رویہ بھی یہی تھا۔ اسی لئے یہ لوگ اپنی تقدیر بنانے کے لئے نکلنے سے خوف کھاتے تھے اور جس وقت "ابن زیاد" نے حضرت "مسلم بن عقیل" کو گرفتار کیا۔ اس وقت عراق والے اپنے عزیزوں کو مقابلہ کرنے سے روکتے تھے اور اپنے فرزند، بھائی اور شوہر کا ہاتھ پکڑ کر انہیں میدان جہاد سے نکال کر لے جاتے تھے۔

جن لوگوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے کہا کہ "لوگوں کے دل آپ کے ساتھ اور تلواریں آپ کے خلاف ہیں انہوں نے صحیح تجزیہ کیا ہے کیونکہ لوگوں کے دل واقعاً امام کے ساتھ تھے اور وہ موجودہ معاشرے کو سدھارنا چاہتے تھے، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ اس مقصد کے حصول کے لئے قربانی دینا پڑے گی۔ اور جان تک سے ہاتھ دھونا پڑیں گے تو وہ پیچھے ہٹ گئے اور اپنی تلواروں کو دشمن کے حوالے کر دیا جہاں سے جنگ کرنے کی ان کو اجرت مل جاتی تھی۔ حالانکہ امام علیہ السلام خود ان کو آزاد کرانے کے لئے ان کی منشاء کے مطابق آئے تھے۔

"ابن زیاد" کو جب یقین ہو چلا کہ امام حسین علیہ السلام اپنے عزم میں مضبوط ہیں تو اس نے لوگوں کو مسجد کوفہ میں جمع کیا اور یزید اور اس کے باپ کے فضائل وضاحت سے بیان کئے اور ان کے وظیفوں میں سو فیصد اضافہ کر دیا اس کے بعد اس نے حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کے لئے تیاری کرنے کا حکم دیا۔[1]

---

[1] اعیان الشیعہ ۴/ قسم اول ۲۳۶

وسیع پیمانے پر عوامی تحریک کے سلسلہ میں اس وقت عوام کا یہ موقف تھا۔ خواص کا موقف آپ کو پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے۔ اس کا ایک اور نمونہ یہ ہے کہ بنی امیہ کے امیر لشکر "عمر بن سعد" کو اس بات میں تردد تھا کہ حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے کو اختیار کرے، یا "رے" کی حکومت سے ہاتھ اٹھا لیا جائے اس نے پہلی بات کو دوسری بات پر ترجیح دی[1]

حضرت امام حسین علیہ السلام نے ابن سعد سے فرمایا:

"اے ابن سعد! تجھ پر افسوس ہو۔
کیا تو خوفِ خدا نہیں رکھتا اور میرے
ساتھ لڑنے کے لئے آمادہ ہے؟
تجھے معلوم ہے کہ میں کس کا بیٹا ہوں
اس قوم کو چھوڑ کر میری طرف آجا۔
تاکہ تو خدا کے نزدیک ہو جائے۔

ابن سعد! مجھے ڈر ہے کہ وہ
میرے گھر کو تباہ کر دیں گے۔

امام حسین علیہ السلام: میں تیرے
لئے گھر بنا دوں گا

ابن سعد! میری جائیداد پر یہ
لوگ قبضہ کر لیں گے۔

امام حسین علیہ السلام: حجاز میں جو
میرے پاس مال و دولت ہے۔ اس

---

[1] الطبری ۴/۳۰۹ - ۳۱۰

میں سے تجھے تیری جائداد سے بہتر

دے دوں گا۔

ابن سعد: میں اپنے بچوں کے

بارے میں خائف ہوں۔

یہاں سے امام علیہ السلام پر یہ بات واضح ہوگئی کہ اس کا دل اور ضمیر مردہ ہو چکے ہیں۔ کیونکہ وہ شخص جو اپنے معاشرے کو یہ درجہ دیتا ہے وہ انسان سالم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حضرت امام حسین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔

"خدا کرے تیرا سر بستر خواب پہ ہی

کٹ جائے اور روز محشر تیرا گناہ

نہ بخشا جائے۔ مجھے امید ہے کہ تو عراق

کی گندم زیادہ نہیں کھا سکے گا۔"

ابن سعد نے طنزاً کہا "گندم نہیں تو جو سہی"۔

یہ تھا زمانِ امام علیہ السلام کا اسلامی معاشرہ، ایک بیمار معاشرہ، جس کے افراد دنیا کے تھوڑے مال و متاع کے عوض اور تشدد کے ذریعہ بک جاتے تھے۔ اس معاشرے کے لئے اپنی عزتِ رفتہ کو لوٹانا ممکن نہ رہا تھا چنانچہ اس سے اپنی ذلت و خواری کا احساس بھی جاتا رہا، اس معاشرے میں انقلابی روح کا پھونکنا ایک ایسی قربانی پر موقوف تھا۔ جو عظمت میں اپنے اصول کے دفاع اور اس کی راہ میں جان دینے کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہو، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس نہ اتنی دولت تھی، جو اس وقت کے پورے اقتصاد پر قابض بنی امیہ کا مقابلہ کر سکے اور اصولِ اسلام کے پابند ہونے

کی وجہ سے آپ لوگوں کو ڈرا دھمکا کر بھی اپنے گرد جمع نہیں کر سکتے تھے۔ لہذا ایسے معاشرے میں جہاں صرف مال و دولت کی خاطر اور تشدد و جبر کے ذریعہ ہی جنگ لڑی جا سکتی ہے۔ وہاں عسکری فتح حاصل کرنا ممکن نہ تھا۔ آپ صرف وہی کام کر سکتے تھے جو آپ نے کر دیا تاکہ معاشرے کی گہرائیوں تک کو لرزا کر رکھ دیا جائے اور اس معاشرے کے سامنے ایک ایسی مثال قائم کی جائے۔ جس کے اثرات ہر فرد کے ضمیر میں خون و آتش کے ساتھ منقش ہو جائیں۔

جب ہم ان شہداء پر نگاہ ڈالتے ہیں جو کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شہید ہوئے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان میں عرب کے بڑے بڑے قبائل کے لوگ تھے۔ ایسے کم قبیلے ہیں۔ جن کے ایک یا دو آدمی امام علیہ السلام کے ساتھ شہید نہ ہوئے ہوں۔[۱]

یہاں سے ہم بجا طور پر یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ واقعہ کربلا نے دینی معاشرے کے ضمیر میں بیداری پیدا کر دی اور ایک عجیب انقلاب برپا کیا اور اسلامی معاشرے میں ایک جامع دگرگونی پیدا کی اور یہی واقعہ کافی تھا کہ مسلمانوں کو اپنی دینی شرافت اور عزت کے دفاع کے لئے اٹھا دے اور سوئے ہوئے جذبۂ جہاد میں نئی روح پھونک دے۔

ان تمام باتوں سے ہمیں یہ نتیجہ اخذ کرنا چاہیئے کہ اس انقلاب سے ایسے نتائج کی توقع کرنا درست نہیں ہے۔ جو دوسرے انقلابات سے ہم رکھتے ہیں، بلکہ انقلاب حسینؑ کے اثرات اور نتائج کو درج ذیل امور میں تلاش کرنا چاہیئے۔

۱۔ مزید معلومات کے لئے اعیان الشیعہ ۴/ قسم اول کا مطالعہ فرمائیں۔

۱۔ بنی امیہ کے خود ساختہ مذہب کے اثر و رسوخ کا خاتمہ جس سے وہ اپنی استبدادی حکومت کو دینی رنگ دے کر اپنی لادینی اور جاہلیت پر مبنی حکومت کا جواز پیش کرتے تھے۔

۲۔ ہر مسلم فرد کے ضمیر میں احساسِ گناہ کو زندہ کرنا۔ جو محاسبۂ ذات پر منتہی ہو جس کی روشنی میں وہ اپنا اجتماعی اور اپنی زندگی کے موقف کو متعین کرے۔

۳۔ ہر عرب اور مسلمان انسان کے لئے جدید انسانی قدروں کا احیاء۔ تاکہ وہ ایسے عالم کا مشاہدہ کرے۔ جس میں کوئی تاریکی نہ ہو۔

۴۔ مسلمانوں میں جذبۂ جہاد کا ابھارنا۔ تاکہ وہ معاشرے کی تعمیرِ نو کرسکیں اور اپنی عظمتِ رفتہ کو دوبارہ بحال کرسکیں۔

بنیؔ امیہؔ کے دینی اثرورسوخ کا خاتمہ

اس سے پہلے ہم ذکر کر چکے کہ بنی امیہ کس طرح اپنے آپ کو خلیفہ رسول ثابت کرتے تھے اور ان کی حکومت کو تقدیر و مشیت الہی کا نتیجہ بتاتے تھے، اس طرح وہ لوگوں کے مذہبی عقائد سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ اس کے پیچھے ان کا مقصد یہ تھا کہ ہر ممکنہ انقلابی کوششوں کو دبا دیا جائے۔ خواہ بنی امیہ لوگوں پہ جس قدر مظالم توڑ دیں اور ان کو غربت و گرسنگی اور ملک بدری کا سامنا کرنا پڑے اور دین ہی کے نام سے ہر اس آدمی کو دبایا جائے جو ان کے خلاف قیام کرنا چاہتا ہے۔ خواہ وہ اس میں حق بجانب ہی کیوں نہ ہو۔

بنی امیہ نے اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے جعلی احادیث سے بھی کام لیا اور دین و مذہب کے تاجروں نے احادیث گھڑنے کا کام سرانجام دیا۔ معاویہ ان افراد کو اپنے پراپیگنڈے کے لئے استعمال کرتا تھا اور انہیں دل تائیں

اور وعظ گھڑنے پر آمادہ کرتا تھا اور وہ اپنی داستانوں اور وعظ کے ضمن میں احادیث گھڑ لیتے تھے، وہ مختلف تعلیمات کی تبلیغ کرتے تھے اور بنی امیہ ان تعلیمات کی تائید و حمایت کرتے تھے۔

معاویہ نے داستان سازی کو حکومت میں رسمی طور پر باقاعدہ شامل کر دیا اور کچھ لوگوں کو "محدث" کا عنوان دے کر ان کے لئے سرکاری سہولتیں فراہم کیں۔ یہ لوگ ہر روز محافل اور مجالس میں احادیث بیان کرتے تھے۔

لیث بن سعد کا کہنا ہے کہ:

"خاص لوگوں کی سیرت بیانی اور داستان طرازی کو معاویہ نے ایجاد کیا ہے، اس نے ایک شخص صرف اسی کام کے لئے متعین کیا تھا کہ وہ ہر روز نماز صبح کے بعد بیٹھ جائے اور حمد و ثنا اور رسول پاکؐ پر درود بھیجنے کے بعد خلیفہ، اس کے اہل خانہ اس کے اہل کار، اور فوجیوں کے لئے دعا کرے اور اس خلیفہ کے دشمنوں اور مشرکین پر لعنت کرے[1]

ان جعلی احادیث۔ اشعار۔ مختلف فرقے۔ اور داستان ساز اداروں کی وجہ

---

[1]: فجر الاسلام/۱۵۸ - ۱۶۰

سے لوگ بنی امیہ کی حکومت پر ایمان لے آئے تھے اور ان کے خلاف قیام کرنے کو ناجائز سمجھتے تھے۔ خواہ وہ اس دین کی حدود سے خارج ہی کیوں نہ ہوں، جس کو انہوں نے اپنی حکومت کے جواز کے لئے وسیلہ بنایا تھا۔ ان اداروں نے اپنا کام کر دیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ بنی امیہ کے مطیع ہو گئے۔ خواہ وہ کتنے ہی ظالم ہی کیوں نہ تھے۔

ہم یہاں پر انقلاب حسین ؑ کے چند تاریخی شواہد پیش کرتے ہیں۔

ابن زیاد نے لوگوں کو حضرت "مسلم بن عقیل" کا ساتھ دینے سے روکتے ہوئے کہا:

واعتصموا بطاعة الله وطاعة ائمتکم۔

یعنی اللہ اور اپنے اماموں کی اطاعت کو تھامے رکھو[1]

اور حضرت مسلم بن عقیل جب ابن زیاد کے ہاتھ گرفتار تھے۔ انہوں نے مسلم بن عمر و باہلی کو جو ابن زیاد کا ایک آلۂ کار تھا، قصر امارہ کے دروازے پر موجود کوزوں سے پانی پلانے کے لئے کہا۔ تو اس نے جواب دیا۔

"یہ پانی کس قدر ٹھنڈا ہے۔ قسم بخدا تم اس میں سے ایک قطرہ بھی نہیں پی سکو گے۔ آتش جہنم میں حمیم کا پانی پیو گے۔"

---

[1] الطبری ۴/ ۲۷۵

حضرت مسلم نے فرمایا۔ تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا۔

میں وہ شخص ہوں جس نے حق کی معرفت حاصل کی جب کہ تم نے حق کو چھوڑ دیا اور جب تم نے اپنے امام اور امت کی خیانت کی تو میں امام اور امت کا وفادار رہا اور جب تو نے ان کی نافرمانی کی تو میں نے ان کی اطاعت کی ہے[1]

اور عمرو بن الحجاج زبیدی نے، جو بنی اُمیہ کے سپاہ لاروں میں سے تھا، کربلا میں جب کچھ لوگوں کو حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف جاتے اور ان کی طرف سے لڑتے دیکھا تو کہا۔

"اے اہل کوفہ! اپنے امیر کی اطاعت
کرو اور اپنی جماعت کے ساتھ
رہو اور اس شخص کے قتل میں تردد
نہ کرو جو دین سے خارج ہو گیا ہے
اور جس نے اپنے امام کی نافرمانی کی ہے"[2]

اس قسم کے شواہد بہت سے ہیں کہ بنی امیہ لوگوں کو ایک بہت بڑا دینی فریضہ سرانجام دینے کے لئے حضرت امام حسین علیہ السلام سے جنگ کرنے کا حکم دیتے تھے۔ اور وہ اس بارے میں اپنے دینی اثر و نفوذ سے کام لیتے تھے

بنی امیہ کا دینی اثر و نفوذ اس قدر زیادہ ہو چکا تھا کہ اگر یہ اثر و رسوخ تمام شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والوں میں پھیل جاتا اور کسی مقابلے کے بغیر

---

[1]: الطبری ۴/ ۲۸۱ - ۲۸۲

[2]: الطبری ۴/ ۳۳۱

لوگوں کے ذہنوں میں رسوخ کر جاتا، اور کوئی بھی بنی امیہ کی لادینیت کو فاش نہ کرتا۔ تو آئندہ بنی امیہ کو ختم کرنے یا ان کے دینی اثر و رسوخ کو لوگوں کے اذہان سے نکال کر اسلامی معاشرے کی اصلاح کرنے کی ساری کوششیں رائیگاں جاتیں۔

بنی امیہ کی حکومت پر لوگوں کا عقیدہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ اتنا پختہ ہوتا جا رہا تھا کہ اگر کسی سمت سے بھی مخالفت کے بغیر یہ سلسلہ جاری رہتا تو ایک زمانہ ایسا بھی آسکتا تھا کہ بنی امیہ کے بارے میں یہ عقیدہ اپنے رسوخ کی وجہ سے ہر تحریک آزادی کو کچل کر رکھ دیتا۔

البتہ بنی امیہ نے اپنی غیر قانونی حکومت کے جواز کے لئے جو دینی پراپیگنڈا مہم جاری کر رکھی تھی۔ اس کا خوارج پر کوئی اثر نہیں ہوا، اس زمانے میں اسلامی معاشرے میں صرف خوارج ہی ایک انقلابی طاقت تھے۔ معاویہ کے برسر اقتدار آنے سے لیکر انقلاب حسین علیہ السلام تک، یہی گروہ بنی امیہ کے خلاف اٹھنے والی تحریکوں کی قیادت کر رہا تھا۔ مگر خوارج کی اس مخالفت میں انقلابی عنصر اتنا شامل نہ تھا کہ اسے وسیع تر کر کے اسلامی معاشرے کو ایک انقلاب کا تصور فراہم کیا جائے اور بنی امیہ کی حکومت کا تختہ الٹا جاسکے، بلکہ یہ مخالفت سطحی طور پر صرف معمولی جھٹکوں تک محدود تھی اور معاشرے پر اس کا گہرا اثر نہ ہوتا تھا اور یہ تحریک صرف چند شہروں اور قریوں تک محدود تھی۔ جہاں خوارج کی بنی امیہ کے حامیوں اور سپاہیوں کے ساتھ جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں جو لوگوں کی زندگی پر کوئی نمایاں اثر چھوڑے بغیر خاموش ہو جاتی تھیں۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت کے لوگ نہ صرف یہ کہ خوارج کا ساتھ نہیں دیتے تھے بلکہ خوارج کے ساتھ لڑتے تھے اور یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ

لوگوں نے خوارج کے ساتھ ضدیت کی وجہ سے بنی امیہ کے ساتھ جنگ نہیں لڑی۔

جب لوگ انفرادی اور اجتماعی طور پر انقلابی عناصر کے ساتھ نہ ہوں تو انقلاب اجتماعی اور فکری میدان میں کامیاب نہیں ہو سکتا اور معاشرے میں معمولی تبدیلی بھی نہیں لائی جا سکتی کیونکہ خود معاشرہ بھی ایسے لوگوں کے ساتھ نبرد آزما ہے نیز ایسے افراد کوئی ثقافتی اور اعتقادی تبدیلی بھی نہیں لا سکتے کیونکہ معاشرہ ان کی تعلیمات اور ان کے عقائد کے پس منظر کا مخالف ہے۔

اس کے علاوہ خوارج نہایت سنگدل اور بے رحم لوگ تھے۔ وہ کسی کا خون بہاتے ہوئے یہ نہیں دیکھتے تھے کہ وہ دشمن ہے یا نہیں۔ مرد ہے یا عورت اور بچے۔ خوارج کے اندر اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو پیشہ ور ڈاکو تھے اور ہر موقعہ سے فائدہ اٹھا کر لوٹ مار کرتے تھے۔

ان اسباب کی وجہ سے اس وقت کے لوگ خوارج کے سخت خلاف تھے۔ اسی لئے خوارج اپنے کئی مرتبہ قیام کے باوجود، بنی امیہ کے منہ سے دینی خول کو نہیں اتار سکے۔

بنی امیہؔ کے چہرے کو بے نقاب کرنے کا واحد راستہ یہ تھا کہ ایک ایسی شخصیت اس کے خلاف قیام کرے۔ جس کو پوری امت کی نگاہ میں ایک دینی مرکزیت حاصل ہے۔ ایسی ہستی کا انقلاب ہی بنی امیہ کے دینی حقائق سے پردہ اٹھا سکتا ہے کہ بنی امیہؔ کی حکومت کی جاہلیت پرستی اور اسلام سے ان دوری کی کیا صورت ہے۔

لہ ان میں کچھ لوگ ڈاکوؤں سے بہتر نہ تھے اور ان کے ساتھ ڈاکوؤں جیسا سلوک ہونا ہی مناسب تھا الدولۃ العربیہ صفحہ ۱۰۲۔ تاریخ الشعوب الاسلامیۃ صفحہ ۲۱۶

یہ شخصیت صرف اور صرف حضرت امام حسین علیہ ہی ہو سکتے تھے۔

جن کے لئے مسلمانوں کے دلوں میں ایک عظیم محبت تھی۔ اس بات کے شواہد ہم نے امامؑ کے مکہ میں قیام کرنے اور عراق کی طرف روانہ ہونے کے سلسلے میں پہلے بیان کر چکے ہیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام ہی وہ ہستی تھے جو بنی امیہ کے حکمرانوں کو رسوا کر کے ان کے حقیقی چہرے کو بے نقاب کر سکتے تھے۔ چنانچہ انقلاب حسین علیہ السلام کے بارے میں بنی امیہ کے موقف نے اسلام اور بنی امیہ کی حکومت کے درمیان حدِ فاصل کو نمایاں کر دیا اور اس حکومت کی حقیقت سے پردہ اٹھایا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب پر بنی امیہ نے جو ظلم وستم ڈھائے اس سے ان کا لادینی چہرہ نمایاں ہو گیا اور ان کے دین دشمن اور اسلام دشمن ہونے کا ثبوت مل گیا۔ بنی امیہ کو حسین علیہ السلام کو قتل کئے بغیر آرام نہیں آیا چنانچہ انہوں نے آپؑ کو اور آپؑ کے ساتھ اولاد علی علیہ السلام اولاد عقیل اور ان اصحاب کو بھی شہید کر دیا جو تقویٰ و دینداری اور مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی میں اپنی مثال آپ تھے۔

بنی امیہ نے حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے آل و اصحاب پر پانی تک بند کر دیا اور شیر خوار بچوں اور بچوں کو دودھ پلانے والی خواتین پر بھی رحم نہ کیا۔

کاش کہ بنی امیہ کے جرائم یہیں پر ختم ہو جاتے۔ بنی امیہ کے خونخواروں نے شہیدوں کی لاشوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں تلے پامال کر دیا اور خاندانِ رسالت کی ناموس کو بے پردہ اسیر بنا لیا اور شہداء کے سروں کو نیزوں پر سوار کر کے کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک لے گئے۔

ان غیر انسانی مظالم نے بنی امیہ کے دین اور انسان دشمن چہرے کو بے نقاب کر دیا اور کٹے ہوئے سروں، اسیروں اور ان واقعات نے جو کوفہ کے سپاہیوں نے نقل کئے۔ لوگوں کے دلوں میں بنی امیہ کی حکومت پر موجود دین کا نقاب نوچ لیا۔

بنی امیہ کی حکومت سے مزید پردہ اٹھانے کے لئے حضرت امام حسین علیہ السلام نے جنگ شروع کرنے پر اصرار بھی نہ کیا۔ چنانچہ یزید کے سب سے پہلے لشکر کے امیر حر بن یزید ریاحی سے جو کہ ایک ہزار سپاہی لے کر امامؑ کے مقابلے کے لئے آیا آپ نے فرمایا: "تم مجھ سے ہاتھ اٹھا لو اور جہاں سے میں آیا ہوں مجھے وہاں واپس جانے دو"۔ حر نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ حر کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ حسینؑ کے ساتھ رہے اور انہیں کوفہ میں ابن زیاد کے پاس لے جائے۔ چنانچہ یہ بات کہنے کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ امام حسینؑ نے ابن زیاد کے پاس جانے سے انکار کر دیا۔

اموی لشکر کا سربراہ عمر بن سعد جب کربلا پہنچا تو امامؑ نے اس سے طویل مذاکرات کئے اور آپؑ نے عمر بن سعد کو اس بات کا قائل کر لیا کہ طرفین جنگ کرنے سے گریز کریں اور امام کو جہاں سے آپؑ تشریف لائے ہیں وہاں واپس جانے دیا جائے۔ وہ جہاں چاہیں تشریف لے جائیں۔ چنانچہ عمر بن سعد نے اس فیصلہ کی اطلاع عبیداللہ بن زیاد کو دی تو ابن زیاد نے اس فیصلے کو رد کیا اور عمر بن سعد کو لکھا۔

"میں نے تجھے اس لئے نہیں بھیجا تھا
کہ تو حسینؑ سے مصالحت کرے یا
اسے مہلت دے یا اسے زندہ
رہنے دے یا تو میرے پاس اس

کی سفارش کرے، میرا یہ خط ملتے ہی
اگر حسین علیہ السلام اور اس کے اصحاب
بیعت یزید کے لئے آمادہ ہو گئے
تو ان کو میرے پاس لے آؤ، اور
اگر انہوں نے انکار کیا تو ان سے
جنگ کرو اور سب کو قتل کر دو اور
ان کا مثلہ کرو۔ وہ اسی چیز کے
مستحق ہیں[1]"

حضرت امام حسین علیہ السلام نے بھی ان کو مہلت دی کہ وہ ان ہے اور ان کے آل و اصحاب کے قتل کے مرتکب ہونے سے بچ جائیں مگر ان لوگوں نے آپؑ کو قتل کر دینے پر اصرار کیا، اس طرح وہ مسلمانوں میں اور رسوا ہو گئے۔

تحریفِ تاریخ

یہاں اس بات کا ذکر کرنا بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ کچھ مورخین کا کہنا ہے! کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے ابن سعد سے فرمایا "مجھے یزید کے پاس لے چلو تاکہ میں اس کے ہاتھ پر بیعت کا ہاتھ رکھ دوں" حالانکہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایسا ہرگز نہیں فرمایا، اگر امام حسین علیہ السلام اس کام کے لئے آمادہ ہو جاتے تو حادثہ کربلا وجود میں نہ آتا۔ بہت سے ایسے شواہد موجود ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا

---

[1]: الطبری ۴/۳۱۴۔ الکامل ۳/۲۸۴

ہے کہ یہ بات بنی امیہ کے لوگوں کی خود ساختہ ہے، اور اس سے بنی امیہ کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو بتا دیا جائے کہ امام حسین علیہ السلام نے بنی امیہ کے سامنے سر تسلیم (معاذ اللہ) خم کیا ہے تاکہ امامؑ اور انؑ کے ساتھیوں کی ایک لازوال قربانی کی اہمیت کو کم کیا جا سکے۔ بنی امیہ کے لوگوں کی یہ کوشش رہی کہ امام عالی مقامؑ کے اس عظیم انقلاب کے نمایاں چہرے کو چھپا دیا جائے اور اس مقصد کے لیے انہوں نے انقلاب حسینؑ کے بارے میں بہت سی جعلی روائتیں بنا لیں تاکہ اپنی حکومت کو اس انقلاب کے خطرات سے محفوظ رکھ سکیں۔ مگر ان کی یہ سعی نامسعود لاحاصل رہی۔

بیعت یزید کا یہ واقعہ جعلی ہونے پہ ایک دلیل یہ بھی ہے کہ مؤرخین نے عقبہ بن سمعان سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

"میں مدینہ سے مکہ تک اور مکہ سے عراق تک حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ رہا اور شہید ہونے تک میں ان سے جدا نہ ہوا۔ اور روز شہادت تک آپ کے تمام خطبات سنے۔ آپ نے یزید کی بیعت کرنے کے حق میں کبھی بات نہ کہی اور نہ سرحدوں کی طرف جانے کے لیے کہا۔ جو بات آپ نے کہی وہ یہ تھی کہ مجھے اسی جگہ واپس جانے دو جہاں سے میں آیا ہوں، یا اس وسیع و عریض

سرزمین کے کسی گوشے میں زندگی
گزارنے دو اور پھر دیکھو کہ لوگوں
کے احوال کا انجام کیا ہوتا ہے مگر
لوگوں نے اسے بھی قبول نہ کیا[1]"

حضرت سید الشہداء کے بارے میں بنی امیہ کا یہ شدید موقف درحقیقت اسلام کے ساتھ جنگ تھا اور حضرت امام حسین علیہ السلام نے بنی اُمیّہ کے اس موقف سے جس میں وہ ہر پرامن اقدام کو مسترد کرکے امام کو ہر صورت میں قتل کرنے پر تلے ہوئے تھے، مناسب استفادہ بھی کیا اور ہر فرصت پر اس بات کو اپنا تکیہ کلام بناتے تھے اور اپنے واضح موقف کا مسلمانوں میں اعلان فرماتے تھے،

اس سلسلے میں امام حسین علیہ السلام کے ایک خطبے کا ذکر مفید ہوگا۔ آپ نے فرمایا۔

"لوگو! میری باتوں کی طرف توجہ دو اور
میرے قتل میں شتابی نہ کرو جب
تک میں یہاں آنے کی وجہ تمہیں
نہ بتادوں۔ اگر تم نے میری بات مان
لی اور میرے ساتھ انصاف کے
ساتھ پیش آئے تو تم سعادت پاؤ
گے، اور کوئی بہانہ باقی نہیں رہے
گا اور اگر تم میری بات نہ مانو تو تم

---

[1] تاریخ طبری ۴/۳۱۳۔ الکامل ۳/۲۸۳-۲۸۴۔ اعیان الشیعہ ۴/قسم اوّل/۲۴۳

اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل بیٹھو اور
سوچو تاکہ بعد میں ندامت نہ ہو۔ میرا
مددگار تو وہ اللہ ہے جس نے قرآن
نازل فرمایا اور وہی نیک بندوں
کا مددگار ہے۔

لوگو! میرے نسب کو دیکھو کہ میں
کون ہوں۔ پھر اپنے آپ کو ملامت کرو
کہ تم کس کے ساتھ جنگ کر رہے ہو
دیکھو کیا میرا قتل اور میری ہتک حرمت
تمہارے لیئے جائز ہے؟ کیا میں تمہارے
نبیؐ کی بیٹی کا فرزند نہیں ہوں اور
اس کے وصی اور ابن عم کا بیٹا نہیں
ہوں جو اول المومنین تھے جنہوں
نے سب سے پہلے رسول صلعم اور
ان کی شریعت کی تصدیق کی کیا حضرت
حمزہ سید الشہداء میرے پدر کے چچا
نہیں ہیں کیا جعفر طیار میرے چچا نہیں
ہیں؟ کیا تم رسول خداؐ کا یہ فرمان جو
اکثر جانتے ہیں، تم نہیں جانتے جس
میں آپؐ نے فرمایا۔

" ھذان سیدا شباب اھل الجنہ " یہ دونوں (حسنؑ و حسینؑ) جوانانِ جنت کے سردار ہیں" اگر تم میری ان باتوں کو سچ سمجھتے ہو تو اس کی تصدیق کرو۔ قسم بخدا جب سے میں نے جانا ہے کہ خدا جھوٹوں کو عذاب میں مبتلا کرے گا اور جو جھوٹی بات بنائے گا۔ ضرر اسی کو پہنچے گا میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

اگر تم ان باتوں کے سچ ہونے میں شک کرتے ہو تو تم میں ایسے افراد اب بھی موجود ہیں جن سے سوال کیا جائے تو وہ جواب دیں گے۔ جابر بن عبداللہ انصاری۔ ابوسعید خدری سہل بن سعد ساعدی۔ زید بن ارقم اور انس بن مالک سے پوچھو وہ تمہیں بتائیں گے کہ انہوں نے یہ کلمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہیں جو میرے اور میرے بھائی کے حق میں کہے تھے۔

کیا یہ فرمانِ رسولؐ اس بات کے لئے
کافی نہیں ہے کہ تم میرا خون بہانے
سے باز آجاؤ؟

شمر بن ذی الجوشن نے امام کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"یہ شخص اللہ کی یک طرفہ عبادت کرتا ہے[1]۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔"

"حبیب بن مظاہر" نے شمر کے جواب میں کہا۔

"اے شمر تو ستر مرتبہ خدا کی یک طرفہ عبادت کرتا ہے۔ یہ درست ہے تیری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ حسینؑ کیا کہہ رہے ہیں، کیونکہ تیرے دل پہ مہر لگی ہوئی ہے۔

حضرت امام حسینؑ نے اپنا خطبہ جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔

"اگر تمہیں میری ان باتوں میں شک
ہے۔ تو اس بات میں کوئی شک نہیں
کہ میں تمہارے رسول کی بیٹی کا فرزند
ہوں۔ بقسم بخدا اس وقت نہ مشرق
نہ مغرب میں میرے سوا کوئی دخترِ رسولؐ
کا فرزند ہے۔ وائے ہو تم پہ! کیا میں
نے تمہارے کسی شخص کو قتل کیا ہے
کہ تم مجھ سے اس کا انتقام لو؟ کیا میں نے

---

[1]: یعنی صرف مفاد کی صورت میں اللہ کی طرف توجہ کرتا ہے اور دوسری صورت میں اللہ کو چھوڑ دیتا ہے۔

تمہارے مال و دولت پر قبضہ کیا ہے کہ
تم اس کا مطالبہ کرو؟ کیا میں نے تم میں
سے کسی پر زخم لگایا ہے کہ تم اس کا
قصاص لینا چاہو؟

اس وقت لشکر یزید پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اس سکوت کو توڑتے ہوئے امامؑ نے ارشاد فرمایا۔

"اے شبث بن ربعی
اے حجاز بن ابجر
اے قیس بن اشعث
اے یزید بن حارث
کیا تم لوگوں نے مجھے اپنے خطوط میں
نہیں لکھا کہ پھل پک چکے ہیں اور
باغات سرسبز ہو چکے ہیں اور لشکر
آمادہ اور تیار ہے۔ جس قدر جلدی
ہو سکے کوفہ تشریف لے آئیں"۔

ان لوگوں نے کہا ہم نے ایسے خطوط ہرگز نہیں لکھے آپؑ نے ارشاد فرمایا
"قسم بخدا تم نے خطوط لکھے ہیں"۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا۔

"لوگو! اگر تمہیں مجھ سے نفرت ہے تو
مجھے اپنے وطن واپس جانے دو۔

امامؑ سے قیس بن اشعث نے کہا۔

" اپنے عم زادہ یزید کی حکومت کو تسلیم
کر دو وہ آپ کی پسند کے مطابق
آپ سے سلوک کرے گا، اس سے
آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا"

امام ؑ نے ارشاد فرمایا:

" تو مسلم بن عقیل کے قاتل کا بھائی ہے
کیا تو چاہتا ہے کہ بنی ہاشم، مسلم بن
عقیل کے خون کے بدلہ سے زیادہ
تجھ سے انتقام لیں [1]"

اس کے بعد آپ ؑ نے ارشاد فرمایا۔

" لا و اللہ لا اعطیھم بیدی
اعطاء الذلیل و لا افر فرار
العبید"

" قسم بخدا میں ذلت کا ہاتھ تمہارے
ہاتھ میں نہیں دوں گا اور نہ غلاموں
کی طرح فرار کروں گا، میں روز قیامت
پر ایمان نہ لانے والے جابروں سے اپنے
رب کے پاس پناہ لے جاتا ہوں [2]"

---

[1]: محمد بن اشعث نے کوفہ میں حضرت مسلم کو امان دی تھی۔ اس بے وفا نہ کی یہ شخص قیس بن اشعث
کا بھائی تھا طبری ۴/ ۲۸۰ - ۲۸۱ [2] تاریخ طبری ۴/ ۳۲۲/ ۳۲۳ الکامل ۳/ ۲۸۷ - ۲۸۸

حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان ارشادات کے ذریعے اموی حکومت کے چہرے سے دین کا پردہ اٹھا دیا۔ اس خطبہ سے یہ تاثر بھی ملتا ہے کہ جو ہستی اس حکومت کے خلاف قیام کر رہی ہے وہ کوئی معمولی انسان نہیں ہے بلکہ یہ ہستی ان ستونوں میں سے ہے جن پر اسلام کی عمارت قائم ہوئی اور جس دین کو بنی امیہ نے اپنی حکومت کے لئے جواز قرار دیا اور اسکے ساتھ امام حسینؑ نے لوگوں کو اس بات کا بھی شعور دے دیا کہ ظلم کے مقابلے میں انسان کو قیام کرنا چاہیئے۔ احتجاج کرنا چاہیئے اور قربانی دینا چاہیئے۔ خواہ وہ جانی قربانی کیوں نہ ہو اور ظالم اپنی حکومت کو قائم رکھنے کے لئے دین کا نام استعمال کیوں نہ کرے۔ کیونکہ ظالم کا کوئی دین نہیں ہوتا۔

کچھ ایسے لوگوں کا خیال ہے، جنہوں نے انقلاب حسینؑ پر تحقیقات کرنے کی کوشش کی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے مذکورہ طریقہ کار اس لئے استعمال کیا تاکہ لوگوں کی ہمدردی حاصل کی جا سکے۔ لیکن امام حسین علیہ السلام اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ یہ لوگ عظیم مجاہدوں کے عظیم عقیدہ پر مبنی عظیم قربانیوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اگر امام حسینؑ لوگوں کی ہمدردی اس لئے حاصل کرنا چاہتے تھے کہ اپنی جان بچ جائے تو اس کے لئے آسان طریقہ موجود تھا یہ کہ وہ یزید کی بیعت کر لیتے۔ عبداللہ ابن زیاد کے پاس چلے جاتے اور یزید سے امان نامے کی درخواست کرتے اور اپنی بیعت کا اعلان کر دیتے یا اس سلسلے میں عمر ابن سعد سے مخفیانہ مذاکرہ کرتے تو ان کی جان کو کوئی خطرہ نہ ہوتا۔

اگر حسینؑ اپنی جان بچانے کے لئے لوگوں کی ہمدردی حاصل کرنا چاہتے تو مذکورہ بالا امور میں سے ایک کام کو انجام دے دیتے۔ مگر ان میں سے کوئی اقدام امام علیہ السلام نے نہیں کیا۔ آپؑ نے صرف یزیدی افواج سے گفتگو کی۔ کیونکہ یہ

لوگ حکم کے پابند تھے اور اپنی مرضی و اختیار سے نہ آئے تھے۔ آپؑ نے سپاہیوں کی طرف توجہ اس لیئے کی تاکہ ان حقائق کو آشکار کیا جائے۔ جن سے اسلامی معاشرہ میں تنزلزل آسکتا ہے اور لوگوں میں یہ فکر رسوخ کر سکتی ہے۔ آپ چاہتے تھے کہ معاشرہ بیدار ہو جائے۔

آپؑ کا مقصد یہ تھا کہ کوفہ والے اس حقیقت کو جان لیں کہ حسینؑ اور اس کے ساتھی اسی پیغمبرؐ کے فرزندان ہیں جن کے دین کے نام پر بنی امیہ حکومت کر رہے ہیں۔ حسینؑ بتانا چاہتے تھے کہ آپؑ اور آپؑ کے اصحاب اسلامی تاریخ میں بھی بنیادی کردار ادا کر چکے ہیں اور ان کے اجداد رسول اکرمؐ علیؑ، فاطمہؑ، جعفرؑ اور حضرت حمزہؓ ہیں۔

حسینؑ چاہتے تھے۔ کوفہ والے اس بات کی طرف متوجہ ہوں کہ آپ نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ جس کے جرم میں انہیں قتل کی سزا دی جائے۔ نہ کسی کو قتل کیا نہ کسی کا مال کھایا یا نہ کسی کو زخم لگایا کہ اس کا انتقام یا قصاص لیا جائے۔ ان کا تنہا جرم یہ ہے کہ وہ بنی امیہ کی فاسق حکومت کے خلاف قیام کر رہے ہیں۔ وہ حکومت جو دین کے نام پر حسینؑ جیسی شخصیتوں کا خون بہانے پر تلی ہوئی تھی۔ اس خطبے سے حسینؑ کے مقاصد یہی تھے۔ نہ وہ جو کچھ نافہم لوگ تصور کرتے ہیں۔

واقعہ کربلا امام حسینؑ اور آپؑ کے اصحاب کی شہادت کے ساتھ ختم ہو گیا۔ مگر اہل بیت کا جہاد، امت کی بیداری۔ فاسد حکومت کا تعارف جاری رہا۔ اس انقلاب نے ابھی مسلح جدوجہد کی شکل اختیار نہیں کی تھی۔ بلکہ صرف فکری مرحلے میں کام ہو رہا تھا۔ چونکہ انقلابی شخصیتیں سب کربلا میں شہید ہو گئی تھیں۔ اب اس جہاد کا علم شیر دل خاتون حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے ہاتھ میں تھا۔ جو

جو اپنے بھائی کے جہاد کو آگے بڑھا رہی تھیں۔

کربلا میں امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کی شہادت کے بعد بنی امیہ اور ان کی حکومت کا چہرہ بے نقاب ہو گیا۔ کیونکہ جو سپاہی کربلا میں حاضر تھے۔ وہ اپنی اپنی جگہوں پر واپس چلے گئے تھے اور میدان کربلا میں قتل و غارت کا المناک واقعہ ہر جگہ پہنچ چکا تھا اور اسی سے بنی امیہ کی حکومت کی جڑیں ہلنے لگ گئی تھیں۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جب امام حسین علیہ السلام کا کٹا ہوا سر شام پہنچا تو یزید کو بہت زیادہ خوشی ہوئی اور ابن زیاد کو یزید کے پاس زیادہ مقام حاصل ہو گیا۔ لیکن زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ رائے عامہ نے یزید کے ساتھ نفرت اور اس پر لعنت کرنی شروع کر دی اور یزید قتل حسین علیہ السلام پر پچھتانے لگا۔[1]

واقعہ کربلا کے بعد بنی امیہ کی حکومت کے چہرے سے دین کا نقاب اتر گیا۔ اب مسلمانوں کے نزدیک ایسی حکومت کی کوئی وقعت باقی نہیں رہی۔

ہم نے پہلے بھی ذکر کیا تھا کہ بنی امیہ ایک ایسی فکری جماعت وجود میں لائے تھے۔ جس سے وہ اپنی سیاسی سرگرمیوں پر پردہ ڈالنا چاہتے تھے اور اسے دینی اور مذہبی رنگ دینا چاہتے تھے اور وہ مرجئہ کا فرقہ تھا جو بنی امیہ کی حکومت کی تائید اور حمایت کرتا تھا اور ان کے کرتوتوں کو دینی لبادہ پہناتا تھا اور ان کے کردار کی دینی توجیح کر کے حکمرانوں کو اس بات سے بے فکر کر دیتا کہ لوگ ان کی غیر اسلامی حرکتوں کو کہیں غم و غصے اور احتجاج کی نگاہ سے

---

[1] تاریخ طبری ج ۴/ ۳۸۸ - ۳۸۹، الکامل ۴/ ۳۰۰

نہ دیکھیں۔

درباری فقہا نے بھی اپنی عادت بنالی تھی کہ وہ ایسے فتاویٰ جاری کریں جن میں ایک فاسد حکومت کے خلاف قیام کرنے کو حرام قرار دیا گیا ہے۔
"شربینی" نے اپنی کتاب "مغنی المحتاج الی معرفۃ الفاظ المنہاج" میں لکھا ہے۔

"مغنی المنہاج نے باغی کی یہ تعریف کی ہے" باغی وہ مسلمان لوگ ہیں جو اسلامی سربراہ کی مخالفت کریں خواہ سربراہ ظالم اور بغاوت کرنے والے عادل کیوں نہ ہوں" جیسا کہ "قفال" نے کہا ہے اور "ابن قشیری" نے اکثر علماء سے یہی بات نقل کی ہے اور "الشرح والروضۃ" میں سربراہ کے ساتھ عادل کی قید لگائی ہے تو اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ عادلوں کا سربراہ اور "شرحِ مسلم" میں بھی انہوں نے یہی کہا ہے کہ سربراہانِ مملکت کی اطاعت سے نکلنا اور ان کے ساتھ لڑنا اجماعاً حرام ہے خواہ

وہ سربراہ فاسق اور ظالم ہی کیوں نہ ہو"

شیخ عمر نسفی اپنی کتاب "العقائد النسفیہ" میں لکھتے ہیں" امام فاسق ہونے سے معزول نہیں ہوسکتا "فسق" اللہ کی اطاعت سے نکلنے کو کہتے ہیں اور جور سے بھی امامت سے معزول نہیں ہوتا اور "جور" بندگانِ خدا پر ظلم کرنے کو کہتے ہیں۔ کیوں کہ فاسق ابو حنیفہ کے نزدیک حکمرانی کے اہل ہیں اور اس کی وجہ انہوں نے یہ بتائی ہے کہ چونکہ خلفاء راشدین کے بعد کے اماموں، سربراہوں، امراء سے فسق و فجور ثابت ہوتے رہنے کے باوجود اسلاف نے ان کی اطاعت کی اور وہ خروج کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔"

علامہ باجوری "شرح الخذی" پر اپنے حاشیہ میں لکھتے ہیں۔

"پس امام کی اطاعت واجب ہے
خواہ وہ ظالم ہی کیوں نہ ہو"

اور شرح مسلم میں لکھا ہے:

"ظالم امام کی اطاعت سے خروج
کرنا اجماعًا حرام ہے"

ایک اور فقیہ اپنی کتاب (مجمع الانہر و ملتقی الابحر) میں لکھتے ہیں:

"اعیان واشراف کی بیعت کرنے
اور اس کے خوف و جبروت سے
اس کی حکومت نافذ ہونے سے
امام بنتا ہے اور اگر اس کی بیعت
ہو جائے اور اپنی حکومت نافذ

نہ کر سکے تو وہ امام نہیں بنتا اگر امام
بننے کے بعد ظلم کرے تو معزول
نہیں ہوتا۔ بشرطیکہ تسلط و طاقت
اس کے پاس موجود ہو ورنہ معزول
ہوتا ہے۔"[1]

یہ وہ فتاوی ہیں جن کی رو سے عادلوں کے لئے ظالموں اور فاسقوں کے خلاف قیام کرنا حرام ہے اور اس کے لئے جواز طاقت، رعیت پر تسلط اور ظلم وجود ہے۔ یہ کوئی حکم خدا نہیں ہے بلکہ یہ بنی امیہ کا پیدا کردہ ایک نظریہ ہے اور ظالموں کے ظلم کا جواز پیدا کرنے کی سعی نامسعود ہے۔ یہ فتاویٰ کتابوں کے صفحات میں تو موجود ہیں۔ مگر ہمارے مسلمانوں کی اکثریت ایسے فتاویٰ کو کوئی اہمیت نہیں دیتی اور ہر وقت انقلاب کے لئے پُرامید رہتی ہے۔

---

[1] اس سلسلے میں مزید تحقیقات کے لئے ہماری کتاب "نظام الحکم والادارہ فی الاسلام" کی طرف رجوع فرمائیں۔

(۲)

احساسِ گناہ

امام حسین علیہ السلام کے اس قیام کا جو سرزمین کربلا میں اختتام کو پہنچا ایک اور اثر ہے اور وہ یہ ہے کہ ان تمام لوگوں میں جو اس وقت امام حسینؑ کی مدد کو پہنچ سکتے تھے اور نہ پہنچے اور ان کی مظلومیت کی آواز کو سن کر لبیک نہ کہی۔ ان میں ایک احساسِ گناہ پیدا کیا اور ان کے ضمیر اور وجدان میں بیداری پیدا کر دی اور یہ احساسِ گناہ ان لوگوں کے دلوں میں جو امامؑ سے وعدۂ نصرت اور عہد و پیمان کر کے ان کی مدد کو نہ پہنچے۔ ایک طاقتور عامل کی طرح ابھرنا شروع ہو گیا۔

اس احساسِ گناہ کے دو پہلو ہیں ایک یہ کہ گناہ گار کو اپنے جرم و گناہ کے تدارک کے لئے آمادہ کرتا ہے اور دوسری طرف سے جو لوگ اس گناہ کے ارتکاب کا سبب بنے ہیں۔ دلوں میں ان سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے،

اور یہ چیز انقلابِ حسینؑ کے بعد مسلم اقوام میں نمایاں طور پر ظہور پذیر ہونے لگی۔ اس احساسِ گناہ نے بہت سی اسلامی جماعتوں کو اس کے تدارک کی کوشش میں مصروف کر دیا اور بنی امیہ سے عداوت اور نفرت ان کے دلوں میں بڑھتی چلی گئی اور اسی احساسِ گناہ کے تدارک اور بنی امیہ سے عداوت کی ہی وجہ سے حادثہ کربلا کے بعد بنی امیہ کو متعدد انقلابات کا سامنا کرنا پڑا۔ جن کا اصل محرک انقلابِ حسینؑ علیہ السلام تھا اور حسین کی مدد کو نہ پہنچنے کا احساس اور بنی امیہ سے انتقام کا جذبہ تھا۔

جذباتی ردّ عمل

اسی احساسِ گناہ کی وجہ سے بنی امیّہ کی حکومت کے خلاف ردعمل صرف عقلی شعور اور بنی امیہ کے ظلم و بے دینی پر ہی مبنی نہ تھا بلکہ اسی کے ساتھ ساتھ ایک جذباتی ردّ عمل بھی کارفرما تھا۔ وہ احساسِ گناہ جسمیں جذباتی پہلو بھی تھا اس نے انقلابیوں کو انتقام لینے اور قیام کرنے پر آمادہ کر دیا۔ بعد میں آنے والے بہت سے انقلابات نے شکست اس لئے کھائی چونکہ یہ انقلابات جذبہ انتقام اور جذباتی احساسات کو فراموش کرنے کے لئے عمل میں آئے تھے۔ ظاہر ہے کہ جب انسان ہیجان آور احساسات اور جذبات کے زیرِ اثر آجاتا ہے تو وہ فتح و شکست کے بارے میں نہیں سوچتا اور اس میں شک نہیں ہے کہ ان جذباتی عوامل نے بنی امیہ کی حکومت کے بارے میں مسلمانوں کے ردعمل میں مثبت حرارت پیدا کر کے اس میں انتقام کا بھی عنصر شامل کر دیا جس سے بنی امیہ کے حکمران بہت خائف تھے۔

عقلی ردِ عمل میں تو مختلف طریقوں سے کمزوری آسکتی ہے۔ لیکن اگر یہ ردّ عمل جذباتی ہو تو صورت حال مکمل طور پر مختلف ہو جاتی ہے۔ کیونکہ صحیح جذبات ہمیشہ جوش و حرارت کے ساتھ مدمقابل کے نظریے کو مسترد کر دیتے ہیں اور اس میں دیر تک کمی نہیں آتی۔ یہ لوگ چونکہ عمیقانہ اور صادقانہ احساسِ گناہ میں مبتلا تھے۔ اس لئے ان کے ردِ عمل میں دائمی جوش و حرارت موجود تھی۔

اہل بیت کے پسماندگان نے بھی اس احساسِ گناہ کی آگ کو لوگوں کے دلوں میں اور بھڑکایا اور اس میں مزید حرارت پیدا کر دی اور جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کوفہ کے اس عظیم اجتماع میں خطبہ ارشاد فرماتی ہیں جس میں لوگ اسیروں اور کٹے ہوئے سروں کو دیکھنے کے لئے جمع تھے۔ آپ نے اپنا خطبہ شروع کرنے سے پہلے لوگوں کو خاموش ہونے کا اشارہ فرمایا۔ چنانچہ آپ کا اشارہ ملتے ہی ایک عجیب سی خاموشی چھا گئی۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا۔

"اے اہلِ کوفہ! کیا تم روتے ہو۔ تمہارے یہ آنسو کبھی بند نہ ہوں اور تمہاری یہ فریاد ہمیشہ رہے۔ اور تمہاری مثل اس عورت کی طرح ہے جو اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر کے توڑ ڈالے اور اپنے عہد و پیمانوں کو آپس میں مکاری کا ذریعہ بنائیں تم جس وبال کا بوجھ اٹھا رہے ہو وہ کتنا برا ہے

اے اہل کوفہ! فریاد کرو، آنسو بہاؤ اور مسکراؤ نہیں۔ تم نے اپنے دامن کو ننگ و عار سے داغدار کر دیا ہے جو دھلنے کے قابل نہیں ہے۔ یہ داغ کیسے دھلے گا کہ تم نے نواسۂ رسولؐ اور خاندانِ اہلِ بیتؑ کی یادگار کو شہید کر دیا ہے۔ جو تمہاری پناہ گاہ اور تمہارے لئے ہدایت کا مینار تھی۔ وہ جوانانِ جنت کے سردار تھے۔ ان پر جو ظلم تم نے کیا ہے۔ اس پہ اگر آسمان خون کے آنسو روئے تو جائے تعجب نہیں ہے۔ تم نے اپنے آپ کو بدترین دھوکے میں ڈال دیا ہے اور خدا کو ناراض کر کے اپنے آپ کو عذاب ابدی کا مستحق بنا لیا۔

کیا تمہیں علم ہے کہ تم نے کس جگر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور کس کا خون بہایا ہے اور کن پردہ نشینوں کو سرِ عام بازاروں میں

پھرایا ہے۔ تم نے عظیم جرم کا ارتکاب
کیا ہے۔ جس سے آسمان پھٹ سکتے
ہیں اور زمین شگافتہ ہوسکتی ہے اور
پہاڑ گر سکتے ہیں۔"

جن لوگوں نے یہ خطبہ سنا تھا۔ ان کا کہنا ہے۔

"قسم بخدا ہم نے اپنی زندگی میں کسی
پردہ نشیں باعفت خاتون کو اس
طرح خطبہ دیتے نہیں سنا۔ ایسا لگ
رہا تھا جیسے امیرالمومنین علیؑ ابن ابی
طالبؑ خطبہ دے رہے ہیں۔ قسم بخدا
ابھی جناب زینبؑ کا خطبہ پورا نہیں
ہوا تھا کہ لوگوں نے آہ و بکا شروع
کردی اور شدت غم والم سے لوگ
اپنے اوپر قابو نہیں رکھ سکے۔

جناب فاطمہ بنت حسین علیہ السلام نے بھی بازار کوفہ میں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اے اہل کوفہ! اے غدارو! ہم
اس اہل بیتؑ کے خاندان کے
افراد ہیں۔ جس کو تمہارے ذریعے
آزمایا گیا اور تم کو ہمارے ذریعے

آزمایا گیا ہے۔ تم نے ہمیں جھٹلایا اور
ہمیں کافر سمجھا اور ہمارا خون بہانے
اور ہمارے اموال غارت کرنے کو
حلال قرار دیا۔

کوفہ والو! کیا تمہیں علم ہے
ظلم کے کن ہاتھوں نے ہمیں ظلم و ستم
کا نشانہ بنایا۔ کن دلوں کے ساتھ
ہمارے ساتھ جنگ کرنے آئے اور
اور کن پیروں پر چل کر ہم سے لڑنے
کے لئے نکلے۔ تمہارے دلوں میں
قساوت آچکی ہے اور تمہاری
سماعت و بصارت پر مہریں لگی
ہوئی ہیں۔ شیطان نے تمہیں دھوکہ
دیا اور تمہاری چشمِ بصیرت کو تم
سے سلب کر لیا ہے۔ اب تم قابلِ
ہدایت ہی نہیں ہو۔

کوفہ والو! تم ہلاک ہو جاؤ۔ تم
نے رسولؐ خدا اور اس کے بھائی
علیؑ ابن ابی طالب اور ان کے بعد
عترت کے ساتھ بے وفائی کر کے

کس خون کو اپنی گردن پر لیا ہے[1]

جناب سید سجاد نے بھی بازار کوفہ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا!

" لوگو! خدارا بتاؤ کہ تم وہی لوگ
نہیں ہو جنہوں نے میرے پدر
بزرگوار کو خط لکھ کر آنے کی دعوت
دی اور ان کے ساتھ عہد و پیمان
کیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور
پھر انہیں دھوکہ کے ساتھ قتل کر
دیا۔ خدا تمہیں ہلاک کرے کہ تم نے
اتنا بڑا جرم کیا۔ اگر قیامت کے دن
رسول اللہ صلعم تم سے پوچھیں کہ تم
نے میری عترت کو قتل کیا ہے؟ اور
میری حرمت کو پامال کیا ہے؟ تم
میری امت کے زمرے میں نہیں ہو
تو تم رسول صلعم کے چہرے پر کس طرح
نگاہ کروگے؟

جب شہادت حسین علیہ السلام کی خبر مدینہ پہنچی تو لوگوں کی گریہ زاری کی آواز
بلند ہوئی اور بنی ہاشم کی خواتین اپنے گھروں میں جمع ہوگئیں اور اس طرح گریہ زاری

---

[1] اعیان الشیعہ

کی جس کی نظیر اس وقت تک نہیں ملی تھی۔ عقیل ابن ابی طالب کی صاحبزادی یہ خبر سن کر دوسری خواتین کے ساتھ گھر سے نکلیں۔ وہ اپنے تن کے کپڑے ہاتھ میں پکڑ کر یہ مرثیہ پڑھ رہی تھیں۔

ماذا تقولون ان قال النبی لکم
ماذا فعلتم وانتم آخر الامم
باھلی وعترتی بعد مفتقدی
منھم اساری ومنھم ضرجوا بدم

"یعنی" اگر رسولؐ خدا تم سے سوال کریں
کہ تم نے میری امت ہونے کے باوجود
میرے بعد میرے خاندان کے ساتھ
کیا سلوک کیا؟ تم نے ان میں سے
کچھ کو اسیر بنایا اور کچھ کو خاک و خون
میں غلطاں کر دیا۔ تو تم کیا جواب
دو گے؟"

جب "عمر بن سعید" حاکم مدینہ نے بنی ہاشم کی خواتین کے رونے کی آواز سنی تو مسکرایا۔ اور یہ شعر پڑھا۔

عجت نساء بنی زیاد عجۃ
کعجیج نسوتنا یوم غداۃ الارنب

اس کے بعد کہا۔

" بنی ہاشم کی عورتوں کی یہ فریاد
بنی امیہ کی عورتوں کی اس فریاد

کا بدلہ ہے۔ جو قتل عثمان کے موقعہ
پر کی گئی تھی۔[1]

بہرحال شہادت حسین علیہ السلام کے بعد احساس گناہ نے بنی امیہ کے خلاف لوگوں میں نفرت، حسینؑ کے ساتھ محبت اور انؑ کے انقلاب کے ساتھ ایک لگاؤ پیدا کر دیا۔

انقلاب حسینؑ کے ہم عصر نمونے بھی ہمارے سامنے ہیں۔ جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس انقلاب نے اسلامی معاشرے پر کیا اثرات چھوڑے۔ تاریخ نے جو نمونے ہمارے لئے چھوڑے ہیں۔ ان میں سے ایک "عبداللہ ابن حر" کی بات ہے۔ جو کوفہ سے اس وقت بھاگا تھا جب عبیداللہ ابن زیاد کو اس پر شک ہوا کہ وہ حکومت کا خیرخواہ نہیں ہے۔ وہ کربلا پہنچا۔ تو شہداء کی لاشوں کو دیکھ کر اس نے چند اشعار کہے۔ جن میں اس بات پر ندامت کا اظہار کیا گیا تھا کہ شہدائے کربلا کی نصرت کے لئے میدان کربلا میں نہیں پہنچا۔[2]

ان میں سے ایک شخص "رضی بن منقذ ابدی" ہے۔ جس نے کہا کہ قتل حسین علیہ السلام ایک عار و ننگ ہے۔ جس کی مذمت آنے والی نسلیں کریں گی۔ کاش کہ قتل حسین علیہ السلام سے پہلے ہی میں قبر کی مٹی میں دفن ہو چکا ہوتا۔[3]

۱: تاریخ طبری ج ۴/ ۳۵۶ - ۳۵۷ - الکامل ج ۳/ ۳۰۰

۲: الطبری ج ۵/ ۴۶۹ - ۴۷۰

۳: الطبری ج ۵/ ۴۳۳

اس احساسِ گناہ نے لوگوں میں انقلاب و انتقام کی حدت میں اضافہ کر دیا اور جب بھی کوئی موقع انہیں مل جاتا وہ بنی امیہ کے خلاف قیام کرتے اور انہیں سکون نہیں ملتا تھا۔ خون کے انتقام کا مطالبہ جاری و ساری رہا اور بالآخر آپؑ تمام ظالمین کے خلاف انقلاب کی ایک مشعل راہ بن گئے۔

اخلاق کی نئی اقدار

حقیقی انقلاب وہ ہوتا ہے۔ جس سے موجودہ خراب معاشرے کا خاتمہ ہو اور جب حالات میں تبدیلی کے علل و اسباب فراہم ہو جاتے ہیں تو اس وقت انقلاب ناگزیر ہو جاتا ہے۔

انقلاب کے سربراہ عموماً وہ لوگ ہوا کرتے ہیں جو قوم کے بہترین افراد ہوں۔ جن پر معاشرے کے برے اثرات نے کوئی اثر نہ ڈالا ہو اور معاشرے کی خرابیوں سے بالا و برتر ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ معاشرے کی برائیوں سے بھی بخوبی آشنا ہوں۔ حالات حاضرہ سے بھی آگاہ ہوں اور معاشرے کی زبوں حالی دکھ درد کو محسوس کرتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ معاشرے سے بالاتر ہوتے ہیں۔

انقلاب اس کے سربراہان کی اس وقت تقدیر بن جاتا ہے۔ جب اصلاح احوال کے دوسرے تمام راستے بند ہو جائیں۔ اور اگر ان حالات میں یہ لوگ اپنا

کام نہ کریں تو ان کا اثر مفقود ہو جاتا ہے اور اس وقت یہ سربراہ کہلانے کے مستحق نہیں رہتے۔ ان کو خاص مقام اس وقت تک حاصل رہتا ہے۔ جب تک وہ اپنی عظیم و تاریخی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوتے رہیں۔ اگر انقلاب ایک ایسے معاشرے میں رونما ہو رہا ہو۔ جس میں کوئی دینی اور انسانی اقدار، افراد کی ضمانت فراہم نہ کر رہی ہوں تو اس وقت انقلاب کے لئے ضروری ہے کہ وہ نئے اخلاقی اقدار کو جنم دے۔ اور اگر یہ انقلاب ایک ایسے معاشرے میں رونما ہو۔ جس میں دینی اور انسانی اقدار موجود ہوں تو اس صورت میں انقلاب کے لئے ضروری ہے کہ وہ اخلاقی اقدار کا احیاء کرے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کے زمانے میں اسلامی معاشرے کی یہی حالت تھی کیونکہ بنی امیہ نے اسلامی اخلاقی اقدار کو پامال کر دیا تھا اور جاہلیت کے اخلاق کو زندہ کر دیا تھا۔

ہر انقلاب میں جس قدر اخلاقی مقاصد طاقت ور ہوتے ہیں۔ اسی قدر انقلاب کی کامیابی مؤثر تر ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ معاشرہ جو تشنۂ انقلاب ہے اس میں انسان کے تعلقات فاسد اور پست ہوتے ہیں اور نتیجتہً ان کی طرز زندگی بھی پست ہوتی ہے اور ایسے پر آشوب معاشرے کا واحد علاج انقلاب ہے۔ لہٰذا انقلاب کے لئے جس نئے اخلاقی نظام کی ضرورت ہے وہ اس انقلاب کی کامیابی کا حقیقی مظہر ثابت ہوتا ہے۔

اسی لئے ایک نئے نظامِ اخلاق کی طرف دعوت دینا جو اس وقت کے موجودہ معاشرے سے بالاتر ہو۔ انقلاب کی ایک ضرورت شمار ہوتی ہے۔ کیونکہ انسان کے اپنے بارے میں دوسروں کے بارے میں اپنی اور معاشرے کی

زندگی کے بارے میں اس سارے نظریے کو بدلنا ضروری ہے تاکہ انقلاب وقوع پذیر ہو سکے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب نے بنی امیہ کے خلاف اپنے انقلاب میں انسانی معاشرے کے لئے اسلام کے بلند پایہ اخلاق کی تعلیم پوری پاکیزگی کے ساتھ دی۔ یہ تعلیم زبانی نہیں تھی بلکہ انہوں نے ان تعلیمات کو سرزمین کربلا میں اپنے پاک خون سے لکھا۔

عہد امام علیہ السلام میں قبائلی سردار اور مذہبی شخصیتوں نے اپنے آپ کو مال و زر کا غلام بنا رکھا تھا اور اپنے ضمیر کو اس ناپائیدار دنیا کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا اور عام لوگ چونکہ ان کے مفادات ان پست فطرت ظالموں کے ہاتھ میں تھے۔ اس لئے ان کے سامنے سر تسلیم خم کرتے تھے۔

اس زمانے کے سیاسی اور مذہبی سربراہان کو یہ معلوم تھا کہ یزید کس قدر پست اور ذلیل ہے۔ اس کے باوجود وہ اس کے سامنے جھک گئے تھے، اور وہ عبید اللہ زیاد کے خاندان کی پستی سے بخوبی واقف تھے۔ اس کے باوجود وہ اس کی اطاعت کو قبول کرتے تھے، یہ لوگ —— ان دونوں پست فطرت ظالموں کے سامنے سر تسلیم خم کرتے تھے، تا کہ ان کے مال و دولت اور اقتدار سے معاشرے میں اپنا اثر و نفوذ قائم کر سکیں۔

اس معاشرے کے سربراہان اپنے ذاتی مفاد کی خاطر خیانت کرتے تھے۔ اور معاشرے کی بدبختی، محرومیت اور مذلت کی قیمت ادا کر کے اور ظالموں کیساتھ تعاون کر کے، اپنے ضمیر و وجدان تک کی بھی مخالفت کرتے تھے، جھوٹی باتوں کی جعل سازی کرتے تھے تاکہ ظالموں کو استحکام مل جائے اور اس راہ میں اپنے

اس دین کے ساتھ بھی خیانت کرتے تھے۔ جو ہمیشہ ظالموں کے خلاف قیام کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اس وقت کے اسلامی معاشرے میں ایسے افراد موجود تھے۔ جو اپنے مفاد کی خاطر ہر چیز کو قربان کر دیتے تھے۔

زاہد نما

دوسرے فریق کے لوگ بھی پہلے فریق سے کمتر نہ تھے۔ یہ وہ زاہد نما لوگ تھے۔ جو ریاکارانہ طور پر اپنے آپ کو عوام کے سامنے زاہد و عابد ظاہر کرتے تھے، اور جب انہیں ظالموں کی قربت حاصل ہو جاتی تو وہ ان کے ساتھ تعاون کرتے تھے۔ ایسے افراد کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے۔

"کچھ لوگ ایسے ہیں جو آخرت کے اعمال بجا لا کر دنیاوی مفاد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ دنیا میں عمل کر کے آخرت حاصل کرنا نہیں چاہتے۔ یہ لوگ وقار کا مظاہرہ کرتے ہیں اور چلتے ہوئے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ہیں اور کپڑے بچا کر چلتے ہیں اور اپنے آپ کو امین ظاہر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ گناہوں پر پردہ ڈالتا ہے۔ یہ لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

عام لوگ ان کی روش سے مانوس ہو گئے تھے، لہذا ان کے بارے میں کوئی

خاص اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔

ان حالات میں لوگوں کے لئے یہ بات ناقابل یقین تھی کہ ایک فرد جس کے سامنے آرام وراحت کی زندگی اور جاہ وجلالت کا موقع بھی ہے۔ مگر اسے ان چیزوں کی خاطر ایک ظالم حکومت کے سامنے سر تسلیم خم کر کے اس کے ظلم میں شریک ہونا اور اپنے دینی اصولوں سے ہاتھ اٹھانا پڑے گا۔

اور اگر دوسرا راستہ اختیار کیا جاتا ہے تو پھر موت، پیاس، عزیزوں، بھائیوں رشتہ داروں اور اپنے خاندان کے افراد کی موت ہے اگر اس راہ کا انتخاب کیا تو انہیں اپنے ساتھیوں کو پوری پامردی اور بہادری کے ساتھ دشمن کے مقابلے میں تشنگی کی حالت میں کھڑے دیکھنا ہوگا۔ جو آخر دم تک دشمن کے ساتھ مقابلہ کر رہے ہیں۔ وہ مرنے کو ترجیح دے سکتے ہیں مگر ذلت کی زندگی کو قبول نہیں کر سکتے۔ اور اس کے ساتھ اپنے عزیزوں اور ساتھیوں کو یکے بعد دیگرے خون میں غلطاں ہوتے ہوئے دیکھنا ہوگا۔ دوسری طرف ان کے خاندان کے ناموس کے ساتھ ناروا سلوک ہوگا۔ اس کو بھی برداشت کرنا ہوگا جن کو حالت اسیری میں دربدر پھرایا جائے گا

اس زمانے کے لوگوں کے لئے یہ باتیں ناقابل یقین تھیں کہ جو شخصیت ایسے دوراہے پر کھڑی ہو اور ان تمام حالات سے آگاہ ہونے کے باوجود آرام وراحت کی زندگی پر بے کسی کے عالم میں قتل ہونے کو کیسے ترجیح دے سکتی ہے۔

اس زمانے کے لوگوں نے تو ایسے افراد کو دیکھ لیا تھا۔ جو قتل سے بہت کم معمولی باتوں کے لئے ظالموں کے آگے سر تسلیم خم کرتے تھے، لوگوں نے عمر بن سعد، اشعث بن قیس جیسے افراد کو دیکھا ہوا تھا۔ ایسے افراد سے مانوس ہونے والوں کے لئے ایک ایسی ہستی کا مشاہدہ کرنا قابل تعجب تھا جو انسانیت کے لئے ایک نمونۂ عمل بن رہی ہے اور عظمت و سربلندی میں بشر سے ماوراء ہے۔

اخلاق کے اس نئے طرز تفکر نے مسلمانوں کے ضمیر کو جھنجھوڑا اور انہیں ان کے طویل خوابِ غفلت سے بیدار کیا تاکہ وہ ان تابناک صفحات کا مطالعہ کر سکیں، جن کو اس انسان نے اپنے خون سے رقم کیا ہے۔ تاکہ اصول و شرافت اور عزت کی زندگی حاصل ہو جائے۔

اب انسانیت پر ان کی موجودہ زندگی کا راز بھی کھل گیا اور جن چلتے پھرتے بتوں کی وہ پرستش کرتے تھے۔ ان کا چہرہ بھی بے نقاب ہو گیا اور اس نظام اخلاق نے زندگی کا ایک ایسا نیا راستہ دکھلا دیا جس میں سختیاں تو جھیلنا پڑتی ہیں۔ لیکن یہ ایک روشن مستقبل اور ایک ابدی زندگی کی طرف لے جاتا ہے۔ اخلاقیات کا یہ نیا نظام ہر اسلام دشمن حکمران کے لئے ایک چیلنج بن گیا۔ کیونکہ اس نئے نظام میں عوام جوق در جوق شامل ہو رہے ہیں اور حضرت امام حسین علیہ السلام کا بھی مقصد یہی تھا۔ وہ امت اسلامیہ کو غلامی سے نکال کر اپنی انسانیت کی راہ میں جہاد کرنے کا طریقہ بتلانا چاہتے تھے۔

انقلابِ حسین کے تمام مراحل میں مدینہ سے لے کر کربلا تک اعلیٰ اخلاقی اقدار کا یہی نمونہ ہم دیکھتے ہیں۔

چنانچہ امام حسینؑ اپنے بھائی محمد ابن حنفیہ سے فرماتے ہیں۔ جب وہ ابھی مدینہ میں تھے۔

"میرے بھائی قسم بخدا اگر اس دنیا
میں میرے لئے کوئی پناہ گاہ
نہ بھی ملے۔ پھر بھی میں یزید
ابن معاویہ کی بیعت

نہیں کروں گا"[1]

اور جب آپ رات کی تاریکی میں مدینہ سے نکل رہے تھے، اس وقت "یزید بن مفرغ حمیری" کے یہ اشعار آپ پڑھ رہے تھے۔

لاذعرت السوام فی فلق
الصبح مغیراً ولادعیت یزیداً
یوم اعطی علی المہانۃ ضیماً
والمنایا یرصدننی ان احیداً

یعنی "اگر میں دشمن کے ہاتھ پر بیعت کرلوں تو میں وہ بہادر شخص نہیں ہوں، جس کے حملے سے صبح کی روشنی میں وحشی جانور تک میرے خوف سے بھاگتے ہیں اور میرا نام یزید نہیں ہے۔ اگر میں موت سے ڈروں، موت سے فرار کا کوئی راستہ نہیں ہے کیونکہ میں اگر موت سے جتنا بھاگوں گا۔ اتنا ہی موت میری کمین میں آئے گی[2]"

---

[1] اعیان الشیعہ ج ۴/حصہ اول/۱۸۶

[2] تاریخ طبری ج ۴/ ۲۵۳، الکامل ج/ ۲۶۵

" حر ابن یزید ریاحی" نے امامؑ کی خدمت میں عرض کی کہ میں آپؑ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپؑ اپنی جان خطرے میں نہ ڈالیے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اگر جنگ ہو گئی تو آپؑ شہید ہو جائیں گے اور اگر دشمن نے آپ پر حملہ کیا تو پھر موت یقینی ہے۔ امامؑ نے جواب میں فرمایا۔

" کیا تو مجھے موت سے ڈراتا ہے اور میں تمہیں کیا کہوں۔ صرف یہی جواب تمہیں دے سکتا ہوں جو قبیلہ اوس کے ایک فرد نے اپنے عم زاد کو دیا تھا۔ قبیلۂ اوس کا یہ فرد پیغمبر اسلام کے ساتھ لڑنے کے لئے جانا چاہتا تھا۔ اس کے عم زاد نے کہا۔ مت جاؤ۔ تو مارا جائے گا۔ تو اس نے شعر کی صورت میں جواباً کہا "میں جاتا ہوں۔ کیونکہ اگر انسان راہ خیر میں مسلمان ہو کر جہاد کرے اور نیک بندوں کی مدد کرے اور مجرموں اور فاسقوں کی مخالفت میں مارا جائے تو یہ اس کے لئے باعث ننگ نہیں ہے۔ اگر میں مارا جاؤں تو کوئی حرج نہیں اور اگر میں زندہ رہوں تو بھی

میں موردِ ملامت نہیں ہوں۔ لیکن
تیری ذلت وخواری کے لئے اتنا
کافی ہے کہ تو ذلت کی زندگی گزار رہا ہے

سامضی وما بالموت عار علی الفتی
اذا مانوی خیراً و جاھد مسلماً
وٗاسی رجالاً صالحین بنفسہ
وخالف مثبوراً وفارق مجرما
فان عشت لم اندم وان مت لم اُلَمْ
کفی بک ذلاً ان تعیش و ترغما[1]

اور جب حسین علیہ السلام دشمنوں کے گھیرے میں تھے تو اس وقت ان سے کہا گیا کہ یزید کی بیعت کرو۔ تو آپ نے فرمایا۔

"قسم بخدا! میں ذلت کا ہاتھ تمہارے
ہاتھ میں نہیں دوں گا اور نہ غلاموں
کی طرح بھاگوں گا۔ ولدالزنا ابن
ولدالزنا نے مجھے قتل اور ذلت
کے درمیان لا کھڑا کیا ہے۔ مگر
ذلت وخواری ہم سے کوسوں دور
ہے۔ خدا، رسول اور مومنین، ہماری

---

[1] الطبری ۴/۲۵۳

ذلت پر راضی نہیں ہوں گے۔ ہمارا
پاکیزہ خاندان، عزت نفس، بلند
ہمتی اور پاکیزہ تربیت اس بات
کی اجازت نہیں دیتی کہ میں عزت
کی موت پر کمینوں کی اطاعت کو
ترجیح دوں۔"

اور اپنے اصحاب کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

"جن حادثات سے ہم دوچار ہیں وہ
آپ دیکھ رہے ہیں۔ دنیا نے اپنا
چہرہ بدل لیا ہے اور اس کی نیکیاں
ختم ہو گئی ہیں اور ان میں سے
سوائے چند قطروں کے اور کوئی نمی
نہیں رہی۔ اب اس دنیا کی زندگی
ذلت آمیز ہو چکی ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق کو چھوڑ
دیا گیا ہے اور باطل سے باز نہیں
آتے۔ ایسے حالات میں مومن کو
موت کی تمنا کرنی چاہیئے۔ میں
موت کو سعادت اور ظالمین کے
ساتھ زندہ رہنے کو ہلاکت

سمجھتا ہوں[1]

اور آپؑ اکثر فرمایا کرتے تھے۔

"ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے!"[2]

یہ ساری باتیں ہمیں حسین علیہ السلام کی سیرت کا پتہ دیتی ہیں اور انہی انسانی قدروں کی وجہ سے واقعہ کربلا نے اس معاشرے میں دینی احساسات کو نئی روح بخشی ہے۔

لوگوں کی ذلت آمیز زندگی

ہم نے پہلے بتلا دیا کہ عصر امام میں سیاسی اور مذہبی زعماء کس طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ اب ہم عام آدمیوں کی زندگی کے بارے میں کچھ بتائیں گے۔ اس زمانے میں عام آدمی صرف اپنی ذاتی زندگی کی طرف متوجہ تھا۔ اسی کے لئے کام کرتا تھا اور اسی کی راہ میں محنت اور اسی دائرے میں سوچتا تھا۔ اگر زیادہ وسعت آگئی تو اپنے قبیلے کے دائرے میں محدود رہتا تھا۔ معاشرے کو لوگ کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ اجتماعی معاملات کو اپنے سیاسی اور دینی زعما کے حوالے کرتے۔ وہ خطوط بناتے اور یہ لوگ اسی پہ چلتے اور بس۔ اس سے زیادہ اجتماعی معاملات میں لوگوں کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔

---

[1]: اعیان الشیعہ ج ۴/ ۲۳۴

[2]: اعیان الشیعہ ج ۴/ ۱۳۵

جس چیز کو لوگ زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ وہ ان کا وظیفہ تھا۔ جس کے لئے وہ اپنے سرداروں کی آنکھ بند کر کے اطاعت کرتے تھے کہ کہیں تقسیم اموال کے دفتر سے انکا نام مٹا نہ دیا جائے اور اسی کی خاطر وہ ہر ظلم و جور کے خلاف آواز اٹھانے سے باز رہتے تھے۔ (۱)

لوگ اپنے قبائلی فخر و مباہات اور دوسرے قبائل کے عیوب کے بارے میں مصروف رہتے تھے اور اس سلسلے میں شعراء کے بہت سے اشعار بھی ملتے ہیں۔

یہ تھی عام آدمی کی زندگی۔ اب دیکھیں اصحاب حسین علیہ السلام کی زندگی کی کیا اقدار تھیں۔

امام حسینؑ کے ساتھ شامل افراد میں عام لوگ بھی موجود تھے۔ ان کا گھر تھا ان کے بیوی بچے اور دوست تھے اور سب کو بیت المال سے کچھ ملتا بھی تھا۔ اور ان میں سے بہت سے لوگ ابھی جوانی کے آغاز میں تھے اور اچھی زندگی گزار رہے تھے۔ مگر وہ ان سب چیزوں کو پسِ پشت ڈال کر امامؑ کی ہمراہی میں مرنے کو ترجیح دیتے ہیں اور اس وقت کے فاسد معاشرے کا مقابلہ کرتے ہیں

---

(۱): "حمید ابن مسلم" کہتا ہے۔ میں نے شمر سے کہا کہ کیا تو عورتوں اور بچوں کو قتل کر کے اپنا عذاب دوگنا کرنا چاہتا ہے۔ جبکہ مردوں کا قتل کرنا اپنے آقا کی توجہ مبذول کرنے کے لئے کافی ہے۔ شمر نے کہا۔ تم کون ہو۔ میں نے اپنے تعارف کرانے سے گریز کیا۔ حمید ابن مسلم کہتا ہے: میں نے اپنا نام اس لئے نہیں بتایا کہ کہیں وہ امیر کے پاس میری بدگوئی کر کے مجھے کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ (الطبری ج ۴/۳۴۴)

اور اپنے عقائد کی راہ میں جان دے دیتے ہیں۔

عظیم شخصیتیں

حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے اعلیٰ کردار کی کامل تصویر کشی تو ممکن نہیں۔ اس سلسلے میں ہم کو کربلا کا واقعہ اوّل سے آخر تک پڑھنا چاہیئے۔ یہاں ان کے اعلیٰ کردار کی کچھ جھلکیاں قلمبند کر سکتا ہوں۔

۱۔ منزل "زبالہ" میں مسلم ابن عقیل اور آپؑ کے رضاعی بھائی عبداللہ یقطر کی شہادت کی خبر آپؑ کو ملتی ہے۔ حسینؑ اس خبر کو سننے کے بعد اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے ارشاد فرماتے ہیں۔

" امابعد۔ ایک المناک خبر پہنچی ہے کہ
مسلم ابن عقیل، ہانی بن عروہ اور
عبداللہ بن یقطر کو شہید کر دیا گیا
ہے اور لوگوں نے ہم سے بیوفائی
کی ہے۔ جو واپس جانا چاہتا ہے
بے شک وہ واپس چلا جائے اور
ان پر کوئی ملامت نہیں ہو گی"۔ ؎

یہ سن کر دنیاوی مفاد کے لئے آنے والے سب لوگ چلے گئے۔ اور صرف وہی لوگ رہ گئے۔ جو آپؑ کے ساتھ مرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ وہ مرتے دم تک

؎: تاریخ طبری ج ۴/ ۳۰۰ - ۳۰۱، اعیان الشیعہ ج ۴/ حصہ اوّل ۲۲۳

اسی عہد پر باقی رہے۔

۲۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے کربلا میں اپنے ساتھیوں سے فرمایا۔

"لوگ دنیا کے غلام ہیں اور دین صرف ان کی زبانوں تک محدود ہے۔ جب تک دین کے ساتھ ان کا مفاد وابستہ ہے وہ اس کے گرد جمع رہتے ہیں اور جب آزمائش کا وقت آتا ہے تو دیندار تھوڑے رہ جاتے ہیں۔"

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا۔

"جن حادثات سے ہم دوچار ہیں وہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ دنیا نے اپنا چہرہ بدل لیا ہے اور اس کی نیکیاں ختم ہو گئی ہیں اور ان میں سے سوائے چند قطروں کے اور کوئی نمی نہیں رہی۔ اب اس دنیا کی زندگی ذلت آمیز ہو چکی ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق کو چھوڑ دیا گیا ہے اور باطل سے باز نہیں آتے ایسے حالات میں مومن کو موت کی

تمنا کرنی چاہیئے۔ میں موت کو سعادت
اور ظالمین کے ساتھ زندہ رہنے کو
ہلاکت سمجھتا ہوں۔"

اس وقت "زہیر ابن قین" نے کہا:

"اے فرزند رسول! ہم نے آپؑ کا
فرمان سن لیا۔ اگر دنیا ہمیشہ باقی رہتی
اور ہم اس دنیا میں ابدی زندگی
پانے والے ہوتے تو بھی آپ کے
ساتھ قیام کرنے کو ترجیح دیتے۔"

"بریر بن خضیر" نے کہا۔

"اے فرزند رسولؐ! اللہ نے ہم پہ
یہ احسان کیا کہ ہم کو آپؑ کی ہمراہی
میں لڑنے کی توفیق دی ہے۔ آپؑ
کی راہ میں ہمارے بدن کے ٹکڑے
ٹکڑے ہو جائیں۔ پھر شاید آپؑ،
کے جد بزرگوار قیامت کے دن
ہماری شفاعت کر دیں۔

"نافع بن ہلال" نے کہا۔

"ہمارا اختیار آپؑ کے ہاتھ میں
ہے۔ آپؑ جہاں چاہیں۔ ہمیں

اپنے ساتھ لے جائیں۔ کیوں کہ ہدایت
آپؑ کے ساتھ ہے۔ ہم نہ تقدیر الٰہی
سے خوف کھاتے ہیں نہ اپنے رب
کے پاس جانے سے ڈرتے ہیں
اور ہم۔ صمیم قلب سے آپ کے
دوستوں کے دوست اور دشمنوں
کے دشمن رہتے ہیں [1]

۴- ابھی شب عاشورہ کی تاریکی چھائی نہیں تھی۔ حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو جمع کر کے یہ فیصلہ ارشاد فرمایا۔

"میں نے اپنے اصحاب سے زیادہ
باوفا اصحاب کہیں نہیں دیکھے اور
اپنے اہل بیت سے زیادہ مہربان
کسی خاندان کو نہیں پایا۔ خدا تم سب
کو جزائے خیر دے۔ ان لوگوں کے
ساتھ ہمارا کل فیصلہ ہونے والا ہے
میں تم کو آزادی دیتا ہوں۔ تم سب
یہاں سے جا سکتے ہو۔ تم پر سے
اپنی بیعت میں نے اٹھالی ہے۔

---

[1]: اعیان الشیعہ ج ۴/ حصہ اول/ ۲۲۴ - ۲۲۵

رات کا پردہ ڈھلنے والا ہے اسی
سے فائدہ اٹھاؤ۔ تم میں سے ہر
ایک شخص میرے خاندان کے ایک
ایک فرد کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ
لے جائے۔ تم سب کو اللہ جزائے خیر دے۔
یہ لوگ صرف میری جان کے پیاسے
ہیں اور اگر وہ مجھے شہید کر دیں
تو دوسروں کا پیچھا نہیں کریں گے۔"

یہ آخری مہلت تھی جو امام حسین علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کو دی۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس کا ردعمل کیا ہوا۔ امامؑ کا یہ فرمان سن کر آپؑ کے بھائی فرزندان بھتیجے اور عبداللہ ابن جعفر کے فرزندوں نے یک آواز ہو کر کہا۔

"ہم ہرگز ایسا نہیں کریں گے۔ ہم
آپؑ کے بعد زندہ رہیں!
خدا وہ دن ہمیں نہ دکھائے۔"

اس کے بعد امام علیہ السلام نے اولادِ عقیل کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

"تمہاری طرف سے مسلم کی قربانی
کافی ہے۔ تم چلے جاؤ۔ میں نے
تمہیں اجازت دے دی ہے۔

انہوں نے جواب میں کہا۔

" لوگ کیا کہیں گے اور ہم ، لوگوں

سے کیا کہیں گے کہ ہم نے اپنے
سید و سردار اپنے ابن عم کو. جو
سب سے بہتر ہیں۔ ان کے ساتھ
تیر چلائے بغیر اور نیزے اور تلوار
کا وار کئے بغیر تنہا چھوڑ دیا۔ قسم
بخدا ہم ایسا نہیں کریں گے۔ ہم
اپنی جانوں اپنے خاندان اور دولت
کو آپؑ پر نثار کریں گے۔ ہم اس
وقت تک آپکی ہمراہی میں لڑیں گے
جب تک ہمارے ساتھ بھی وہی
کچھ نہ ہو جائے۔ جو آپ کے ساتھ
ہو گا۔ آپؑ کے بعد خاک ہو زندگی
کے سر پہ۔"

اب اصحاب کی باری آتی ہے۔ ان کی طرف سے "مسلم بن عوسجہ" کہتے ہیں
کیا ہم آپ کو چھوڑ سکتے ہیں؟ ابھی
تک ہم نے آپ کا کوئی حق ادا نہیں
کیا۔ اگر ہم نے آپؑ کی نصرت چھوڑ
دی تو کل اللہ کے پاس کیا عذر
پیش کریں گے۔ قسم بخدا ہم آپؑ
سے اس وقت تک جدا نہیں ہوں

گے جب تک اپنے اس نیزے کو آپؑ کے دشمنوں کے سینے میں گھونپ نہ دیں اور اپنی اس تلوار سے ان کے پہلوؤں کو چیر نہ دیں اور جب تک میرے ہاتھ میں تلوار ہے۔ لڑتا رہوں گا اور اگر میرے ہاتھ میں کوئی اسلحہ باقی نہ رہا تو میں ان پر سنگباری کر کے ان سے لڑتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ آپؑ پر اپنی جان نثار کر دوں۔"

سعد بن عبداللہ نے کہا۔

"قسم بخدا آپ کو تنہا نہیں چھوڑیں گے اور اللہ کو ہم یہ بتا دیں گے کہ ہم نے رسول خداؐ اور ان کی آل کی حرمت کی پاسداری کی ہے۔ قسم بخدا اگر مجھے یقین ہو کہ میں مارا جاؤں گا۔ پھر زندہ کیا جاؤں گا پھر زندہ جلایا جاؤں گا اور پھر میرے جسم کی خاک ہوا میں اڑا دی جائے گی۔ اس طرح میرے ساتھ ستر مرتبہ کیا جائے

گا تو بھی میں آپؑ سے جدا ہونا گوارا
نہیں کروں گا اور آپؑ پر اپنی
جان نثار کر دوں گا۔ اب جب کہ
مجھے ایک مرتبہ ہی مارا جانا ہے تو
آپؑ کا ساتھ کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔

" زہیر ابن قین ؓ" نے کہا۔

"قسم بخدا میں چاہتا ہوں کہ مجھے
ایک ہزار مرتبہ قتل کیا جائے اور
پھر اٹھایا جائے۔ اور آپؑ اور آپؑ
کے اہل بیت زندہ رہیں"

دوسرے اصحاب نے بھی یک آواز ہو کر کہا:

" قسم بخدا۔ ہم آپؑ کو تنہا نہیں چھوڑیں
گے۔ اور اپنی جانیں آپؑ پر نثار
کر دیں گے۔ ہم اپنی گردنیں اپنی
پیشانیاں اور اپنے ہاتھ آپؑ کے
لیے سپر بنائیں گے۔ جب ہم مارے
جائیں گے تو ہم نے اپنا فریضہ ادا کر دیا"[1]

۴۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایک مرتبہ شب کو" نافع بن ہلال"
سے فرمایا۔

---

[1]: الطبری ج ۴/۳۱۷ - ۳۱۸

"ان دونوں پہاڑیوں کے بیچ میں
سے رات کی تاریکی میں نکل جاؤ
اور اپنے آپ کو نجات دے دو۔"

نافع آپؑ کے قدموں پہ گرا اور قدموں کو چوم کر عرض کی۔

"میری ماں مجھ پہ روئے۔میری تلوار
اور میرا گھوڑا ایک ایک دینار کا ہے
اس ذات کی قسم جس نے آپؑ کے
ذریعے ہم پہ احسان کیا ہے۔جب
تک میری تلوار کاٹ سکتی ہے اور
میرا گھوڑا دوڑ سکتا ہے۔آپؑ کا
دامن نہیں چھوڑوں گا۔"

شمر ابن ذی الجوشن نے چیخ کر کہا۔

"ہمارے خواہر زادے کہاں ہیں۔"

تو جناب حضرت عباس اور جعفر و عثمان اور فرزندان علیؑ سامنے آئے اور فرمایا:

"کیا چاہتے ہو؟"

شمر نے کہا،

"تم ہمارے خواہر زادے ہو۔تم کو
ہم امان دیتے ہیں۔"

شمر کو جواب ملا،

"خدا تجھ پر اور تیری امان پر لعنت کرے
کیا تو ہم کو امان دیتا ہے اور فرزند
رسولؐ کے لیئے کوئی امان نہیں ہے![1]

یہ تھے وہ اعلیٰ انسانی کردار جو یارانِ حسینؑ نے اپنائے تھے اور یہ تھیں وہ اخلاقی اقدار جن کو حسینیوں نے اسلامی معاشروں کے لیئے پیش کیا اور یہ تھا وہ درس جو کربلا نے دیا، کربلا کے واقعے کے بعد بہت سی جماعتوں نے انہی اعلیٰ اخلاقی کردار کو اپنانے کی کوشش کی۔

انقلابِ کربلا میں خواتین کا کردار

یہاں پر اس بات کا مطالعہ بھی ضروری ہے کہ انقلابِ کربلا میں خواتین کا کردار کیا تھا۔ کیونکہ ان انقلابیوں میں بیوی بھی تھی۔ بھائی بھی اور بیٹا بھی۔ اپنے شوہر، بھائی اور بیٹے کی شہادت کے بارے میں خواتین کا ردِعمل کیا تھا اس بارے میں تاریخ جو جواب ہم کو دیتی ہے۔ وہ واقعاً ہلا دینے والا ہے۔ کیونکہ یہ شیر دل خواتین کربلا کے جانبازوں کی صفِ اوّل میں نظر آتی ہیں۔ اس سے مراد جناب زینب سلام اللہ علیہا اور ان کی خواہران نہیں ہیں۔ ان کے مقام کو تو کوئی بشر نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ ان سے مراد وہ عام خواتین ہیں۔ جو واقعہ کربلا سے چند روز پہلے دوسری باقی خواتین کی طرح امور خانہ داری۔ زیب و زینت، لباس، تربیت اولاد اور اپنی ہمسایہ عورتوں سے گفتگو وغیرہ میں مصروف تھیں۔ ہماری

---

[1] الطبری ج ۴/ ۳۱۵۔ اعیان الشیعہ/ ۲۴۵ - ۲۴۶

گفتگو ان خواتین کے متعلق ہے۔ جن کا سید الشہداء کے ساتھ کوئی خونی رشتہ نہیں تھا۔ البتہ ان کے ساتھ عقیدے اور ایمان کا مضبوط رشتہ تھا۔ اور اسی روحانی رشتے کی وجہ سے انہوں نے اپنے شوہروں اور بچوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ قربانی کے لئے پیش کر دیا اور آخر میں خود خواتین نے بھی اپنی جانیں نثار کر دیں۔ ذیل میں ہم چند نمونے پیش کرتے ہیں۔

۱۔ "عبداللہ بن عمیر" نے اپنے ارادے سے اپنی زوجہ کو آگاہ کیا کہ میں حسینؑ کے ساتھ جا ملنا چاہتا ہوں۔ اس کی زوجہ نے کہا۔ آپ نے بہترین فیصلہ کیا ہے۔ خدا آپ کی رہنمائی فرمائے۔ اپنے معاملات کو درست کیجئے اور حسینؑ کی نصرت کے لئے نکلئے اور مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلیئے۔ چنانچہ وہ زوجہ کو لے کر امام حسینؑ کے پاس حاضر ہوئے اور امام کے ساتھ قیام کیا۔

روزِ عاشورا جب وہ لڑنے کے لئے نکلے تو ان کی زوجہ ہاتھ میں خیمے کا ستون لئے ہوئے اپنے شوہر سے کہتی ہیں۔ "میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ اپنی جان فرزندِ رسولؐ پر نثار کر دیں۔" عبداللہ نے بہت کوشش کی کہ ان کی زوجہ عورتوں میں واپس چلی جائے۔ مگر بے سود۔ وہ عبداللہ کا دامن پکڑ کر کہتی ہیں "میں آپ سے اس وقت تک جدا نہیں ہوں گی۔ جب تک میں آپ کے ساتھ قتل نہ ہو جاؤں۔"

سید الشہداء نے یہ ماجرا دیکھ کر فرمایا۔

"تجھے اہل بیت کی طرف سے
جزائے خیر ملے تو عورتوں میں واپس
آجا اور خواتین کے خیمے میں بیٹھ جا۔"

اس خاتون نے امام حسین علیہ السلام کی اطاعت کی اور خیمے میں واپس آگئی۔

جب اس کے شوہر عبداللہ شہید ہو گئے تو وہ ان کے سرہانے پہ پہنچیں اور ان کے چہرے سے مٹی صاف کر کے کہا۔

" جنت تمہارے لئے مبارک ہو۔"

شمر نے اپنے رستم نامی غلام سے کہا۔

" لاٹھی سے اس خاتون کا سر
پھاڑ دو۔"

چنانچہ اس شخص نے لاٹھی کا وار کیا۔ جس سے یہ خاتون شہید ہو گئی۔ اور یہ خاتون اصحاب حسینؑ میں سب سے پہلی شہیدہ ہے۔[1]

" وہب بن حباب کلبی" سے اس کی ماں نے کہا :

" بیٹا! اٹھو اور فرزند رسولؐ اور
اس کی آل کی مدد کرو۔"

وہ اٹھے اور یزیدی لشکر پہ حملہ آور ہوئے اور کچھ لوگوں کو ہلاک کر کے خیمے کی طرف واپس آئے اور کہا۔

" امی! کیا آپ اب خوش ہیں۔"

ماں نے کہا۔

" میں راضی نہیں ہوں۔ میں اس
وقت راضی ہوں گی۔ جب تم حسینؑ

---

[1]: الطبری ج ۴/ ۳۲۶-۳۲۷-۳۳۳-۳۳۴۔

کی راہ میں شہید ہو جاؤ گے۔"

اس وقت اس کی زوجہ نے کہا۔

"خدارا مجھے سوگوار نہ بناؤ۔"

ماں نے وہب سے کہا۔

"بیٹا اس کی باتوں میں نہ آ۔ اور
واپس جا کر فرزند رسول کی راہ
میں جنگ کرتا کہ قیامت کے دن
ان کے جد کی شفاعت کا مستحق بنے۔"

چنانچہ وہ واپس لوٹ گیا اور لڑتا رہا۔ یہاں تک کہ ان کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے گئے اور پھر شہید ہو گئے۔[1]

"جنادہ بن حارث سلمانی" اپنے اہل وعیال کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔ وہ لڑتے ہوئے جب شہید ہوئے تو اس کی زوجہ نے اپنے نوعمر بیٹے عمرو سے کہا کہ جاؤ حسینؑ کی مدد کرو اور دخترِ رسول کے فرزند کی راہ میں لڑو۔ چنانچہ وہ نکلے اور امام سے اجازت چاہی تو آپؑ نے فرمایا۔

"تو ابھی نوجوان ہے۔ باپ بھی تیرا
مارا گیا ہے۔ شاید اس جنگ
کے لئے نکلنے پر تیری ماں راضی نہ ہو۔"

نوجوان نے عرض کیا۔

---

[1] اعیان الشیعہ ج ۴/ حصہ اول/ ۲۶۷ - ۲۶۸

"میری ماں نے ہی مجھے تیار کر کے
بھیجا ہے۔"

چنانچہ وہ میدان میں نکلے، جنگ لڑی اور شہید ہو گئے اور دشمن نے اسکا سر کاٹ کر امام حسینؑ کے لشکر کی طرف پھینک دیا۔ اس کی ماں نے اس کا سر اٹھا کر کہا۔

"آفرین اے بیٹے۔"

اس کے خیمے کا ایک ستون لے کر یہ رجز پڑھا۔

انا عجوز سیدی ضعیفة
خاویة بالیة نحیفة
اضربکم بضربة عنیفة
دون بنی فاطمة الشریفة

یعنی "اے میرے آقا میں ایک ضعیف العمر
ناتواں اور کمزور بوڑھی ہوں۔
دشمنو! فاطمہ زہرا کی اولاد کی راہ
میں تم پہ کاری ضرب لگاؤں گی۔

اس بہادر خاتون نے دشمن کے دو آدمیوں کو قتل کیا اور جناب سید الشہداء نے ان کو واپس خیمے میں بلا کر ان کے حق میں دعائے خیر کی۔

یہ ہیں کربلا کے انقلابیوں کے اعلیٰ کردار کے چند نمونے۔ تاریخ نے ان انقلابیوں کے بہت سے کارناموں کے ذکر سے پہلو تہی کی ہے۔ انہوں نے باریک تفصیل میں جانے کی بجائے صرف ان باتوں کا ذکر کیا ہے جو ان کی

نظر میں اہمیت کی حامل تھیں۔

دوسری طرف مؤرخین نے صرف کربلا کی اہم شخصیتوں کے ذکر پر اکتفاء کی ہے اور عام افراد کا ذکر کرنے سے گریز کیا ہے۔ جب کہ کربلا میں اہم کردار عام افراد نے بھی ادا کیا ہے۔ اس کے علاوہ انقلاب کربلا کی خبروں پر حکام وقت کا کنٹرول تھا۔ لہذا درباری مؤرخین نے کربلا کے واقعات کی تفصیل بیان کرنے سے گریز کیا۔

تحریکہائے آزادی کی ابتداء

چنانچہ ان نئی اخلاقی قدروں نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا اور وہ اخلاق جس سے اسلامی معاشرہ ایک مدت سے محروم تھا۔ اس کا ازسر نو احیاء انقلاب حسین علیہ السلام نے کیا۔ اب ہر وہ فرد جو انقلاب کربلا سے متاثر ہوا ہے۔ ان جدید اخلاق کو اپنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ ظالم حکمران بھی ان پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہیں اور اب اسلامی معاشرہ ایسے انقلابات کا بھی مشاہدہ کر رہا ہے۔ جو عام لوگوں کی طرف سے ظالم حکمرانوں کے خلاف وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

ان سب انقلابات کا جواز یہ ہے کہ یہ حکمران اسلامی تعلیمات کے پابند نہیں ہیں۔ ان تمام انقلابات میں کربلا کی روح نظر آتی ہے۔ جو لوگوں کو حق کی راہ میں مٹنے پر آمادہ کرتی ہے۔

انہی انقلابات نے بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ کر دیا اور بالآخر عباسی حکومت قائم ہو گئی۔ اور جب بعد میں لوگوں کو پتہ چلا کہ

عباسی بھی اپنے پیشرؤں سے بہتر نہیں ہیں تو وہ سکون سے نہیں بیٹھے۔ اور روحِ کربلا کے ساتھ ہر ظالم اور فساد و طغیان کے خلاف انقلابات کا ایک سلسلہ جاری رہا۔ اس طرح انقلاب کربلا تمام انقلابات کا سرچشمہ ثابت ہوا۔"

بیداری

ایک طویل مدت کے جمود اور خاموشی کے بعد انقلاب حسین علیہ السلام نے مسلمانوں میں دوبارہ انقلابی روح پھونک دی۔ جبکہ انقلاب حسین سے پہلے انفرادی اور اجتماعی رکاوٹوں کی وجہ سے مسلمان اپنی انسانیت بچانے کے لئے قیام نہ کر سکے۔ مگر انقلاب حسین نے ان تمام اجتماعی اور انفرادی رکاوٹوں کو دور کر دیا۔

ان رکاوٹوں میں سے ایک یہ بھی کہ بنی امیہ نے اپنی حکومت کو دینی لبادہ پہنا رکھا تھا۔ انقلاب حسین ؑ نے اس رکاوٹ کو بھی دور کر دیا اور ان کے چہرے کو بے نقاب کر دیا۔ جس سے سب پر یہ بات عیاں ہو گئی کہ بنی امیہ کی حکومت جاہلیت، بت پرستی اور لادینیت کی حکومت ہے اور انسانیت سے کوسوں دور ہے۔ لہذا ان کے خلاف قیام کرنا چاہیئے۔

انقلاب حسینؑ تک لوگوں کے لئے ایک اخلاقی مسئلہ انقلاب میں حائل تھا اور وہ اس وقت کے اخلاقی قوانین تھے۔ جو یہ کہتے تھے کہ اپنی جان کی حفاظت کرو اور اپنی درآمدات کو بچاؤ اور معاشرے میں اپنے مقام کو محفوظ رکھو۔ لیکن انقلاب حسینؑ نے ان اخلاقی اقدار کو بدل دیا اور کہا!

"ہتھیار مت ڈالو۔ اپنی انسانیت
کو مت بیچو۔ حتی الامکان فساد کے
خلاف جہاد کرو۔ اپنی ہر چیز کو اپنے
ایمان اور عقیدے کی راہ میں قربان
کر دو۔"

اس دن تک خود پسندی بھی مسلمانوں کے لئے انقلاب میں مانع تھی۔ مگر انقلاب حسین علیہ السلام نے اس نظریے کو بھی بدل دیا اور لوگوں پر اتنا گہرا اثر چھوڑا کہ کل تک جو لوگ اپنی اس زندگی پر راضی تھے۔ آج وہ احساس گناہ میں مبتلا ہیں۔ اور اپنی گذشتہ کوتاہیوں کے تدارک کیلئے سوچ رہے ہیں۔

اس قسم کی تمام رکاوٹیں انقلاب حسینؑ نے دور کر دیں۔ اور ان لوگوں کو انقلاب لانے کے لئے آمادہ کر دیا۔

یہ بات اپنی جگہ واضح ہے کہ روحِ قیام و جہاد قوموں اور حکومتوں کی زندگی میں ایک اثر رکھتی ہے۔ وہ معاشرہ جس میں جذبہ جہاد پیدا نہ ہو اور وہ اپنے حکمرانوں کے سامنے بے چوں و چرا سرِ تسلیم خم کئے ہو۔ اس میں حکمران آسودہ خاطر ہوتے ہیں اور وہ کسی کو خاطر میں لائے بغیر جو چاہیں کر گزرتے ہیں۔

یہ بات تو حکمرانوں سے متعلق ہے۔ اس کا ایک پہلو قوموں کے ساتھ

بھی مربوط ہے اور وہ یہ ہے کہ تجربے نے ثابت کر دیا ہے کہ لوگوں میں جس قدر جذبہ جہاد خاموش رہتا ہے۔ اسی قدر عوام پر حکمرانوں کا تسلط آسانی سے ہو جاتا ہے اور عوام سستی اور کاہلی کا شکار ہو جاتے ہیں اور اپنی ناگفتہ بہ زندگی کا احساس ان کو نہیں ہوتا، ور اپنی اصلاح احوال اور اپنے وجود کو ثابت کرنے کے لئے کسی ردوبدل کی کوشش نہیں کرتے۔ اس صورت میں معاشرے کی اصلاح مشکل ہو جاتی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کی آرزو تھی کہ لوگوں میں جذبہ جہاد زندہ رہے تاکہ ضرورت کے وقت وہ انقلاب لاسکیں۔ چنانچہ آپ نے اپنی وصیت میں فرمایا:

"میرے بعد خوارج کو قتل نہ کرنا۔
کیونکہ وہ شخص جو حق کا طلب گار ہو
پھر اس کی تشخیص میں غلطی کرے۔
وہ اس شخص کے برابر نہیں ہے۔
جو باطل کا طلب گار ہو اور اسے
باطل میسر آجائے۔"[1]

اس فرمان کے دوسرے جملے میں معاویہ کی طرف اشارہ ہے اور اس کی وجہ واضح ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے خوارج کے ساتھ اس لئے جنگ لڑی تھی کہ انہوں نے کچھ بے بنیاد باتوں کی وجہ سے اس حکومت پر خروج کیا جو ملت کی

---

[1] نہج البلاغۃ

مصلحتوں کی نگہبان تھی۔ اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ خوارج نے بنی امیہ کی حکومت کے بارے میں جو اسے ایک ناجائز حکومت سمجھتے تھے، ایک موقف بدل دیا ہو۔ حضرت علیؑ کی اس وصیت کا مقصد یہ ہے کہ ان کی شہادت کے بعد لوگ خوارج کے خلاف متحد نہ ہوں۔ کیونکہ اگر خوارج کے بارے میں سکوت اختیار کیا جائے تو وہ بنی امیہ کے خلاف لڑ سکتے ہیں اور بنی امیہ کی حکومت کو مصروف رکھ سکتے ہیں۔ لیکن لوگوں نے حضرت علیؑ کی اس وصیت پہ عمل نہ کیا اور متحد ہو کر خوارج کے خلاف جنگ لڑی۔ اس کے باوجود خوارج بنی امیہ کو خار کی مانند کھٹکتے رہے۔ لیکن خوارج ان علل واسباب کی وجہ سے جن کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ بنی امیہ کی حکومت کو ختم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

جمود کا خاتمہ

لوگوں میں جذبۂ جہاد تازہ کرنے کے لئے انقلاب حسین کا کیا اثر ہوا۔ اس کو سمجھنے کے لئے اس بات کی طرف توجہ ہونا چاہیئے کہ یہ معاشرہ انقلاب حسین علیہ السلام سے پہلے بیس سال تک کسی انقلابی مرحلے سے نہیں گزرا جب کہ اس طویل عرصے میں کئی مرتبہ انقلاب کی ضرورت پیش آئی تھی۔

شہادت امیرالمومنین علیہ السلام کے بعد سے، جب بنی امیہ کی حکومت مستحکم ہوئی۔ انقلاب حسین علیہ السلام تک بنی امیہ کے قتل و غارت اور ظلم و تشدد کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھی۔ بلکہ اس عرصے میں بڑے بڑے لوگوں کا یہ موقف رہا کہ دین اور سیاست کسی قیام کی اجازت نہیں دیتے اور عوام کا بھی موقف یہی تھا کہ

حکمرانوں کے سامنے جھک جانا چاہیئے۔ اس طرح ۲۰ سال کا عرصہ گزر گیا۔ یعنی سنہ ۴۰ھ سے سنہ ۶۰ھ تک۔ لیکن سنہ ۶۰ھ کے بعد حالت انقلاب حسین علیہ السلام کی وجہ سے بدل گئی۔ عوام میں انقلاب کا شعور آگیا اور وہ کسی ایسی قیادت کی تلاش میں تھے جو ان کی رہنمائی کرے۔ اب وہ انقلاب کے لیئے آمادہ ہیں اور ہر وقت بنی امیہ کے خلاف خروج کر سکتے ہیں۔ مگر انہیں قیادت کی ضرورت ہے۔ اور جب انہیں قیادت میسر آئے گی، اس کے خلاف انقلاب بھی وجود میں آئے گا۔

ان بیس سالوں میں بنی امیہ کو اگر کسی کے قیام کا سامنا کرنا پڑا تو وہ خوارج کا قیام تھا مگر جیسا کہ پہلے بھی ہم نے کہا ہے کہ خوارج اسلامی معاشرے سے ہم آہنگ نہ ہونے کی وجہ سے کامیاب نہ رہے اور حکمران ان کے چھوٹے چھوٹے قیام کو مقامی طاقت سے ہی دبا لیتے تھے۔ مگر انقلاب حسینؑ کے بعد معاملہ کچھ اور ہو گیا۔ یہاں پورے اسلامی معاشرے کی ہمدردی اس انقلاب کے ساتھ تھی۔ خواہ وہ اس میں شرکت نہ بھی کر سکے، یہاں انقلاب کے عوامل بھی خوارج سے مختلف تھے۔ اس انقلاب کے عوامل ظلم و تشدد اور عزیمت تھے۔ بنی امیہ کے لیئے ممکن نہ تھا کہ وہ اس انقلاب کو مقامی طاقت کے ذریعے دبا دیں، انہیں پتہ تھا کہ انقلابیوں اور باقی عوام کے درمیان روحانی رابطہ موجود ہے۔

اس لیئے انہیں عراق میں اس انقلاب کو دبانے کے لیئے شام تک سے طاقت جمع کرنا پڑی۔

یہ تھی انقلاب حسین علیہ السلام کے بعد اسلامی معاشرہ کی مختصر صورتِ حال۔ آگے ہم اس کی کچھ تفصیل بیان کریں گے۔

تائبین کا انقلاب

شہادت حسین علیہ السلام کے بعد سب سے پہلا ردّ عمل کوفے میں تائبین کی تحریک تھی۔ جب حسینؑ شہید ہوئے اور ابن زیاد اپنے فوجی کیمپ "نخیلہ" سے شہر واپس آیا تو اس وقت لوگ بہت پشیمان تھے اور اب وہ سمجھ گئے۔ کہ وہ بہت بڑی غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں کہ انہوں نے حسینؑ کو دعوت دی اور پھر ان کی مدد کو نہ پہنچے اور ان کی دعوت پہ وہ ان کی طرف آئے تھے اور ان کے شہر کے نزدیک ہی وہ شہید ہو گئے اور انہوں نے ان کی مدد نہ کی۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کا یہ عار و ننگ اس وقت تک نہیں دھلتا۔ جب تک وہ قاتلانِ حسینؑ کو قتل نہ کر دیں۔ چنانچہ وہ کوفہ کے اپنے پانچ سرداروں کے پاس جمع ہوئے جو یہ تھے "سلیمان بن صرد خزاعی"، "مسیب بن نجبۃ الغزارب"، "عبداللہ بن سعد بن نفیر ازدی"، "عبداللہ ابن وائل تمیمی" اور "رفاعۃ بن شداد بجلی"

چنانچہ مسیب بن نجبہ نے اپنی گفتگو شروع کرتے ہوئے کہا۔

"ہم اپنی جھوٹی صفائی پر فریفتہ تھے
اور اپنے دوستوں کی بےجا مدح
کرتے تھے۔ اب جب اللہ نے ہمارے
صالح لوگوں کو امتحان میں ڈال دیا
تو ہم اس میں جھوٹے ثابت ہوئے
اور فرزند رسولؐ کے بارے میں ہمارے
دعوے جھوٹے ثابت ہوئے۔ فرزندِ
رسولؐ نے ہمیں خطوط لکھے۔ اپنا
نمائندہ بھیجا اور ہم سے مدد چاہی
ہمارے لئے عذر کی کوئی گنجائش
نہیں چھوڑی۔ لیکن ہم نے ان کی
آواز نہیں سنی۔ یہاں تک کہ ہمارے
نزدیک ہی وہ شہید کر دیئے گئے۔ نہ ہم
نے ان کی کوئی عملاً مدد کی نہ زبانی۔
نہ اپنا مال و دولت ان کی مدد پر
صرف کیا نہ ان کی مدد کے لئے اپنے
قبائل کو بلایا۔ خدا و رسولؐ کے سامنے
ہمارا کیا عذر ہے۔ اس کے سوا کوئی
عذر نہیں ہے کہ ہم قاتلانِ حسینؑ

سے انتقام لیں یا اس راہ میں اپنی جانیں
نثار کردیں۔ شاید اس وقت ہم پر
خدا راضی ہو جائے۔"

"سلیمان بن صرد خزاعی" جوان کے قائد تھے، نے کہا۔

"ہمیں آلِ رسولؐ کی آمد کا انتظار تھا۔
اور ہم نے ان کے عراق تشریف
لانے کی صورت میں ان کی مدد کرنے
کا وعدہ کیا تھا اور جب وہ ہمارے
نزدیک پہنچے تو ہم نے سستی کی اور
ہم نے حیلہ بہانہ کر کے انہیں ٹال
دیا۔ یہاں تک کہ ہمارے رسول کا
فرزند اور اس کا ٹکڑا ہمارے درمیان
ہی قتل ہو گیا۔ اٹھو! تمہارا رب تم
پر ناراض ہے۔ جب تک خدا کو
راضی نہ کرو اپنے گھروں کو واپس
نہ جاؤ اور خدا بھی اس وقت تک
راضی نہ ہوگا۔ جب تک فرزندِ
رسول کے خون کا انتقام لے لو یا
اس راہ میں مارے نہ جاؤ۔ لوگوں
موت سے خوف نہ کھاؤ۔ قسم بخدا

جو کوئی موت سے خائف ہوتا ہے
وہ ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ ہمیں
بنی اسرائیل کی طرح ہونا چاہیئے۔
جن سے ان کے رسول نے کہا۔
تم نے گوسالہ پرستی کر کے اپنے جسموں
پر ظلم کیا ہے۔ تم اپنے خالق کے سامنے
توبہ کرو اور اپنے آپ کو قتل کر دو
اور اس میں تمہارے خالق کی بارگاہ
میں تمہارے لئے بہتری ہے۔

"چنانچہ سلیمان بن صرد" نے "سعد بن حذیفہ بن یمان اور مدائن کے دوسرے شیعوں کو لکھا۔ انہوں نے اس دعوت کو قبول کیا۔ ان کے علاوہ بصرہ کے "مثنیٰ بن مخرمہ عبدی" اور دوسرے شیعوں کو بھی لکھا۔ انہوں نے بھی اس دعوت کا مثبت جواب دیا۔

توبہ کرنے والوں کی تحریک ۶۱ھ میں شروع ہو گئی۔ اس سال سے انہوں نے جنگی ساز و سامان جمع کرنا شروع کر دیا۔ وہ مخفیانہ طور پر لوگوں کو خون حسینؑ کا انتقام لینے کی دعوت دیتے تھے، اور لوگ خواہ وہ شیعہ ہوں یا غیر شیعہ اس تحریک میں جوق در جوق جمع ہونے لگے۔ انہیں دنوں یزید مر گیا۔ یزید کے مرنے کے بعد تائبین نے مختلف علاقوں میں آدمی بھیجے تاکہ لوگوں کو تعاون کی دعوت دی جا سکے۔ اب پہلے سے دس گنا زیادہ لوگوں نے ان کی دعوت کو قبول کر لیا اب وہ علی الاعلان جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔

شب جمعہ ۵ ربیع الثانی ۶۵ھ کو توبہ کرنے والے قبر امام حسین علیہ السلام کی طرف روانہ ہوئے اور جب وہ وہاں پہنچے تو سب دھاڑیں مار کر رو رہے تھے۔ اس سے پہلے اجتماعی گریہ نہیں دیکھا گیا تھا اور وہ یہ الفاظ دہراتے تھے۔

"اے اللہ ہم نے تیرے رسول کے فرزند
کی مدد کرنے سے گریز کیا ہے ہمارے
گذشتہ گناہ کو بخش دے اور ہماری
توبہ قبول فرما! تو توبہ کو قبول کرنے
والی ذات ہے۔ حسینؑ اور اس کے
اصحاب پر اپنی رحمت بھیج، اے
اللہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ
وہی ہے۔ جس عقیدے پر امام حسینؑ
شہید ہوئے۔ اے اللہ اگر تو ہمیں
نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم
خسارے میں ہوں گے۔"

اس کے بعد میدانِ کارزار میں آئے اور بنی امیہ کے ساتھ اس قدر جنگ لڑی کو ان ختم کر دیا۔[۱]

تائبین کا یہ عقیدہ تھا کہ قتل حسین علیہ السلام کی اصل ذمہ داری حکمرانوں پہ عائد ہوتی ہے نہ افراد پہ۔ ان کا یہ عقیدہ درست بھی تھا۔ اس لئے وہ شام کی طرف روانہ ہوئے اور اُن قاتلان حسین علیہ السلام کی طرف توجہ نہ کی جو

۱: تائبین کے انقلاب کے واقعات کو طبری نے اپنی تاریخ جلد ۴ صفحات ۴۲۶-۴۳۶-۴۴۹-۴۷۳ میں نقل کیا ہے۔

اس وقت کوفہ میں تھے۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا کہ اس انقلاب کی وجہ احساسِ گناہ ندامت اور گناہ کے تدارک تھی۔ چنانچہ ان توبہ کرنے والوں کے خطوط اور خطبوں میں یہی چیزیں نظر آتی ہیں، اسی لئے ان کا قیام ایک فداکارانہ انقلاب تھا۔ ان کا مقصد صرف خون حسین علیہ السلام کا انتقام اور اپنے گناہوں کا تدارک تھا، یہ لوگ نہ فتح حاصل کرنا چاہتے تھے۔ نہ حکومت و غنیمت کے خواہاں تھے، وہ اپنے گھروں سے جب نکلے تھے تو دوبارہ واپس آنے کے لئے نہیں، یہ لوگ موت کے پیاسے تھے، دشمن انہیں امان دیتے تھے، مگر وہ قبول نہیں کرتے تھے۔[1]

لہٰذا ان توبہ کرنے والوں کا مقصد صرف انتقام اور اپنے گناہ کے داغ کو دھونا تھا یہاں کوئی اجتماعی مقصد نہ تھا۔

سلیمان بن صرد کے خطبے کا پہلا جملہ انقلاب حسین سے پہلے اسلامی معاشرے کی حالت کو واضح کرتا ہے اور اس سے اصلاحی تحریکوں میں لوگوں کی عام شرکت کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے اور انقلاب حسینؑ کے بارے میں لوگوں کا موقف بھی واضح ہوتا ہے۔ اس خطبے کے دوسرے حصے میں انقلاب کربلا میں شرکت کرنے سے ان کی سستی اور بے وفائی کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ اس خطبے سے مجموعی طور پر جو تاثر ملتا ہے وہ یہ ہے کہ انقلاب حسینؑ نے لوگوں میں کس قدر عظیم تبدیلی پیدا کی اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انقلاب حسین علیہ السلام نے لوگوں کو کاہلی اور سستی سے نکال کر ان میں شوق انقلاب اور جذبہ شہادت پیدا کیا۔

---

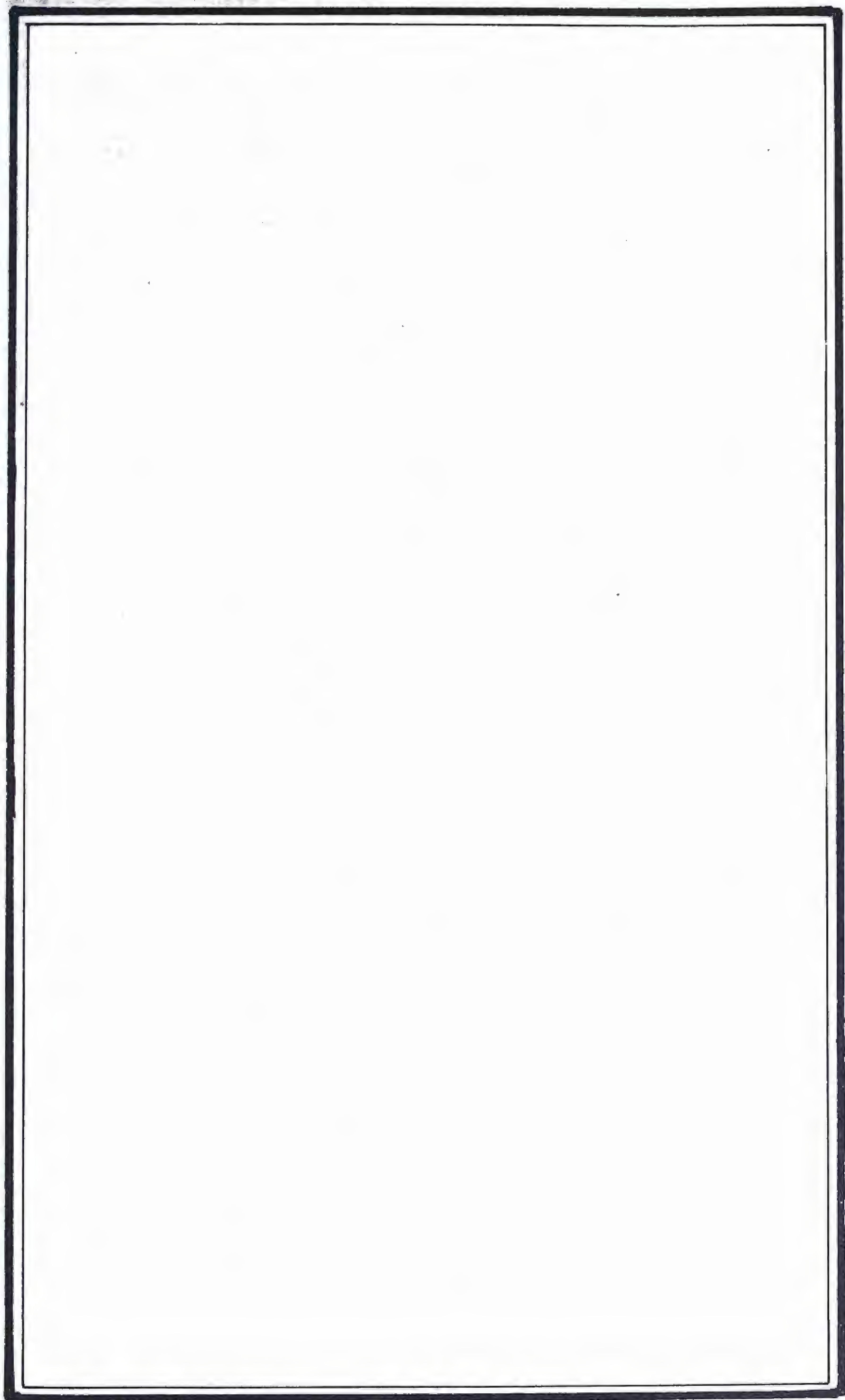
[1]: طبری ۴/۴۶۹

تاریخ طبری سے تو اس بات کا بھی پتہ چلا کہ توبہ کرنے والوں کے اس انقلاب میں صرف شیعہ شریک نہ تھے بلکہ دوسرے وہ لوگ بھی شریک تھے جو ایک انقلاب کے ذریعے بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ کر کے موجودہ معاشرے میں تبدیلی لانا چاہتے تھے۔ اس انقلاب کا مقصد صرف فداکارانہ انتقام لینا اس لئے تھا کہ اس میں شرکت کرنے والوں کی تعداد بہت کم تھی۔ چنانچہ سلیمان ابن صرد کے دفتر میں سولہ ہزار افراد کا نام درج ہوا۔ ان میں سے صرف چار ہزار نے شرکت کی۱؎

مدائن سے صرف ایک سو ستر نفر اور بصرہ سے صرف تین سو آدمیوں نے شرکت کی اور یہاں تعداد کی کمی کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ یہ ایک فداکارانہ اقدام تھا اور ہمیشہ جان پر کھیلنے کی حد تک قربانی دینے والوں کی تعداد کم ہوا کرتی ہے۔

اگرچہ ان تائبین کے انقلاب کے سامنے ایک واضح انقلابی مقصد نہ تھا، مگر اس کے باوجود کوفے کے معاشرے میں اس نے بہت گہرا اثر چھوڑا۔ انقلاب کے خطبوں اور نعروں نے لوگوں کو بنی امیہ کے خلاف قیام کرنے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ یزید کی موت کی خبر سنتے ہی کوفہ والوں نے بنی امیہ کی حکومت کے نمائندہ عمرو بن حریث کو کوفے سے نکال دیا اور عامر بن مسعود کے ساتھ معاہدہ ہوا جس نے ابن زبیر کی بیعت کی تھی اور یہ واقعہ عراق سے بنی امیہ کی حکومت کے وقتی طور پر خاتمے کی ابتدا ثابت ہوا۔

۱؎ الطبری ۴/۴۲۶



انقلاب مدینہ

مدینہ کا انقلاب بھی شہادت حسین علیہ السلام کا ایک عظیم ردِ عمل تھا۔ مدینہ کا یہ انقلاب اپنے مقاصد کے اعتبار سے تابئین کے انقلاب سے مختلف تھا۔ یہ انقلاب صرف انتقامی جذبے سے وجود میں نہیں آیا تھا بلکہ اس کا مقصد بنی امیہ کی ظالم اور بے دین حکومت کا خاتمہ تھا۔

اس انقلاب کی چنگاری تو پہلے سے پھوٹ چکی تھی۔ اب صرف اس کو شعلہ ور بنانے کے لئے ایک طاقت کی ضرورت تھی۔ اس انقلاب میں بہت سے عوامل کارفرما تھے۔ لیکن ان میں سب سے اہم عامل شہادت امام حسینؑ تھا۔ جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا جب واپس مدینہ تشریف لائیں تو اس انقلاب کے لئے وہ ہمہ وقت کوشش میں رہتی تھیں اور لوگوں کو یزیدی حکومت کے خلاف قیام کرنے کی ترغیب دیتی تھیں۔ یہاں تک کہ مدینہ میں

یزید کے نمائندے "عمرو بن سعید اشدق" کو حالات مخدوش ہونے کا خطرہ محسوس ہوا اور اس نے جناب زینبؑ کی فعالیت کے بارے میں یزید کو ایک خط لکھا جس میں وہ لکھتا ہے:

"زینب کا اہل مدینہ میں وجود لوگوں کے احساسات میں ہیجان لانے کا سبب بن رہا ہے۔ وہ ایک فصیح و بلیغ عاقل اور دانشمند عورت ہے۔ وہ اور اس کے ہمنوا خونِ حسین علیہ السلام کا انتقام لینے کا عزم کر چکے ہیں۔"

یزید نے اس خط کے جواب میں لکھا "زینب کا لوگوں سے رابطہ منقطع کر دو"[1]

اہل مدینہ کا وفد شام میں

اس انقلاب کا اصل سبب وہ وفد تھا جو اہل مدینہ کی نمائندگی میں شام گیا تھا۔ اس وفد میں "عبداللہ ابن حنظلہ انصاری" جو غسیل الملائکہ کے نام سے مشہور تھے "عبداللہ بن ابی عمرو بن حفص بن مغیرہ مخزومی" "منذر بن زبیر" اور دیگر چند مدینے کے اشراف بھی شامل تھے۔ یہ لوگ اہل مدینہ کے نمائندے

---

[1]: زینب الکبریٰ۔ صفحہ ۱۲۰-۱۲۲۔ منقول از کتاب اخبار الزینبیہ تالیف نسابہ عبیدلی و بطلۂ کربلا تالیف دکتر بنت شاطی۔

بن کر یزید کے پاس گئے۔ یزید نے ان کا بڑا احترام کیا اور ان کو قیمتی تحفے اور خلعت دیئے۔ واپس آتے ہوئے صرف منذر بن زبیر عراق چلے گئے۔ باقی سب مدینے واپس آ گئے اور جب یہ لوگ مدینہ واپس پہنچے تو انہوں نے مدینہ والوں کے ایک اجتماع میں کھڑے ہو کر ان الفاظ میں یزید پر تنقید شروع کر دی۔

"ہم ایسے شخص کے پاس سے آ رہے ہیں، جس کا کوئی دین نہیں، وہ شراب پیتا ہے۔ وہ ساز و طرب میں مشغول رہتا ہے اور اچھی آواز والی خواتین اس کی مجلس میں دلربائی کرتی ہیں، وہ کتوں کے ساتھ کھیلتا رہتا ہے اور چند فسادی اور چوروں کے ساتھ شب بیداری کرتا ہے، ہم آپ لوگوں کو گواہ بناتے ہیں کہ ہم نے اس شخص کو آج کے دن سے خلافت سے معزول کر دیا۔"

عبداللہ ابن حنظلہ نے کھڑے ہو کر کہا:

"میں ایک ایسے شخص کے پاس سے آ رہا ہوں کہ اگر میری کوئی بھی مدد نہ کرے تو بھی میں اپنے چند فرزندوں کو لے کر اس کے خلاف

لڑنے کے لئے جاؤں گا۔ اس نے
ہمیں بہت دولت دی اور بہت
تحفے دیئے اور ہمارا بہت احترام
کیا۔ میں نے اس کی ان چیزوں کو اس
لئے قبول کیا ہے تاکہ میں اس مال
کو اسی کے خلاف جنگ کرنے پہ
خرچ کرسکوں"۔

چنانچہ لوگوں نے یزید کو خلافت سے معزول کر دیا اور عبداللہ ابن حنظلہ کے ہاتھ پر اس لئے بیعت کر لی کہ وہ یزید کو خلافت سے معزول کر کے خود خلیفہ بن جائیں۔

منذر ابن زبیر بھی مدینہ پہنچ گئے اور انہوں نے لوگوں کو یزید کیخلاف ابھارنا شروع کر دیا انہوں نے کہا۔

"یزید نے مجھے ایک لاکھ دینار دیئے
مگر یہ پیسہ اسکی حقیقت پہ پردہ نہیں
ڈال سکے گا۔"

پھر کہا:۔

"قسم بخدا یزید شراب پیتا ہے اور
وہ اس قدر نشے میں مست رہتا ہے
کہ اسے وقت گزرنے کا بھی پتہ
نہیں چلتا اور اسکی نمازیں قضا ہو جاتی ہیں"

اس طرح منذر نے دوسروں سے بڑھ کر یزید پر تنقید کی۔

اہلِ مدینہ نے بنی امیہ کی حکومت کے خلاف قیام کیا اور یزید کے نمائندے کو شہر سے نکال دیا۔ حالانکہ انقلابیوں کی تعداد صرف ایک ہزار تھی مگر کوئی طمع یا خوف ان کو اس مقصد سے باز نہیں رکھ سکا۔

چنانچہ بعد میں یزید کا ایک خونخوار لشکر شام سے مدینہ بھیجا گیا اور اس نے مدینہ پر حملہ کیا اور پوری قساوت اور وحشیانہ طریقے سے اس انقلاب کو دبا دیا۔ بنی امیہ کے لشکر کے سربراہ "مسلم بن عقبہ مری" نے لوگوں سے اس بات پر بیعت کرنے کا مطالبہ کیا کہ وہ سب یزید کے غلام ہوں کہ وہ ان کی جان، اموال اور ان کے اہل و عیال پر جیسے چاہے تصرف کرے۔

مکہ میں عبداللہ ابن زبیر کا قیام

عین ان دنوں میں جب لشکرِ یزید مدینہ کے قیام کرنے والوں کو کچلنے کے بعد مکہ میں ابن زبیر کے قیام کو کچل رہا تھا۔ یزید مر گیا۔

امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد ابن زبیر نے یزید کی مخالفت کا اعلان کیا تھا۔ لیکن ابن زبیر کا قیام انقلاب حسینؑ کے ساتھ مربوط نہیں ہے چونکہ وہ امامؑ کی شہادت سے پہلے ہی اقتدار کے لئے کوشش کر رہا تھا، لہذا انہوں نے اپنی کرسی کے لئے قیام کیا تھا اور امام حسین علیہ السلام کو وہ اپنا ایک حریف سمجھتا تھا اور جب امامؑ شہید ہوئے تو ابن زبیر کے حامیوں نے ان سے کہا کہ اب آپ خلافت کے لئے اپنے آپ کو پیش کریں۔ چونکہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد آپ کا کوئی حریف نہیں رہا ہے۔ مگر ابن زبیر نے جواب،

میں کہا۔ جلدی نہ کریں۔[1]

۶۵ھ میں حجاز، عراق، شام اور جزیرہ میں ان کی بیعت ہوئی۔

اگرچہ ابن زبیر کا قیام اسلامی نہیں تھا۔ مگر لوگوں نے اس کی آواز پر لبیک اس لیئے کہی کہ انقلاب حسینؑ کے بعد ان میں انقلاب کی روح تازہ ہو گئی تھی۔ ہم نے پہلے بھی ذکر کیا کہ انقلاب حسینؑ کے بعد تابئین نے کوفہ میں بنی امیہ کے خلاف قیام کیا تھا۔ چنانچہ لوگ ابن زبیر کے ساتھ ملنے پر مجبور ہو گئے اور انہوں نے کوفہ سے بنی امیہ کے نمائندے کو بھی نکال دیا۔

---

[1] الطبری ۴/۳۶۴

مختار ثقفی کا قیام

سنہ ۶۶ھ میں مختار بن ابی عبیدہ ثقفی نے عراق میں قیام کیا اور خون حسین علیہ السلام کا انتقام لیا۔

اس مطلب کی وضاحت کے لئے کہ لوگوں نے پہلے ابن زبیر کا ساتھ دیا اور بعد میں اسی کے خلاف قیام کر کے مختار ثقفی کی دعوت کو قبول کیا۔ اس نکتے کی طرف توجہ دینا ضروری ہے کہ اس وقت عراق کا معاشرہ دو چیزوں کا طالب تھا۔ ایک اصلاح معاشرہ دوسرا انتقام، ان دو چیزوں پہ عمل ہونے کی امید پہ اہل عراق نے زبیر کا ساتھ دیا تھا۔ کیونکہ وہ بنی امیہ کا دشمن بھی تھا اور زہد و تقویٰ کا مظاہرہ بھی کرتا تھا۔

مگر بعد میں معلوم ہوا کہ ابن زبیر اور بنی امیہ میں کوئی خاص فرق نہیں تھا اگرچہ ابن زبیر نے عراقیوں کو بنی امیہ کی حکومت سے آزاد کرا لیا۔ لیکن قاتلانِ

حسین پہلے کی طرح حکومت کے کلیدی مناصب پہ فائز رہے۔

چنانچہ شمر بن ذی الجوشن، شبث بن ربعی اور عمرو بن حجاج جیسے خونخوار اور مجرم ابن زبیر کی حکومت کے سائے میں بھی اسی طرح معاشرے کے بڑے لوگوں میں شامل تھے جیسا کہ بنی امیہ کے دور میں تھے۔

نیز انہیں ابن زبیر کی حکومت میں اجتماعی عدالت بھی نصیب نہ ہوئی، وہ علی بن ابی طالب علیہ السلام کی حکومت کے شیفتہ تھے اور آرزو رکھتے تھے کہ علیؑ کی حکومت کی طرح لوگوں کو عدل و انصاف مل جائے۔

کوفہ میں ابن زبیر کے نمائندہ عبداللہ بن مطیع عدوی نے جب کہا ابن زبیر نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں حضرت عمر اور حضرت عثمان کی سیرت پہ عمل کروں تو کوفے کے ایک شخص نے اٹھ کر کہا:

کیا ابن زبیر نے بیت المال کے مالیات کو ہماری مرضی سے جمع نہیں کیا؟ ہم ببانگ دہل اعلان کرتے ہیں کہ ہم اس بات پر ہرگز راضی نہیں ہیں کہ ہمارا پیسہ دوسروں میں تقسیم کیا جائے۔ ہم چاہتے ہیں کہ سیرت علیؑ بن ابی طالب پہ عمل کیا جائے۔ ہمیں نہ سیرت عثمان کی ضرورت ہے نہ سیرت عمر کی۔ اگرچہ سیرت عمر ہمارے لئے آسان تر ہے

۱؎ انساب الاشراف ۵/۲۲۰ - ۲۲۱

اس قسم کی باتوں کی وجہ سے لوگوں نے ابن زبیر سے اپنی حمایت واپس لے لی اور قیام مختار کی حمایت کردی۔ مختار نے اپنی دعوت کو حضرت محمد الحنفیہ بن ابی طالب کے ساتھ جوڑ دیا۔ جس سے انہیں اجتماعی عدل وانصاف ملنے کی امید ہوگئی اور مختار کا نعرہ (یا لثارات الحسین) آؤ خون حسین علیہ السلام کا انتقام لیں ـــــ تھا۔ اس سے اہل عراق کا دوسرا مطالبہ بھی پورا ہو جاتا تھا۔

ابن زبیر کے نمائندہ عبداللہ بن مطیع نے کوفہ میں مختار اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے قاتلانِ حسین کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ یہ شخص شمر، عمرو بن حجاج اور شبث بن ربعی جیسے لوگوں کے ساتھ مختار سے لڑنے کے لئے نکلے۔ اہل کوفہ کے لئے اپنے انقلاب کو کامیابی کی منزل تک پہنچا دینے کے لئے یہی بات کافی تھی۔

مختار نے حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اس طبقہ کی خدمت کی جو بنی امیہ اور ابن زبیر کی حکومتوں کے دوران تشدد کا شکار رہا تھا اور وہ طبقہ (موالی) غیر عرب مسلمانوں کا تھا جن سے دوسرے مسلمانوں کی طرح مالیات لئے جاتے تھے۔ مگر بیت المال سے انہیں کچھ نہیں ملتا تھا، چنانچہ مختار نے ان کے لئے بھی بیت المال سے ان کا حصہ مقرر کر دیا۔

سرداران قبائل اور رؤساء کو یہ بات ناگوار گزری اور وہ مختار کے خلاف قیام اور جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ ان کے سرخیل بھی قاتلانِ حسین تھے مگر وہ اپنی اس سازش میں ناکام ہو گئے۔[۱]

۱: طبری ۴/ ۵۱۷

انہیں باتوں کی وجہ سے مختار نے قاتلان حسین علیہ السلام سے انتقام لینے میں عجلت سے کام لیا۔ چنانچہ صرف ایک ہی دن میں قاتلان حسین میں سے دو سو اسّی[۲۸۰] افراد کو قتل کر دیا[1]

اس طرح انتقال کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ ان میں سے کوئی بھی نہ بچ سکا۔ شمر بن ذی الجوشن۔ عمر بن سعد، عمرو بن حجاج اور شبث بن ربعی وغیرہم کو قتل کر دیا[2]

1: طبری ۴/ ۴۲۴

2: طبری ثورۃ المختار ۴/ ۲۸۷ - ۵۷۷

مطرف بن مغیرہ کا قیام

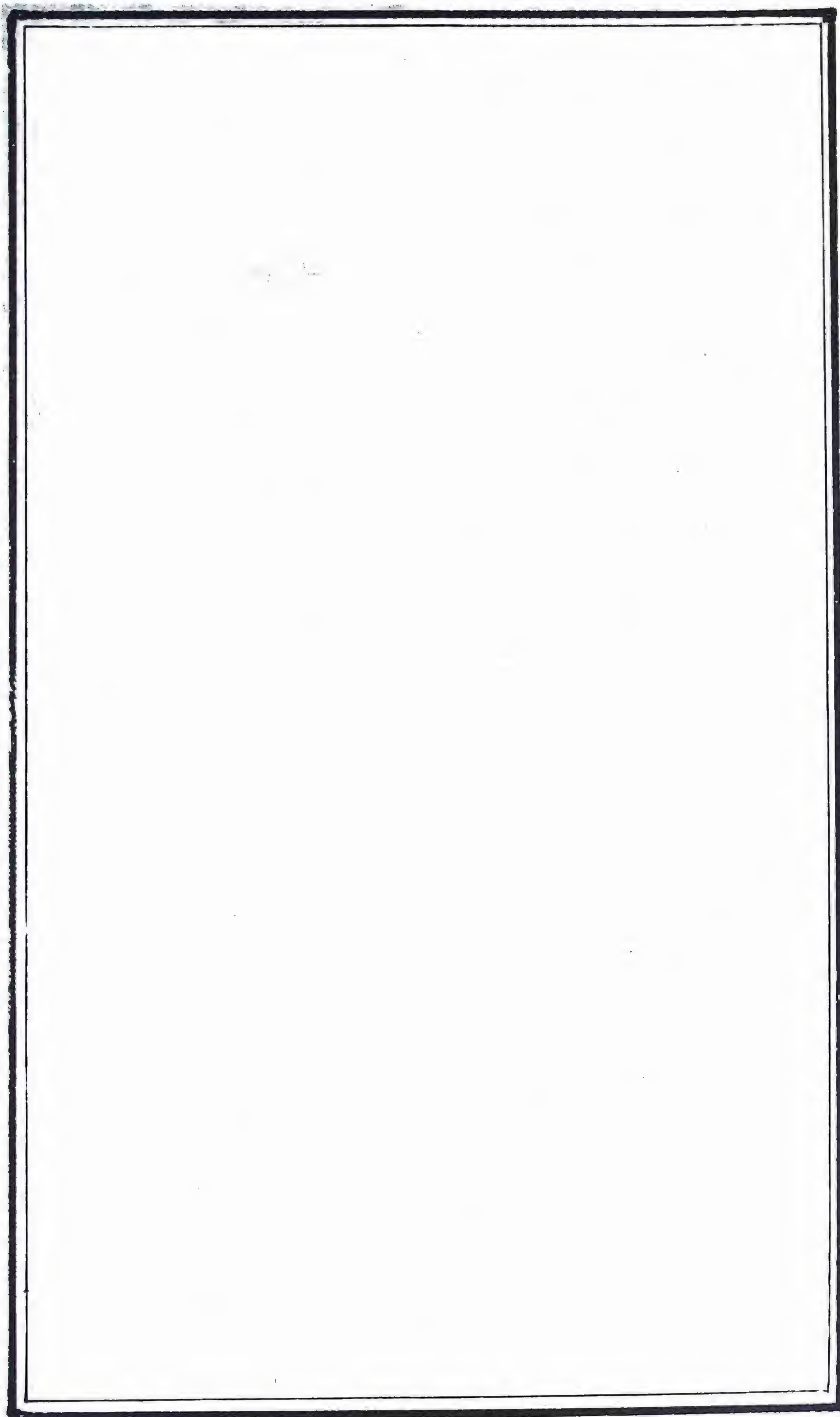
۷۷ھ میں حجاج بن یوسف کے خلاف مطرف بن مغیرہ نے قیام کیا اور عبدالملک مروان کو معزول کر دیا۔ یہ شخص حجاج کی طرف سے مدائن کا گورنر تھا۔ اس کا ضمیر زندہ تھا۔ اقتدار نے اس کی آنکھوں کو اندھا نہیں کیا، وہ مسلمانوں پر لوٹنے والے مظالم سے آگاہ تھا۔

شروع میں خوارج مطرف کے پاس آئے اور اپنے رہبر شبیب کو بطور خلیفہ قبول کرنے کے لئے کہا۔ مطرف نے خوارج سے کہا "تم ہماری حمایت کرو اور خلافت کا معاملہ شورائے مسلمین پر چھوڑتے ہیں" طرفین نے ایک دوسرے کی پیشکشوں کو رد کر دیا۔ مطرف نے انقلاب لانے کے لئے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ مگر کسی نے انقلاب کی تائید نہیں کی۔ اس نے کسی کی بات کی اعتنا کئے بغیر انہیں چند لوگوں کے ساتھ جنہوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت

کی بھی تیاری کیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"خدا نے اپنے بندوں پر جہاد کو واجب
قرار دیا ہے اور عدل و انصاف کا
حکم دیا ہے اور قرآن میں فرمایا ہے
"نیکی اور تقویٰ" پر ایک دوسرے
کے ساتھ تعاون کرو، اور گناہ و دشمنی
پر تعاون نہ کرو۔ اللہ کے لئے تقویٰ
اختیار کرو۔ وہ سخت عذاب کرنے
والا ہے۔ میں اللہ کو گواہ کر کے اعلان
کر رہا ہوں کہ میں نے عبد الملک بن مروان
اور حجاج بن یوسف کو معزول کر دیا
ہے۔ اب جو میرے ساتھ تعاون کرنا
چاہتا ہے۔ وہ میرے ساتھ نکلے
جو نہیں چاہتا وہ جہاں چاہے چلا
جائے، کیونکہ میں یہ نہیں چاہتا کہ
جو ظالموں کے خلاف جہاد کرنا نہیں
چاہتے وہ میرے ساتھ رہیں
میں تمہیں قرآن، سیرت رسولؐ پر عمل کرنے
اور ظالموں کے خلاف جہاد کرنے
کی دعوت دیتا ہوں اور جب ہم

کامیاب ہو جائیں گے تو خلافت کا مسئلہ
شورائے مسلمین کے حوالے کیا جائے گا
وہ جس کو پسند کریں گے اسے خلیفہ بنا دیں گے
سوید بن سرحان ثقفی اور بکیر بن ھارون کے نام اس نے لکھا۔
"میں تمہیں کتاب خدا، سیرت رسول
اور حق سے دشمنی رکھنے والوں،
بیت المال کو اپنے لئے مخصوص کرنے
والوں اور حکم قرآن سے انحراف کرنے
والوں کے خلاف جہاد کرنے کی
دعوت دیتا ہوں۔ جب حق کامیاب
اور باطل مٹ جائے گا اور احکام الٰہی
نافذ ہوں گے۔ خلافت کے مسئلے کو
شورائے مسلمین کے حوالہ کیا جائے گا
وہ جسے چاہیں منتخب کر لیں، جو
ہماری دعوت کو قبول کرے گا وہ ہمارا
دینی بھائی ہو گا اور دونوں جہاں
میں ہمارا دوست ہو گا اور جو ہمارے
خلاف ہو گا ہم اس کیخلاف لڑیں گے اور
خدا سے مدد چاہیں گے۔"
یہ تھا مطرف کا انقلاب جس سے انقلاب کربلا کی خوشبو آتی ہے۔



ابن اشعث کا قیام

۸۱ھ میں عبدالرحمٰن ابن اشعث نے حجاج کے خلاف قیام کیا اور عبدالملک بن مروان کو معزول کردیا۔

ولہاوزن کے مطابق اس انقلاب کا اصل سبب جس نے بنی امیہ کی حکومت کو لرزہ براندام کیا تھا۔ وہ فتوحات تھیں جن کو مسلمان اپنی مصلحت کے خلاف سمجھتے تھے[1]

حجاج نے عبدالرحمٰن کو ایک عراقی لشکر کا سربراہ بنا کر سجستان فتح کرنے کے لئے روانہ کیا جب کہ شامی افواج جنہوں نے خوارج کو کچل دیا تھا ابھی تک عراق میں موجود تھیں[2]۔ چنانچہ عبدالرحمٰن نے اپنی فوجی مہارت سے کچھ علاقوں

---

[1] الدولۃ العربیۃ ۲۱۹ [2] الدولۃ العربیۃ ۲۱۹

کو فتح کر لیا۔[1] اور ان فتوحات کی رپورٹ حجاج کو بھیجی۔ جس میں اس نے لکھا کہ اس وقت "اربیل" کے علاقوں کی طرف پیش روی کرنے میں مصلحت نہیں ہے جب تک وہاں کے راستوں کا کھوج نہ لگایا جائے اور خراج کی وصولی مکمل نہ ہو جائے۔

حجاج نے عبدالرحمٰن کی سرزنش کی اور اس پہ ناتوانی و کمزوری کا الزام لگایا اور حکم دیا کہ پیش روی کی جائے۔ اس سلسلے میں اس نے دو تین خطوط لکھے۔

عبدالرحمٰن نے حجاج کے اس حکمنامے کو اپنے لشکر کے سامنے رکھا اور اپنے فوجی کمانڈروں سے مشورہ کرنے کے بعد لشکر کو اپنی رائے سے آگاہ کیا۔ پھر کہا۔

"میں بھی آپ میں سے ایک فرد ہوں
اگر آپ آگے بڑھنا چاہتے ہیں تو میں
بھی آگے بڑھوں گا اور آپ آگے
بڑھنا نہیں چاہتے تو میں بھی آگے
نہیں بڑھوں گا۔"

لوگوں نے یک آواز ہو کر کہا۔

ہم دشمنِ خدا کی اطاعت نہیں
کریں گے۔"

اور "ابو طفیل عامر بن واثلہ کنانی" جو اصحاب رسول میں سے تھے۔ کھڑے ہو گئے اور کہا۔

"تمہارے بارے میں حجاج کی رائے

---

[1]: الدولۃ العربیۃ۔ ۲۱۹

اس ضرب المثل کا مصداق بنتی ہے
جو کہتے ہیں، اپنے غلام کو گھوڑے
پر سوار کر دو۔ اگر گھوڑا ہلاک ہوا تو وہ
بھی مر جائے گا۔ اگر زندہ بچا تو تیرا
مقصد حاصل ہو جائے گا"۔[1]

حجاج کو تمہارے خطرے میں پڑ
جانے سے کیا نقصان ہے، وہ تو تم
کو مختلف خطرے کے علاقوں میں
بھیج دیتا ہے۔ اگر تم کامیاب ہو گئے
اور غنیمت حاصل کی تو مفتوحہ علاقوں
کو وہ خود ہضم کر لیتا ہے اور لوگوں
کے مال کو بھی اپنی جیب میں ڈال لیتا
ہے اور اس کی حکومت میں وسعت
آجاتی ہے اور اگر تمہارا دشمن تم پر
غالب آجائے تو تم حجاج کے نزدیک
مورد ملامت قرار پاتے ہو۔ اور وہ
تمہاری ان زحمتوں کو کوئی اہمیت
نہیں دیتا۔ آپ کو چاہیئے کہ دشمن
خدا حجاج کو معزول کر کے عبدالرحمٰن
کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ میں آپ،

---

[1] احمل عبدك على الفرس فان هلك هلك وان نجا فلك

لوگوں کو گواہ بنا کر اعلان کرتا ہوں کہ
میں نے حجاج کو معزول کیا"
لوگوں نے یک آواز ہو کر کہنا شروع کر دیا۔ معزول کیا۔ معزول کیا۔ ہم نے بھی حجاج کو معزول کر دیا۔

عبدل مومن بن شبث بن ربعی نے کہا۔

"اللہ کے بندو! اگر تم نے حجاج
کی اطاعت کی تو وطن سے دور
اس سرزمین میں ہی تمہیں رہنا پڑے
گا۔ اور فرعون کی طرح وہ تم کو
محاذِ جنگ پر بھیجتا رہے گا اور تمہاری
زندگی میدانِ جنگ میں ہی گزرے
گی اور تم میں سے اکثر اپنے دوستوں
کو ملنے سے پہلے ہی مر جائیں گے۔
تم اپنے امیر لشکر کی بیعت کرو اور
دشمن خدا حجاج کی طرف روانہ ہو
جاؤ اور اسے اپنے ملک سے
نکال باہر کرو۔

لوگ عبدالرحمٰن پر ٹوٹ پڑے اور حجاج کو معزول اور سرزمین عراق سے نکالنے کے عہد پہ اس کی بیعت کر لی اور یہیں سے واپس ہو گئے۔ اور جب فارس پہنچے تو عبدالملک کو بھی خلافت سے معزول کر کے عہد کیا کہ کتابِ خدا

اور سنت رسول پر عمل کیا جائے گا اور گمراہ لوگوں کے خلاف جہاد اور ان کو معزول کریں گے۔

جب عبدالرحمٰن بصرہ پہنچے تو تمام بصرہ والے اور وہاں کے قاریانِ قرآن اور بڑے لوگوں نے اس شرط پر عبدالرحمٰن کی بیعت کی کہ وہ حجاج اور اس کے شامی ساتھیوں کے خلاف جنگ کرے اور عبدالملک کو معزول کرے۔

اہلِ بصرہ نے اس انقلاب کی بڑی تیزی کے ساتھ حمایت اس لئے کی کہ وہ محرومیت اور غربت سے تنگ آچکے تھے۔ حجاج کے والیوں نے اس کی طرف لکھا تھا کہ مالیات کی آمدنی کم ہوگئی ہے۔ کیونکہ ذمی کفار مسلمان ہوگئے ہیں انہوں نے شہروں کی طرف رخ کر لیا ہے۔ چنانچہ حجاج نے بصرہ اور دوسرے شہروں کے رئیسوں کی طرف لکھا۔

"جس شخص کا جس گاؤں سے تعلق ہے

وہ وہیں واپس چلا جائے۔"

لوگ یہ بات سن کر ایک جگہ جمع ہوگئے اور انہوں نے گریہ وزاری شروع کر دی اور انہیں پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ کہاں جائیں اور "یا محمدا" "یا محمدا" کہہ کر فریاد کر رہے تھے۔ قاریانِ بصرہ اپنے چہرے چھپا کر ان لوگوں میں جاتے اور ان کا دردِ دل سنتے اور ان کی مظلومیت پر روتے تھے۔

عبدالرحمٰن نے ایسے معاشرے میں قدم رکھا تھا جو انقلاب کے لئے آمادہ اور کسی قیادت کا منتظر تھا۔ اسی لئے اہلِ بصرہ نے ان کی آواز پر فوراً لبیک کہی اور بصرہ کے قاریوں نے بھی عبدالرحمٰن کی حمایت کر کے حجاج کے خلاف اعلانِ جہاد کر دیا۔

یہ انقلاب ۸۱ھ سے ۸۳ھ تک جاری رہا۔ لیکن بالآخر حجاج نے شامی افواج کے ذریعے اس انقلاب کو کچل دیا۔[۱]

یہ تھا عبدالرحمٰن ابن اشعث کا انقلاب۔ یہ انقلاب صرف عرب لائے تھے۔ جس میں غیر عرب مسلمانوں کا کوئی دخل نہ تھا۔ یہ ان عراقیوں کا انقلاب تھا جن کی اقتصادی حالت نہایت ابتر تھی اور جن کو فتوحات میں استعمال کیا جاتا تھا اور ان کی غنیمت سے ان کو کچھ نہیں ملتا تھا۔ ان کو معمولی اجرت پر لڑنا پڑتا تھا۔ جس سے ان کو "قوت لایموت" بھی میسر نہیں آتا تھا۔ جبکہ غنیمت اور عطیوں کی ایک کثیر دولت ان شامی فوجیوں کو مل جاتی تھی۔ جن کو حجاج نے عراق میں متعین کر رکھا تھا تاکہ عراقیوں کا انقلاب کچل دیا جائے۔[۲]

۱: تاریخ طبری انقلاب ابن اشعث

۲: "ولہاوزن" نے اس سلسلے میں ایک معلوماتی گفتگو کی ہے۔ الدولۃ العربیہ صفحہ ۱۸۹-۲۰۳

زید ابن علی کا قیام

سنہ ۱۲۱ھ میں حضرت زید ابن علی ابن حسین علیہ السلام نے انقلاب کی تیاری شروع کر دی اور سنہ ۱۲۲ھ میں یہ انقلاب شروع ہو گیا۔ لیکن اس انقلاب کو ان شامی فوجیوں کے ذریعے ابتدائی مرحلے میں ہی کچل دیا گیا۔ جو اس وقت عراق میں متعین تھے۔

حضرت زید کے ہمراہ انقلاب لانے والوں کا نعرہ یہ تھا۔

"کوفہ والو! ذلت کی زندگی سے نکل
آؤ اور دین و دنیا کی کامیابی کی طرف
چل پڑو"[1]

---

[1] مقاتل الطالبین صفحہ ۱۳۹

اس انقلاب کی دعوت پر مسلمانوں نے بہت سے شہروں میں وسیع پیمانے پہ بیعت کی۔ چنانچہ کوفہ، بصرہ، وسط، موصل، خراسان، رے اور گرگان میں انقلاب کے لئے ان کے ہاتھ پر بیعت ہو گئی۔

اگر انقلاب کے لئے مقررہ وقت میں اختلاف نہ ہو جاتا تو یہ انقلاب کامیاب ہو جاتا۔ مگر ایسا واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے حضرت زید کو اس مقررہ وقت سے پہلے اعلانِ انقلاب کرنا پڑا۔ جو ان کے اور باقی شہر والوں کے درمیان پہلے سے طے ہو چکا تھا[1]

یہ انقلاب اگرچہ وقتی طور پر ناکام رہا۔ مگر اس انقلاب نے ایک دائمی انقلابی تنظیم کو وجود دے دیا۔ یعنی "فرقہ زیدیہ"۔ جس کا عقیدہ یہ ہے کہ امام وہ ہوتا ہے جو ظلم کے خلاف تلوار لے کر اٹھے۔ چنانچہ "دلہا دزن" کہتے ہیں۔

"اگرچہ زید کا انقلاب المناک صورت میں ناکام رہا۔ مگر یہ نہایت اہم واقعہ تھا۔ کیونکہ اس انقلاب کے بعد جس قدر عوامی انقلابات وجود میں آئے اور جن سے شام کی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ ان سب کا زید کے انقلاب کے ساتھ ربط تھا۔ چنانچہ یحییٰ کے مرنے کے

---

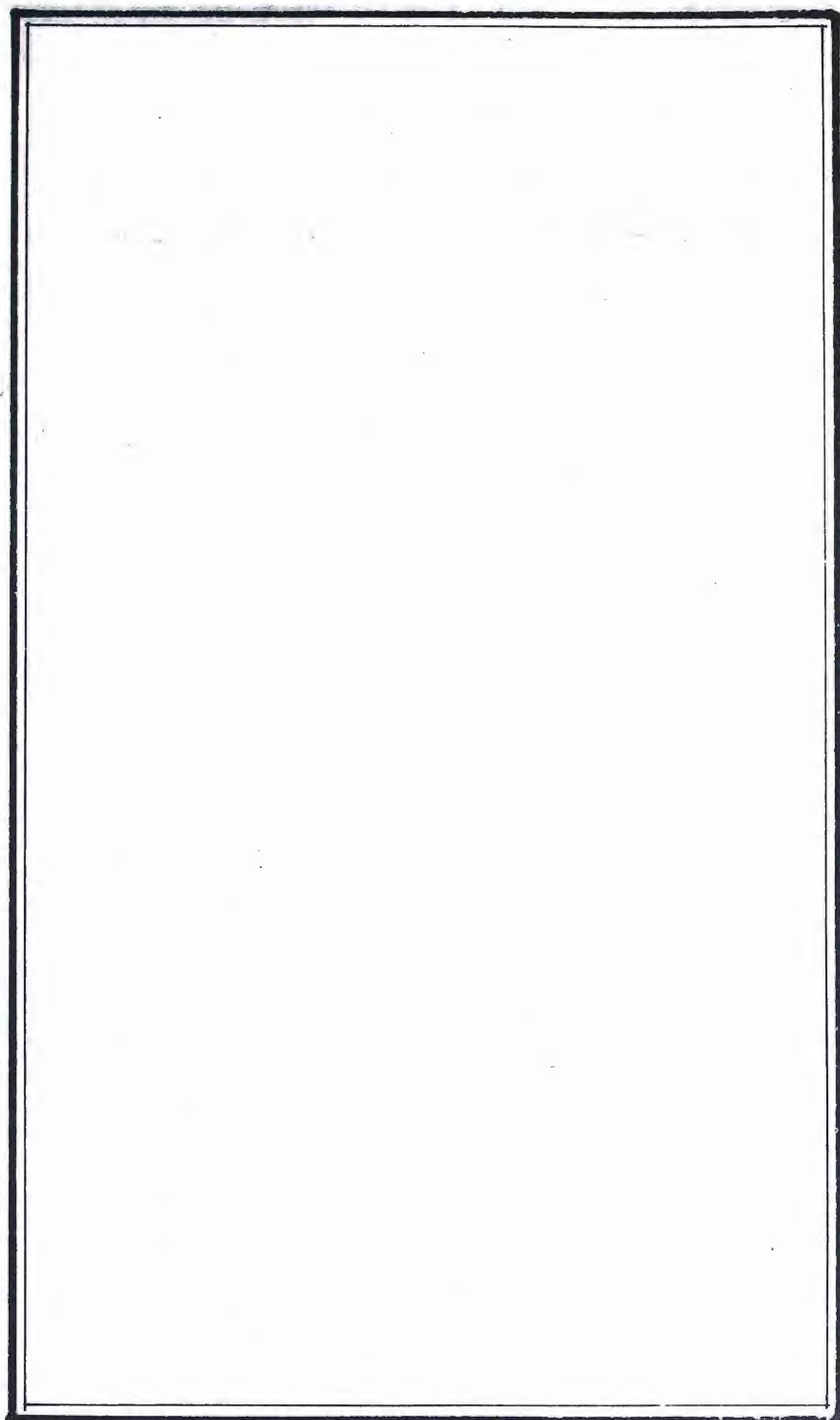
[1] مقاتل الطالبین صفحہ ۱۳۵ - ۱۳۶

بعد ابو مسلم نے قیام کیا اور
قاتلانِ زید سے ان کا انتقام لے لیا[1]

ان تمام واقعات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انقلابِ حسین علیہ السلام نے لوگوں میں کس قدر انقلابی روح پھونکی تھی۔ چنانچہ انقلابِ زید بھی اپنے جد کے انقلابِ کربلا کا ایک جزو ہے۔

---

[1] الدولۃ العربیہ: ۲۷۱۔



یہ تھے چند نمونے جن سے اس انقلابی روح کا پتہ چلتا ہے جو انقلاب حسینؑ نے مسلمانوں میں پیدا کی اور جس سے سستی کاہلی اور حکمرانوں کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے ہر رجحان کا خاتمہ ہو گیا اور مسلم عوام ایک عظیم طاقت بن گئے اور وہ ہمیشہ کے لئے جب چاہیں دھماکہ کرنے کے قابل ہو گئے۔ یہ انقلابات بنی امیہ کی حکومتوں کے دور میں قائم رہے۔ بالآخر بنی عباس کے انقلاب نے۔ بنی امیہ کی حکومت کی بساط لپیٹ دی۔ بنی عباس اگر انقلاب کربلا سے درس نہ لیتے اور مسلمانوں میں کربلا والوں کی قدر و منزلت سے فائدہ نہ اٹھاتے تو ان کا انقلاب کامیاب نہ ہوتا۔

مگر بنی عباس کے انقلاب نے مسلمانوں میں کوئی تبدیلی رونما نہ کی۔ بلکہ اگر ہم یہ کہیں تو حق بجانب ہوں گے کہ اس انقلاب نے حکمرانوں کے چہرے

بدلنے کے سوا کچھ نہ کیا۔ مگر پھر بھی بنی عباس کے انقلاب نے لوگوں میں موجود انقلاب کی رغبت کو کم نہ کیا اور پے در پے انقلابات پھر بھی جاری رہے۔ عباسی حکومت گزر جاتی ہے اور دوسری حکومتیں ان کی جگہ لیتی ہیں مگر آتشِ انقلاب اس طرح شعلہ ور ہے اور اپنے اس انسانی مقام کا دفاع جاری رکھتی ہے۔ جس کو حکمرانوں نے پامال کر دیا۔

ابی السرایا کا قیام

جیسا کہ آپ پر یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ انقلابات لوگوں کی بصیرت، معاشرے کے انحطاط اور پستی کی وجہ سے حکمرانوں کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے وجود میں آئے۔

جیسا کہ اموی حکومت کے خلاف انقلابات برپا ہوئے۔ جن کا پہلے ذکر ہو چکا۔ بالکل اسی طرح بنی عباس کی حکومت کے خلاف بھی انقلابوں کا سلسلہ جاری رہا ہے۔

ہم یہاں بطور نمونہ مامون کے خلاف "ابو السرایا" اور "محمد ابن ابراہیم ابن طباطبا علوی الحسنی" کے انقلاب کا ذکر کرتے ہیں۔

محمد ابن ابراہیم نے ایک بوڑھی عورت کو کوفہ کے ایک ایسے راستہ سے گزرتے دیکھا جو جانوروں پر کھجوریں لاد کر لانے لے جانے کے لئے استعمال

ہوتا تھا اور وہ عورت جو کھجوریں راستے میں گری ہوئی ملتی تھیں۔ انہیں اٹھا کر اپنی بوسیدہ قمیض کے دامن میں جمع کر رہی تھی۔ محمد نے اس عورت سے پوچھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے۔ اس نے کہا "میں ایک بیوہ عورت ہوں۔ میرا کوئی شوہر یا سرپرست مرد نہیں ہے جو میری معیشت کا انتظام کرے اور میری چند بیٹیاں ہیں جو کمانے پر قادر نہیں ہیں۔ میں اس راستے پر گری ہوئی کھجوروں کو اٹھا کر اپنے اور اپنی بچیوں کے لئے قوت لایموت حاصل کرتی ہوں"۔

محمد ابن ابراہیم یہ باتیں سن کر گریہ کرنے لگا اور کہا:

"تو اور تجھ جیسوں کی حالت مجھے کل
قیام کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ تاکہ
میرا خون بہا دیا جائے"۔

محمد نے اسی دن سے انقلاب کے لئے سوچنا شروع کر دیا۔[1]

جب محمد نے اپنے قیام کا اعلان کر دیا تو اس نے ایک خطبے میں لوگوں کو اپنی بیعت اور آلِ محمد کی رضایت حاصل کرنے، کتاب خدا و سنتِ نبیؐ اور امر بمعروف و نہی از منکر پر عمل کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ تمام لوگوں نے اس کی بیعت کر لی اور اس وقت ہجوم کی حالت تھی کہ لوگ ایک دوسرے کو روند رہے تھے۔[2]

محمد، انقلاب کے تھوڑے ہی دنوں بعد انتقال کر گئے، مگر آتشِ انقلاب سرد نہ ہوئی اور ان کے بعد علی بن عبیداللہ علوی نے انقلاب کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لی۔[3]

---

[1] مقاتل الطالبیین صفحہ ۵۲۱

[2] " " ۵۲۳

[3] " " " ۵۳۱-۵۳۲

یہ انقلاب عراق، شام، الجزیرہ اور یمن تک پھیل گیا[1]

ہم جب ان انقلابات کا مطالعہ کرتے ہیں تو تشنۂ انقلابات کے اخلاق اور ان کے ضبطِ نفس پر تعجب ہوتا ہے۔ یہ لوگ جب اپنے دشمنوں پر غالب آتے تھے تو اپنے کمانڈروں کی ہدایت کے مطابق ہر قتل وغارت سے باز رہتے تھے[2] جبکہ بغداد میں حکومتی سپاہی انقلابیوں سے مخاطب ہو کر کہتے تھے۔

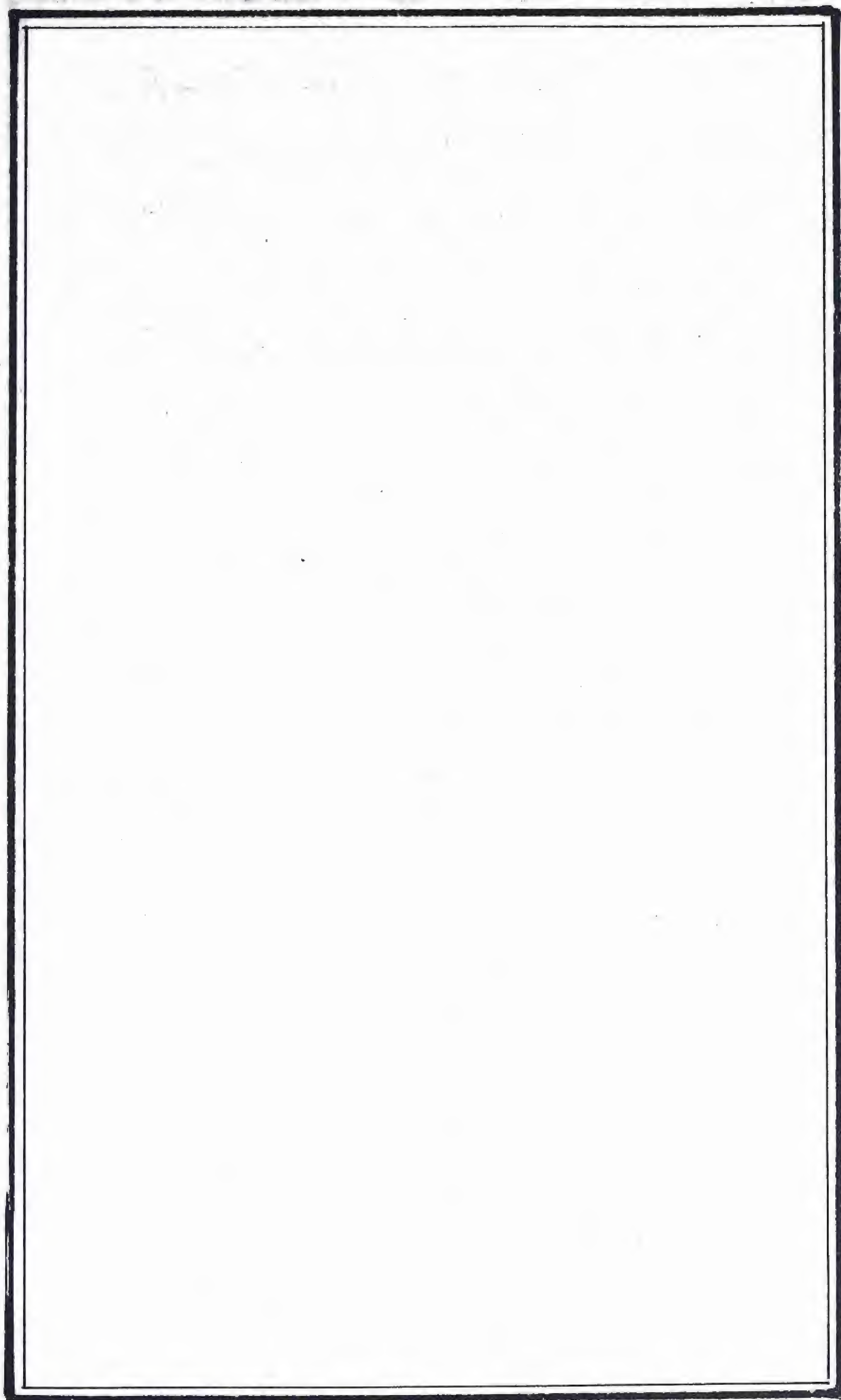
"اے اہلِ کوفہ! تم اپنی عورتوں، بہنوں
اور بیٹیوں کو زیور سے آراستہ کر
کے آمادہ رکھو۔ ہم ان کی عصمت کے
ساتھ یہ کریں گے، وہ کریں گے۔

وہ کسی شرم وحیاء کے بغیر ایسے رکیک الفاظ استعمال کرتے تھے۔

دوسری طرف انقلابی افراد یادِ خدا اور تلاوتِ قرآن میں مصروف رہتے تھے۔ ان کے سربراہ ان کو یوں نصیحت کرتے تھے۔

"اللہ کو یاد کرو۔ توبہ کرو۔ اس سے
استغفار کرو اور اسی سے مدد چاہو۔
اپنی نیتوں کو خالص اور اپنے دلوں
کو پاک کرو۔ دشمن پر فتح حاصل کرنے
کے لئے اللہ سے مدد مانگو۔ اپنی طاقت
اور قوت کو ہیچ سمجھ کر اللہ کی طاقت
پر بھروسہ کرو۔"[3]

1۔ مقاتل الطالبیین صفحہ ۵۲۳-۵۲۴ 2۔ ایضاً ۵۲۵ 3: ایضاً - ۲۲۶-۲۲۷



انقلاب حسینؑ سے مسلمانوں نے کیا پایا

ممکن ہے کہ کچھ لوگ یہ کہیں کہ انقلاب حسین علیہ السلام نے لوگوں میں جذبہ جہاد کو زندہ کر تو دیا اور اس کے نتیجے میں بہت سے انقلابات بھی آئے۔ مگر اس کے باوجود مسلمانوں کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ انقلابات نے جہاں جہاں سر اٹھایا۔ وہاں وہ ہمیشہ دبتے رہے اور انہوں نے لوگوں کو مزید قربانیوں اور تشدد کے سوا کچھ نہیں دیا۔

جواب اس کا یہ ہے کہ درست ہے، یہ انقلابات لوگوں کے حالات میں کوئی تبدیلی نہیں لائے اور کبھی ان کا کوئی محسوس نتیجہ بھی سامنے نہ آیا۔ مگر ان انقلابات کی وجہ سے لوگوں میں اپنے نفس پر اعتماد اور اپنی شخصیت پر ایمان بحال رہا اور وہ اپنی زندگی اور عزت، و شرافت کے حقوق سے آگاہ رہے۔ اور یہ ایک عظیم کامیابی ہے کسی قوم کے لئے سب سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ اس میں

جذبہ جہاد ختم ہو جائے۔

جس قوم میں جذبۂ جہاد نہ ہو۔ وہ اپنا تشخص کھو دیتی ہے اور فاتح قوموں کے پنجے میں جکڑ جاتی ہے۔ تجربہ ہمیں بتاتا ہے کہ ایسی قومیں اپنا تشخص کھو کر صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہیں۔ جن میں جذبہ جہاد اور روح فداکاری نہ ہو۔ جن قوموں کا تاریخ میں صرف نام ہی باقی ہے۔ وہ فوجی یا اقتصادی کمزوری کی وجہ سے نابود نہ ہوئی تھیں بلکہ ان میں جذبہ جہاد ختم ہونے اور سستی و تساہل آنے نے ان کو نابود کر دیا۔

اگر یہ قومیں اپنے تشخص، ثقافت اور دوسری قدروں پر ایمان رکھتیں اور اپنی گہرائیوں میں روحِ جہاد زندہ رکھتیں تو حملہ آوروں کے لئے ان کو کچل دینا ناممکن ہوتا اور وہ زندہ رہ کر تاریخ میں ایک نیا باب کھول دیتیں۔

انقلابِ حسینؑ نے بھی ہمیں یہی مقام دیا ہے۔ انقلاب حسینؑ نے اسی روحِ جہاد کو زندہ کیا جسے بنی امیہ ختم کرنے کی کوشش کرتا رہا اور اس جذبہ جہاد کا سلسلہ زیر زمین ہمیشہ موجود رہا اور اس کی وجہ سے حکمرانوں کے خلاف انقلابی دھماکے بھی ہوتے رہے یہ انقلابات، وقتی طور پر دب تو جاتے مگر ہمیشہ کے لئے نہیں کیونکہ روحِ جہاد ابھی تک زندہ ہے۔ جو مسلمانوں کو انقلاب، ظالموں سے سرکشی اور اپنے وجود کا احساس دلاتے ہوئے جابروں سے یہ کہتی ہے کہ میں ان میں موجود ہوں۔

اب اس نئے دور میں بھی جہاں قوموں کو جھکانے کے وسائل زیادہ ہو گئے ہیں اور مسلمانوں پر ایسے لوگوں کی حکمرانی ہے جو ان کی مصلحتوں کے لئے نہیں اغیار کی مصلحتوں کے لئے کام کرتے ہیں۔ اس کے باوجود عوام پر جمود طاری نہیں ہوا اور وہ مضطرب ہیں۔ قوموں کو کچلنے کے جدید ترین وسائل بھی ناکارہ ہو گئے

ہیں۔ اب تک یہ مسلم اقوام مختلف انقلابات کے ذریعے اپنا خون دے کر اپنی انسانیت کا لوہا منوا رہی ہیں۔ اس طرح امت اسلامیہ اپنے وجود کو ثابت کر رہی ہے۔ وہ مغلوب تاریخ نہیں بلکہ وہ تاریخ ساز ہے۔ یہ ہیں انقلاب حسینؑ کے وہ آثار جو تمام آزادی پسند تحریکوں کا سرچشمہ ہیں اور ان افکار، احساسات اور جذبۂ جہاد کو اس انقلاب نے پیدا کیا ہے جو بعد میں آنے والے تمام انقلابات کے لئے سرچشمۂ حیات بن گیا ہے۔ اسی نے اس دنیا میں آزادی کی جد و جہد کے لئے ایک خونین تاریخ فراہم کی ہے۔

ہمیں اس بات کا صحیح اندازہ تو نہیں ہے کہ اگر انقلاب حسینؑ نہ ہوتا تو کیا ہوتا۔ مگر پھر بھی چند باتوں کا ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اگر انقلابِ کربلا نہ ہوتا تو بنی امیہ کی حکومت، پردۂ دین اور فلسفۂ جمود کے بل بوتے پہ اب تک قائم رہتی بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ پردہ اور یہ فلسفہ مزید مضبوط ہو جاتا اور اسلامی معاشرہ اس کے حکمرانوں کے آگے سرِ تسلیم خم کرتا۔ حکمران عوام کے قیام اور کسی بھی انقلاب سے بے خوف ہو کر غفلت میں پڑے رہتے۔ حکمرانی کرنے اور ملک کو محفوظ رکھنے کی عظیم ذمہ داری سے غافل ہو کر لہو و لعب میں مصروف رہتے اور نتیجتہً حاکم اور محکوم دونوں نابود ہو جاتے۔[۱]

اگر انقلابِ کربلا نہ ہوتا تو کشور کشائی کرنے والی اسلام دشمن طاقتیں اسلامی ممالک کو نابود کر دیتیں تو نہ صرف مسلمان قوموں کی طرف سے

۱۔ مقاتل الطالبین۔ ۵۳۸

کوئی مقابلہ نہ ہوتا۔ بلکہ حاکم و محکوم دونوں ہی نابود ہو جاتے اور تاریخ بھی ان دونوں طبقوں کو مٹا دیتی۔

مگر ایسا نہیں ہوا۔ البتہ حکمران نابود ہوئے اور حکومتیں بھی مٹ گئیں مگر عوام اور رعیت نہ صرف زندہ رہے بلکہ ڈٹے رہے اور یہ سب کچھ انقلاب کربلا کی بدولت ہوا۔

خاتمہ

جس نقطے کی طرف ہم اشارہ کرنا چاہتے ہیں اور جس بات کو میں اپنے موجودہ انقلابی مرحلے کے لئے ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ ہم تاریخ سے انسانی فوائد حاصل کریں اور تاریخ کو انسان اور اس کے مقاصد کے ساتھ مربوط کریں۔

تاریخ کو صرف اسلاف کی زندگی کی تصویر نہیں سمجھنا چاہیئے۔ بلکہ اسے ایک مؤثر اور کامل عضو کی طرح انسان کے اجتماعی جسم کی حیات کے ساتھ منسلک کرنا چاہیئے

قدیم مؤرخین کا مقصد صرف بادشاہان اور سربراہان کے حالات زندگی قلمبند کرنا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ان کی جنگوں، فتوحات، شب نشینیوں، بزموں اور ہوس پرستی کی داستانوں کو بڑے اہتمام اور بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا جبکہ اسلامی اجتماعی زندگی کے پہلو کو بالکل چھوڑ دیا۔

اس طرح ہماری تاریخ مسلم عوام سے ہٹ کر صرف اسلاف کے گذشتہ

حالات زندگی تک ہی محدود ہو کر رہ گئی اور اس نے انسانیت کے تشخص کے لئے کوئی کردار ادا نہ کیا۔ ممکن ہے کہ ہماری تاریخ کبھی احساسات کو ابھارے اور کبھی مہلک غرور میں مبتلا کرے۔ مگر ایک کامل انسانیت کے تشخص کے لئے اس نے ایسا کوئی کام نہ کیا جو اس کے قدیم انسانیت کے اصول پر مرتکز ہو اور جو سخت آزمائش کے وقت اپنے بنیادی محور کو نہ چھوڑے اور وہ اس آزمائش سے کامیابی کے ساتھ نکل آئے جس میں انسان اور صرف انسان کامیاب ہوتا ہے۔

جس عہد میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں اس کے لئے اس امر کی ضرورت ہے کہ ہم تاریخ کو انسانی بنائیں، تاکہ یہ اس زندگی اور کائنات کے بارے میں ہمارے مؤقف میں ارتقاء پیدا کرنے کا ایک اہم سبب بنے۔ ملت اسلامیہ اس زمانے میں اپنے جہاد کے طویل سلسلے کی ایک خطرناک کڑی سے گزر رہی ہے۔

ہم نے عظیم کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ ان کا تحفظ بھی ضروری ہے اور ساتھ ساتھ نئی کامیابیوں کے لئے جدوجہد جاری رکھنے کی ضرورت ہے اور اس مقام پہ جس مرحلے سے ہم گزر رہے ہیں۔ اس کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب انسان اپنی کامیابیوں پہ اتفاق کرتا ہے اور مزید کامیابی کے لئے سلسلہ جہاد جاری نہیں رکھتا تو اس سے حاصل شدہ کامیابیاں بھی چھن جاتی ہیں۔ لہٰذا اس امت کو پھر سے جمود اور سکوت کا شکار ہونے سے بچانا چاہیئے۔ تاکہ وہ اپنی موجودہ حالت پہ راضی برضا ہو کر خواب غفلت میں نہ چلی جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کاہلی اور جمود کا شکار ہوئے بغیر آگے بڑھنے کا عزم کر لیتی ہے تو اس بات کا خوف ہے کہ اگر اس کے پاس ایک پناہ گاہ اور مرکز موجود نہ ہوا تو یہ اپنے راستے سے ہٹ جائے گی۔ الیا

مرکز جس کی بنیاد اس کے تاریخی اور نظریاتی تشخص پر ہو۔ اس امت کو اپنی پیش رفت میں بے راہروی اور انحراف سے بچانے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ وہ اپنی تاریخ کا صحیح تجزیہ و تحلیل کرنے کے بعد اس کو سمجھیں۔ ملت اسلامیہ کی تاریخ قوموں کی تاریخ ہے، نہ حکمرانوں کی جنگوں، ان کی فتوحات اور ان کی مجالس لہو و لعب کی تاریخ ہے۔ ہماری تاریخ ظالم حکمرانوں کے خلاف قیام کی تاریخ ہے۔ قوموں کی تاریخ ان کے روپ، ان کے جہاد اور ان کے ایمان سے عبارت ہے اور حکمران جن کے خلاف ملت نے قیام کیا۔ وہ قوم میں شامل نہیں ہیں۔ اگر وہ قوم میں شامل ہوتے۔ تو ان کے خلاف قیام نہ کیا جاتا۔ اگر وہ اقوام میں شامل ہوتے تو وہ ان کے دکھ درد کو محسوس کرتے اور اپنے کردار بد سے انقلاب کے لئے گنجائش نہ چھوڑتے۔

قوموں کی تاریخ قیام اور انقلابات کی تاریخ ہے۔

ملت اسلامیہ کو ہمیشہ بیدار رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے داخلی اور خارجی دشمنوں سے ہمیشہ برسرپیکار رہے اور اپنی کامیابیوں کا تحفظ کرے تاکہ وہ اپنی کامیابیوں کے دھوکہ و غرور سے بچ کر اپنی ارتقائی منازل طے کرنے میں ہوشیاری سے کام لے سکے۔ اور اس انقلاب کو قائم و دائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود اپنے اوپر تنقید کرے اور اپنے مؤقف پر ہمیشہ محققانہ نظر رکھے تاکہ وہ اپنے راستے سے دور نہ ہٹ جائے۔ اپنے داخلی و خارجی حالات کی درستگی کے لئے انقلاب کو دائمی بنانے کے سلسلے میں اس امر کی ضرورت ہے کہ وہ خود اپنی تاریخ اور اپنے انقلابات سے عبرت لے۔

ہر قوم کو اپنا تشخص، نظریات، اور جہاد اپنی تاریخ میں نظر آتے ہیں۔ اور اپنے اس نظریاتی تشخص کی روشنی میں وہ انحراف سے بچتی ہے اور انقلابی

تشخص کے ذریعے وہ جمود و سکوت سے محفوظ رہتی ہے

تدوین تاریخ میں تبدیلی کی ضرورت

قدیم مؤرخین نے ہمارے انقلابات کی تاریخ میں تحریف کی ہے کیونکہ وہ بزعم خود حکمرانوں کے زیر اثر آنے کی وجہ سے ان انقلابات کو جائز حکومت کے خلاف باغیانہ حرکت سمجھتے تھے۔

اب اس بات کی درستگی بہت ضروری ہے۔ اب امت اسلامیہ کے لئے ایک نئی انقلابی اور صحیح تاریخ کی ضرورت ہے۔ ان تشدد، مظالم اور غربتوں سے پردہ اٹھنا چاہیئے۔ جن کی وجہ سے لوگ انقلاب لائے اور اپنی موجودہ زندگی پر احتجاج کرتے ہوئے موت کے دامن میں جا گرے۔ اس امت کے تاریخی تشخص کو اجاگر کرنا ضروری ہے اور پوری تاریخ میں اس کے نظریاتی اور انقلابی محور کا انکشاف ضروری ہے۔ ان انقلابیوں کے انسانی فضائل کو بھی ابھارنے کی ضرورت ہے۔ جن کی وجہ سے وہ کبھی بھی بے مقصد اور غیر ذمہ دارانہ طور پر ڈاکو یا چور اور درندوں میں تبدیل نہ ہوئے۔

امت اسلامیہ کی انقلابی تاریخ نہایت روشن تاریخ ہے۔ چنانچہ پوری تاریخ میں اس امت نے جو انقلاب برپا کئے۔ وہ اس امت کی انسانیت اور انسانی حقوق سے مالامال ہو کر زندہ رہنے کی رغبت کے لئے ایک آزادانہ تعبیر ہیں۔

کربلا میں انقلاب حسین علیہ السلام اس تاریخ کا آغاز ہے اور انقلابی تاریخ میں حیرت کا بھی آغاز ہے۔ یہ وہ پہلا انقلاب ہے۔ جس نے لوگوں کو اپنے خونین اور طویل راستے پر ڈال دیا۔ جو جہاد کا راستہ ہے جبکہ وہ اس سے

پہلے اموی سیاست کی وجہ سے جذبہ جہاد سے محروم ہو چکے تھے۔ انقلاباتِ عالم میں حسینی انقلاب معنویت اور کامیابی تک پختہ عزم کے ساتھ ایک خونین جہاد کو جاری رکھنے میں سب سے زیادہ کامیاب انقلاب ہے۔ انقلاب کربلا کے جانبازوں کو بہترین زندگی کی پیشکش ہوئیں، مگر انہوں نے اس زندگی کو ٹھکرا دیا۔ جس میں امت پر کئے جانے والے ظلم و تشدد کے بارے میں خاموشی اختیار کرنا پڑے۔ یہ ایک ایسا انقلاب ہے جس میں پوری تاریخ میں سب سے سخت امتحان لیا گیا لیکن وہ پیچھے نہ ہٹے اور مشکلات کے باوجود ثابت قدم رہے اور جب تک راہِ حق میں خاک و خون میں غلطاں نہ ہوئے۔ اس وقت تک زمین پر نہ بیٹھے۔ یہ ایک ایسا شریفانہ انقلاب تھا جس میں اس کے جانبازوں کا کوئی ذاتی مفاد کارفرما نہ تھا۔ ان کا مقصد اپنے معاشرے کو ظلم و تشدد کے پنجے سے آزاد کرانا تھا۔

یہاں سے انقلاب حسینؑ کی تاریخی اور اصلاحی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ انقلاب ایک ایسا کامل نمونہ ہے جس کو مشعلِ راہ بنایا جانا چاہیئے۔

چونکہ انقلاب حسینؑ کو ایک عظیم اہمیت حاصل ہے۔ اس لئے ہمارے مفکرین اور دانشمندوں کو جن کے ہاتھ میں اس امت کی قیادت اور اصلاح ہے چاہیئے کہ وہ اس انقلاب کو پوری اہمیت دیں اور جذبہ انقلاب اور جہاد کو زندہ کرنے میں اس انقلاب نے جو کردار ادا کیا ہے اور جن اخلاقی اقدار کا ہمیں درس دیا ہے ان کو واضح کریں اور اس انقلاب کو وہ مقام دیں جو اسے ہماری تاریخ میں ملنا چاہیئے۔

ذرائع ابلاغ کے جدید وسائل نے ہمارے لئے یہ بات آسان کر دی

ہے کہ ہم ان سے فائدہ اٹھا کر اپنے موجودہ معاشرے کی اصلاح کے لئے اپنے تاریخی انقلاب سے استفادہ کریں اور اپنا تاریخی تشخص اس معاشرے کے سامنے لے آئیں اور ہمیں اس ہنج پہ کام کرنا چاہیئے کہ جن تاریخی اور نظریاتی اساسوں پہ پوری تاریخ میں ہماری تحریکیں چلی ہیں۔ انہی کو موجودہ تحریک کے لئے بھی اساس بنایا جائے۔

اختتام ترجمہ

بروز جمعہ ۱۹ جمادی الثانیہ ۱۴۰۴ھ

شب ولادت سیدۂ کونین فاطمہ زہرہ سلام اللہ علیہا

مطابق ۲۳ مارچ ۱۹۸۴ء

فہرست

مؤلف کی دیگر تالیفات

۱۔ نظام الحکم والادارۃ فی الاسلام

۲۔ دراسات فی نہج البلاغۃ

۳۔ ثورۃ الحسین ظروفہا الاجتماعیۃ وآثارھا الانسانیۃ

۴۔ ثورۃ الحسین فی الوجدان الشعبی

۵۔ انصار الحسین

۶۔ محاضرات فی التاریخ الاسلامی

۷۔ دراسۃ عن موسوعۃ الفقہ الاسلامی

۸۔ بین الجاہلیۃ والاسلام

۹۔ مطارحات فی الفکر المادی والفکر الدینی

۱۰۔ الاسلام وتنظیم الأسرۃ (مع آخرین)

۱۱۔ الغدیر دراسۃ تحلیلیۃ اجتماعیۃ سیاسیۃ لمسألۃ الحکم الاسلامی بعد الرسول (ص)

۱۲۔ الحسین۔ قصۃ حیاتہ وثورتہ

۱۳۔ شرح عہد الاشتر

۱۴۔ عقائد الشیعۃ الامامیۃ

۱۵۔ العلمانیۃ ھل تصلح حلا لمشاکل لبنان

۱۶۔ السلم وقضایا الحرب عند الامام علی (ع)

۱۷۔ عاشوراء فی سنۃ ۱۴۰۲ھ

یہ آپ کی مطبوعہ تالیفات ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کی غیر مطبوعہ تالیفات بھی ہیں، خداوند عالم آپ کو توفیق دے کہ ان کتابوں کو بھی طبع کریں

